اسلام اور عورت

مصنف

ڈاکٹر محمد فاروق خان

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اسلام اور عورت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تالیف

ڈاکٹر محمد فاروق خان

ڈاکٹر رضوانہ فاروق

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ترتیب

		پیش لفظ	3
باب اول	:	عورت کا انفرادی تشخص	5
باب دوم	:	اسلام میں اختلاط مرد و زن کے آداب	14
باب سوم	:	اسلام کا تصور خاندان	76
باب چہارم	:	عورت اور سیاست	133
باب پنجم	:	عورت اور اسلامی قانون	139
باب ششم	:	خواتین کے متفرق مسائل	168

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

پیش لفظ

آج اسلامی دنیا میں خواتین کے حقوق کا مسئلہ اہم ترین مسائل میں سے ایک بن چکا ہے۔ اسلام میں خواتین کی کیا حیثیت ہے۔ اُن کے کیا حقوق و فرائض ہیں۔ مردوں اور خواتین کے درمیان کن حدود کی پاسداری ضروری ہے۔ حجاب سے کیا مراد ہے۔ کیا عورت قانون کی نظر میں کم تر ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان کیا تعلق ہونا چاہیئے۔ زندگی کے مختلف مشکل مرحلوں اور فیصلہ کن حالات میں اسلام کس طرح اس کی مدد کرتا ہے۔ ان سب سوالات پر بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ مسلمان معاشروں کے اندر بڑی تیزی سے تبدیلیاں بھی آ رہی ہیں اور اس کی وجہ سے اس بحث کی لے مزید اونچی ہو رہی ہے۔

اس بحث کے دوران میں دو نقطہء ہائے نظر نمایاں ہیں۔ ایک جامد مذہبیت پر مبنی نقطہ نظر جس کی رو سے عورت دوسرے درجے کی شہری ہے اور دوسرا مادر پدر آزاد مغربیت سے مرعوب نقطہ نظر جس کی رو سے اس معاملے میں آزادانہ اختلاط پر مبنی معاشرہ ہی قابل اتباع ہے۔ بدقسمتی سے اعتدال پر مبنی نقطہ نظر، جس کی رو سے مرد اور عورت بحیثیت انسان بالکل برابر ہیں، تاہم دونوں کے لئے کچھ حدود کی پاسداری ضروری ہے، دب کر رہ گیا ہے اس لئے کہ انتہا پسندی (Polarisation) کی فضا میں اعتدال کی بات بہت مشکل ہوتی ہے۔

اس کتاب کے دونوں مصنفین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلام کا پیغام درحقیقت اعتدال کا پیغام ہے۔ اسلام کا اصل سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ اگر قرآن مجید کی روشنی میں خواتین کی حیثیت کا تعین کیا جائے اور اُسی کی روشنی میں تمام احادیث کی تشریح کی جائے تو یہ موقف بالکل واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں ہر معاملے کے ضمن میں بنیاد کو قرآن مجید بنایا گیا ہے اور پھر اسی کے تحت متعلقہ احادیث کے مفہوم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ خواتین سے متعلق ہر آیت قرآنی اور ہر حدیث پر اس کے سیاق و سباق کی مدد سے روشنی ڈالی جائے۔ تاہم ہم سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو اس ضمن میں توجہ دلانے کے ہم بے حد شکر گزار ہونگے۔

اس کتاب کی تیاری میں ہمیں قدم قدم پر اپنے استاد جناب جاوید احمد غامدی کا تعاون حاصل رہا۔ جناب محمد رفیع مفتی اور جناب منظور الحسن نے بھی بھرپور مدد کی۔ جناب جہانزیب شاہ نے کمپوزنگ کی مشکل ذمہ داری کو بطریق احسن پورا کیا۔ ڈاکٹر آغا طارق ہر وقت حوصلہ افزائی کرتے رہے اور ''دارالاشراق'' کے محمد بلال، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی شب و روز محنت سے یہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔ان سب احباب کاشکریہ ہم پرواجب ہے۔

ہماری پروردگار سے دعاہے کہ اس کتاب کی صحیح باتوں کے لئے قارئین کے دلوں میں آمادگی پیدا کرے اوراس کی غلط باتوں سے سب کومحفوظ رکھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

عورت کا انفرادی تشخص

اسلام کے نزدیک ایک عورت اپنی نوع کے اعتبار سے مرد کی تابع محض نہیں بلکہ اس کی اپنی علیٰحدہ مکمل شخصیت ہے۔ وہ دین و دنیا دونوں اعتبارات سے اپنا پورا وجود رکھتی ہے۔ اسے اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے، دین کی خدمت کرنے، تعلیم حاصل کرنے، ملازمت یا کاروبار کرنے، ملکیت حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور کسی تخلیقی کام میں اپنی صلاحیت ظاہر کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک مرد کو ہے۔ اس کا دین اور اس کی دنیا دونوں کسی کی تابع نہیں۔ وہ ہر اعتبار سے اپنی شخصیت مالک ہے۔ اس کی حقیقت کے دینی پہلو کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

" مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والی مرد اور عاجزی کرنے والے عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں، یقیناً ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

درج بالا آیت میں جن صفات کا ذکر ہوا ہے وہ تعداد میں دس ہیں۔ ان دس صفات میں اسلام اور اسلامی اخلاق و کردار کے تمام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

پہلوسمٹ آئے ہیں۔ان کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی۔اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبادت و اطاعت اور اُخروی درجات و فضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔جنس کی بنیاد پر دونوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔ جہاں تک دنیا اور اس کے مال و اسباب کا تعلق ہے اس ضمن میں قرآن مجید نے یہ اصول بیان کیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً

" جو کچھ مردوں نے کمایا ہے(یا کماتے ہیں)۔اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے(یا کماتی ہیں)۔اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔" (نساء-4 آیت-32)

سورۃ نساء میں بنیادی طور پر ان دنیوی مالی امور اور دوسرے معاملات پر بحث کی گئی ہے جو مردوں اور عورتوں مثلاً میاں بیوی یا خاندانی رشتہ داروں کے مابین وجود میں آتے ہیں۔درج بالا آیت کے معاً بعد قانون وراثت کی ایک شق بیان ہوئی ہے اور اس کے بعد میاں بیوی کے آپس کے تعلقات کے ضمن میں یہ ہدایت دی گئی ہیں۔گویا سیاق وسباق (context) سے یہ بات واضح ہے کہ اس آیت کا تعلق اصلاً دنیوی زندگی سے ہے۔اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایک خاتون کو تعلیم حاصل کرنے ، ملازمت یا کاروبار کرنے ، جائیداد کی خرید وفروخت غرض یہ کہ اپنی شخصیت کے تعمیر کرنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ کسی مرد کو ہے۔

اسی مفہوم کی اور بہت سی آیات قرآن مجید میں جابجا ارشاد ہوئی ہیں۔جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ۔ان کے درمیان ذمہ داریوں کے بوجھ اٹھانے میں فرق ہوسکتا ہے(جیسا کہ آگے اس کتاب میں تفصیل آئے گی)۔تاہم دونوں ہی انسان ہیں اور دونوں کے بنیادی حقوق و مراعات یکساں ہیں۔ارشاد ہے۔

أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ

"میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔" (آل عمران 3- آیت-95)

سورۃ توبہ میں پروردگار نے تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں کو ایک دوسرے کا دوست، مددگار اور معاون قرار دیا ہے۔گویا عورتیں عمومی طور پر مردوں کی تابع نہیں ۔ بلکہ ان کے برابر اور ان کی دوست ہیں۔البتہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے مخصوص

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

حالات میں حفظ مراتب ہوسکتا ہے۔جیسے حاکم اور شہری کا فرق۔

وَالْمُومِنونَ وَالْمُومِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلوٰةَ وَيُؤتُونَ الزَّكوٰةَ وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ اِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

" مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے دوست (اور مدگار ومعاون) ہیں۔ بھلائی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں اور زکواۃ ادا کرتے ہیں۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم ودانا ہے۔" (توبہ-9 ،آیت-71)

یہی وجہ ہے کہ دور نبویؐ میں عورتیں دین کا علم بھی حاصل کرتی تھیں، دنیا کا علم بھی حاصل کرتی تھیں۔ زراعت بھی کرتی تھیں۔ تجارت اور صنعت وحرفت کا کام بھی کرتی تھیں اور اپنی جائیداد اور مال واسباب کا انتظام بھی سنبھالتی تھیں۔حضرت عائشہؓ کے متعلق تو سبھی جانتے ہیں کہ ان سے ہزاروں کی تعداد میں احادیث روایت کی گئی ہیں۔ان سے مروی احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔(صدارت الذھب جلد اول)

امام ابن قیم نے دور نبویؐ کے صحابہ وصحابیات میں جو فقیہہ (Jurists) تھیں اور جنہوں نے قانونی معاملات پر اپنی آراء دیں اور فیصلے کئے۔اُن کی فہرست مرتب کرکے واضح کیا ہے کہ ان میں ایک بڑی تعداد خواتین کی تھی۔مثلاً حضرت عائشہؓ،حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ،حضرت صفیہؓ،اُم عطیہ،اُم صبیہ،لائلہ بنت قائم ،اسماء بنت ابوبکر،ام شریک ۔خولہ،بنت ام درداء،عتیقہ بنت زید، سہلہ بنت سہیل، جویریہ،میمونہ، فاطمہ بنت قیس،ام ایمن،ام یوسف،اور عاصریہؓ وغیرہ ان میں شامل ہیں۔(اعلام الموقعین ۔ جلد اول)

دور صحابہ کی تاریخ مرتب کرنے والی کتابیں ایسی صحابیات کے تذکروں سے بھری پڑی ہیں جنہوں نے دینی علم کے مختلف شعبوں میں کمال حاصل کیا تھا۔صرف یہی نہیں بلکہ بے شمار بڑے علماء نے انہی خواتین سے دین کا علم حاصل کیا۔ پورے دور صحابہؓ میں یہ ایک عام طریقہ تھا کہ لوگ امہات المومنین کے پاس اپنے دینی مسائل کے حل کیلئے رجوع کرتے تھے۔مگر ان کے علاوہ بھی بے شمار خواتین اس معاملہ میں مشہور ہیں۔مثلاً بنت ربعی بنت معوذؓ ایک بڑی عالمہ تھیں۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ابن عمرؓ ان سے سیکھتے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے مثلاً سلمان بن یاسر، عباد ابن ولید، نافع مولا ابن عمر۔ اسی طرح فاطمہ بنت قیس چند بہت بڑے علماء مثلاً ابن مسیّب، عروہ ابن زبیر اور شعبی کی استاد تھیں۔ (الاستیعاب فی الا اسماء والاصحاب)

سعد بن وقاصؓ کی بیٹی عائشہ بھی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ ان کے شاگردوں میں امام مالک، ایوب سختیانی اور حکم بن عتیبہ جیسے علماء وفقہاء شامل تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد دوازدھم)۔ اسی طرح امام شافعی جیسے عظیم انسان نے علم حدیث سیدہ نفیسہؒ سے حاصل کیا جو حضرت حسنؓ کی پوتی تھیں۔ (وفیات الاعیان الا بن خلکان۔ جلد دوم)

یہی حال دنیوی علم و ادب کا تھا۔ مثلاً شاعری کے میدان میں بیسیوں صحابیات کا ذکر آتا ہے جن میں حضرت خنساء، سودہؓ، صفیہؓ، عاتکہؓ، مریدیہؓ، ام ایمنؓ اور کئی دوسرے نام شامل ہیں۔ طب اور جراحت (میڈیسن اور سرجری) کے ضمن میں رفاضہ اسلمیہؓ، ام مطاعؓ، ام کبغہؓ، صمنہ بنت جحشؓ، ام عطیہؓ اور ام سلیمؓ کے علاوہ کئی دوسری صحابیات بہت مشہور تھیں۔ (طبقات ابن سعد، اصابہ)

دور صحابہ میں خواتین کا لکھنا پڑھنا اور دنیاوی علم حاصل کرنا بالکل عام تھا۔ اس ضمن میں گنتی کے حوالے سے اگر ہمیں عورتوں کی تعداد کم نظر آتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں تعلیم اس طرح عام نہ تھی جیسے آج ہے۔ طبقات ابن سعد کے مطابق عام عورتیں بھی حساب کتاب کرسکتی تھی اور تحریر کرسکتی تھیں۔ (طبقات ابن سعد۔ جلد ہشتم)۔ "الادب المفرد" کے مطابق خواتین لکھتی بھی تھیں اور ان کے جوابات بھی بھیجتی تھیں۔

اس زمانے میں خواتین اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور خود زراعت کا کام بھی کرتی تھیں۔ احادیث کی سب سے اہم کتاب صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد ایک صحابیہ خاتون کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ جس کے اپنے کھیت اور باغات تھے۔ وہاں وہ ایک نہر کے کنارے سلق (ایک سبزی) اگایا کرتی تھیں۔ ہر جمعہ کو حضرت سہل بن سعد اور چند دوسرے صحابی ان کے ہاں جاتے اور وہ سلق اور جو کے کھانے سے مہمانوں کی تواضع کرتیں۔ (صحیح بخاری۔)

صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت کے مطابق حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے اپنی خالہ کا قصہ بیان کیا۔ جن کو ان کے شوہر نے طلاق دی تھی۔ طلاق کے بعد جب وہ عدت (یہ اس مدت کو کہتے ہیں جو اندازاً تین مہینے بنتا ہے، جس میں خاتون کے لئے دوسرا نکاح ممنوع ہوتا ہے) گزار رہی تھیں تو انہوں نے چاہا کہ عدت کے دوران میں وہ اپنے کھجور کے باغ میں سے کچھ درختوں کے پھل کاٹ کر فروخت کریں۔ لیکن ایک شخص نے انہیں مشورہ دیا کہ اس مدت میں گھر سے نکلنا صحیح نہیں۔ اس پر وہ حضورؐ کے پاس گئیں اور پوری تفصیل بیان کی۔ حضورؐ نے انہیں ہدایت کی کہ "اپنے باغ میں جاؤ۔ کھجور کے درخت کے پھل کاٹو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اور انہیں فروخت کرو۔اس طرح تم صدقہ دینے کے قابل بھی ہوسکتی ہو اور اس رقم سے کوئی کام بھی کرسکتی ہو جو آخرت میں تمہارے لئے اجر کا باعث ہو۔" اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کی حضورؐ کے وقت میں خواتین زراعت اور تجارت دونوں کرتی تھیں۔

صحیح بخاری ہی کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی، اسماء، جن کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ وہاں جاتی تھیں اور زراعت میں اپنے خاوند کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

اس زمانے میں خواتین آزادانہ طور پر تجارتی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی تھیں۔اس امت کی سب سے محترم خاتون حضرت خدیجہؓ ایک تاجر تھیں۔بہت سی صحابیات مثلاً حضرت خولہؓ، الخمیہؓ، ثقافیہؓ اور بنت مکرمہؓ خوشبو کی تجارت کرتی تھیں۔(بحوالہ اصابہ فی تمیز الصحابہ۔جلد چہارم)

طبقات ابن سعد میں اسے بہت سے واقعات بیان ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیات نہ صرف یہ کہ زراعت وتجارت اور صنعت وحرفت کرتی تھیں۔ بلکہ وہ اپنے شوہروں سے آزادانہ طور پر کام کرتی تھیں۔مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ ایک ماہر کاریگر تھیں۔ایک دن وہ حضورؐ کے پاس آئیں اور پوچھا،" میں ایک کاریگر عورت ہوں۔ چیزیں بناتی ہوں اور بیچتی ہوں۔لیکن میرے شوہر اور بچوں کا کوئی ذریعہ روزگار نہیں۔کیا میں اپنی آمدنی ان پر خرچ کرسکتی ہوں۔اس پر حضورؐ نے جواب دیا"یقیناً تم کرسکتی ہوں۔اس کا تمہیں اجر ملے گا" یہ روایت الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم میں موجود ہے۔

ایک اور واقعہ کے مطابق ایک دفعہ خولہ بنت ثعلبہ اور ان کے شوہر کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔اس سلسلہ میں جب وہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوئے تو حضورؐ نے شوہر سے فرمایا کہ پروردگار کی طرف سے اس معاملہ میں کوئی حکم نازل ہونے تک اپنی بیوی سے دور رہے۔اس پر حضرت خولہؓ نے کہا کہ "اے اللہ کے رسول!اس کے پاس تو گزارے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔اس کا خرچ تو میں برداشت کرتی ہوں۔"

ایک صحابیہ حضرت قائلہ حضورؐ کے پاس تشریف لائیں اور کہا۔

" میں ایک عورت ہوں جو چیزوں کی خرید وفروخت کرتی ہوں (یعنی تاجر ہوں)"۔ پھر اس نے تجارت کے متعلق بہت سے سوالات پوچھے۔

ایک اور صحابیہ حضرت عامرہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنی کنیز کو ساتھ بازار گئیں۔اور وہاں سے ایک بڑی مچھلی خریدی۔ وہیں بازار میں حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔انہوں نے وہیں بازار میں حضرت عامرہؓ سے وہ مچھلی خرید لی۔

اس طرح کے کئی اور واقعات طبقات ابن سعد جلد ہشتم میں موجود ہیں جو اپنے موضوع پر سب سے مستند کتاب ہے۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

حضورؐ کی اہلیہ حضرت سودہؓ دباغت میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔صحیح بخاری کی روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا۔" ہماری ایک بھیڑ مرگئی۔تو ہم نے اس کی کھال اتار کر اس کو دباغت دی اور پھر اسے کھجوروں کے ذریعے بالکل نرم کرلیا۔" (صحیح بخاری۔)

دورِ صحابہؓ میں خواتین نے کئی دفعہ اجتماعی طور پر بھی مختلف امور سرانجام دئے ہیں۔مثلاً صحیح بخاری کتاب الاعتصام کی روایت کے مطابق ایک دفعہ بہت سی خواتین اجتماعی طور پر حضورؐ سے ملنے گئیں اور ان سے درخواست کی کہ آپؐ ہفتے میں ایک دن ان خواتین کی دینی تعلیم وتربیت اور سوال وجواب کے لئے مخصوص کردیں۔چنانچہ حضورؐ نے ان کی بات مان لی۔ایک صحابیہ حضرت اسماءؓ بنت زید گفتگو میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔ایک دفعہ خواتین نے انہیں اپنا نمائندہ مقرر کر کے حضورؐ کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپؐ سے کچھ سوالات کریں۔(الاستیعاب فی الاسما الاصحاب)

دورِ صحابہؓ میں خواتین کو ایسے ذمہ دار مناصب بھی حوالے کئے جاتے تھے۔جن کی وہ اہل ہوتی تھیں۔مثلاً شفا بنت عبداللہ کے متعلق تاریخی روایات میں آتا ہے کی حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں بازاروں کے نگران افسر کی ذمہ داری دی تھی تاکہ وہ قیمتوں پر نگاہ رکھیں۔

یہ امر معلوم ہوجانے کے بعد کہ دینی اخلاقی اور تمام انسانی حقوق کے حوالے سے مرد وعورت عمومی طور پر اصلاً ہم پلہ وہم مرتبہ ہیں۔ہمارے سامنے چند سوالات آتے ہیں۔

ایک یہ کہ اس بات کا کیا مطلب ہے کہ حضرت حواؑ کی پیدائش حضرت آدمؑ کی پسلی سے ہوئی دوسرا یہ کہ اس بات کا کیا مطلب ہے کہ عورتیں ناقص فی الدین اور ناقص فی العقل ہیں؟ تیسرا یہ کہ اس بات کی صحیح توجیہہ کیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔چوتھا یہ کہ کیا خواتین کی دیت آدھی ہے اور پانچواں یہ کہ کیا واقعی اسلامی عدالتوں میں عورت کی گواہی مرد کی نسبت آدھی تصور کی جاتی ہے؟

ان تمام سوالات کا جواب اور ان کی صحیح وضاحت تو اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔اس بات کے موضوع کے اعتبار سے یہ مناسب ہے کہ پہلے سوال کی وضاحت کی جائے۔

یہ بات کہ حوا کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا؛ بائبل اور تلمود کا بیان ہے۔وہاں سے مسلمانوں کے ایک گروہ میں،قرآن مجید کی ایک آیت اور بخاری کی ایک روایت کا مفہوم صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے، یہ بات در آئی ہے۔

قرآن مجید میں سورۃ نساء کی پہلی آیت درج ذیل ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْ رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

زَوْجَهَاوَبَثَّ مِنْهُمَارِجَالاً كَثِيراً وَّنِساۤءً۔

"اے لوگو، اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔(نساء۴۔آیت۱)

یہاں 'خلق منها زوجها' کی وضاحت میں دو امکانات ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ "اسی نفس سے اس کا جوڑ ا بنایا " اور دوسرا یہ کہ "اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا۔" پہلا امکان لیجیئے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ آدم کو پیدا کر کے پھر اس کے اندر سے حوا بنائی اور دوسرا امکان لیجئے تو مطلب یہ بنتا ہے کہ پہلے انسان کا ہیولا بنایا گیا اور پھر اسی ہیولے میں سے آدم وحواعلیحدہ علیحدہ بنائے گئے۔

قرآن مجید کو سمجھنے کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کسی ایک جگہ کسی آیت کے معنی واضح نہ ہو رہے ہوں تو اسی طرح کی دیگر آیتوں کو لے کر معنی سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل اسی طرح کی آیت سورۃ نحل میں آئی ہے۔ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجاً وَجعلَ لَكم مِنَّ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنْ اَطَّيِّبٰتِ

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیوں سے تمہیں بیٹے پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔"(نحل-16،آیت-72)

اس آیت میں من انفسکم، کے معنی 'من جنسکم' ہی کے لئے جاسکتے ہیں(یعنی وہی ترجمہ جو ہم نے اوپر تحریر کیا ہے)۔اس لئے کہ ہماری بیویاں الگ ہی پیدا ہوتی ہیں، ہماری پسلیوں سے تو پیدا نہیں ہوتیں۔
اسی طرح کی ایک سورۃ روم میں آئی ہے۔ارشاد ہے۔

وَمِنْ آيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوآ اَلَيْهَاَ وَجَعَلَ بَيْنَكمْ مُّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ـ اِنَّ فِى ذَالِكَ لاَيٰتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ o

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

پاس سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔" (روم-30، آیت 21)

اس آیت میں 'من انفسکم' کے معنی صرف اور صرف 'من جنسکم' ہی لئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہماری بیویاں الگ ہی پیدا ہوتی ہیں، ہماری پسلیوں سے پیدا نہیں ہوتیں۔

جب ہم ان دونوں آیتوں کی روشنی میں سورۃ نساء کی آیت ایک کا مفہوم اخذ کرتے ہیں تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہاں بھی آیت کا مفہوم من جنسکم (اُسی کی جنس سے) کا ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے مختلف حصے ایک دوسرے سے متضاد معنی نہیں دیتے۔ بلکہ سارا قرآن یک رنگ و یک معنی ہے۔

اس کے بعد ہم کتب روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری کتاب النکاح اور کتاب احادیث الانبیا میں آئی ہے۔ یہی روایت صحیح مسلم کتاب الرضاع میں آئی ہے۔ ہر جگہ روایت کے الفاظ مختلف ہیں۔ ایک ہی روایت کے درج ہونے میں الفاظ کا اختلاف بالکل قدرتی ہے۔ اس لیے کہ ہر روایت دراصل اس بات کا بیان ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے کوئی بات سنی۔ اس نے وہ بات اگلی نسل میں ایک اور فرد کو بتادی۔ اس نے آگے اگلی نسل میں ایک اور فرد کو بتادی اور اس طرح یہ روایت حدیث کے مرتب کرنے والے اور اس کو کتابی شکل دینے والے کے پاس حضورؐ کی وفات کے تقریباً دو سو سال بعد پہنچی۔ یہ ظاہر ہے کہ اس دوران اصل الفاظ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو مفہوم سامع نے سمجھا ہے وہ پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی صحابی سے ایک روایت جب مختلف واسطوں سے امام بخاری، امام مسلم یا حدیث کی کتاب مرتب کرنے والے کسی بھی فرد کے پاس پہنچی تو اس کے الفاظ میں کمی بیشی ہوگئی۔ اور اسی لئے یہ لازم ہے کہ سب سے پہلے تو ہر روایت کو قرآن مجید کی روشنی میں سمجھا جائے جو دین اسلام کی بالکل یقینی بنیادی دستاویز ہے۔ اور پھر یہ کہ ہر حدیث کو اس سے ملتی جلتی باقی حدیثوں کی روشنی میں دیکھ کر اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہر حدیث کو پڑھ کر اُس سے آزادانہ مطلب نکالا جائے۔ اس لئے کہ کسی بھی حدیث میں کسی بھی طرح کی کمزوری کا داخل ہونا ممکن ہے۔

اس مختصر بحث کے بعد اب ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ہم اس متعلقہ روایت پر غور وفکر کریں۔ اس واقعہ کے راوی صرف ایک صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی سے یہ روایت بیان نہیں ہوئی۔ یوں لگتا ہے کہ حضورؐ کسی محفل میں سامعین کو اس امر کی نصیحت کر رہے تھے کہ وہ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کریں۔ ان سے خیر خواہی کریں۔ ان کے ساتھ گزارا کریں۔ اس کو بہت زیادہ قانون قاعدہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہ کریں۔ ان کے ساتھ حکمت کے ساتھ برتاؤ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کریں۔اور اگر کبھی بیوی مسائل پیدا کرنے لگے، منہ بسورنے لگے، بلاوجہ شکوک وشبہات اور شکوے شکایات کرنے لگے، تب بھی بہت پیار سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں حضورؐ نے بیوی کی نفسیات کو پسلی سے تشبیہ دی کہ اگر پسلی کو بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے (یعنی اس کے ساتھ خالصتاً قاعدے، قانون والا برتاؤ کیا جائے) اور اسے سو فیصد تابع رکھنے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ جائے گی یعنی میاں بیوی کے درمیان طلاق واقع ہو جائے گی۔

ظاہر ہے کسی خاص موقع پر لوگوں کو سمجھانے کے لئے یہ بڑی خوبصورت مثال ہے۔ایسی مثالیں قرآن وحدیث میں جگہ جگہ آئی ہیں۔اور ان سے مراد ہمیشہ ان کے بامحاورہ ادبی معنی ہی ہوتے ہیں۔اس ضمن میں ایک بات کو مختلف راویوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔**"وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں" " عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے " " عورتیں پسلی سے بنی ہے" " عورتیں پسلی کی مانند ہے۔"**

اس اخری روایت نے جو صحیح مسلم کتاب الرضاع میں بیان ہوئی ہے، یہ بات یوں کہی ہے۔ ''اِنَّ المراۃَ کالضِّلع ۔''اس نے بات بالکل واضح کر دی ہے۔لگتا ہے کہ اصل الفاظ یہی تھے۔باقی راویوں نے اپنے فہم اور ذوق کی بناء پر الگ پیرائے اختیار کئے۔ویسے اگر باقی فقروں کو بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بات بطور مثال کہی جارہی ہے۔کیونکہ ان میں سے کسی روایت میں بھی پہلی خاتون یعنی حضرت حوا کا ذکر نہیں۔اس میں اَلْمرأۃَ یعنی ہر عورت اور عورتوں کی پوری صنف کا بیان ہے۔اور یہ حقیقت ہر کس وناکس پر واضح ہے کہ عورتیں پسلی سے نہیں بلکہ مردوں کی طرح تخلیق کے تمام مراحل سے گزرتی ہیں۔

پس درج بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتا ہے کہ عسائیت اور یہودیت کے برعکس اسلام میں اس بات کا کوئی تصور نہیں کہ عورت، مرد کی پسلی سے پیدا ہو کر روز اول سے ہی اس کے تابع، زیرنگیں اور زیردست ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

باب دوم

اسلام میں اختلاط مردوزن کے آداب

خواتین کے حوالے سے یہ اسلام کا وہ پہلو ہے جوسب سے زیادہ افراط وتفریط ،غلط فہمیوں اور پیچیدگیوں کا شکار ہے۔ بسااوقات اسلام کے احکام کوکسی خاص معاشرے کے رسم ورواج کے ساتھ خلط ملط کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اس ضمن میں قرآن وحدیث کے احکام کو اپنی خالص شکل میں سامنے لایا جائے۔ تاکہ جو اسے دلیل کے ساتھ ماننا چاہے، وہ صدق دل کے ساتھ مانے اور جو اسے رد کرنا چاہے، اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا چیز رد کررہا ہے۔

اس باب میں پہلے ہم اپنا موقف بیان کریں گے اور اس کے بعد موجودہ زمانے کی دو بہت بڑی علمی ہستیوں کے نقطہ نظر کا جائزہ لیا جائے گا؛ تاکہ یہ موضوع مثبت اور منفی دونوں صورتوں میں واضح طور پر سامنے آسکے۔

اسلام کا تصور معاشرت کے ضمن میں سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ سوسائٹی کی بنیاد خاندان ہے۔ یہ خاندان شوہر اور بیوی کے پاکیزہ اور محبت سے بھرپور رشتے سے وجود میں آتا ہے۔ اس رشتہ کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شادی سے پہلے بھی مرد و عورت ناجائز تعلق سے پرہیز کریں اور شادی کے بعد بھی جنسی تعلق صرف میاں بیوی کے درمیان ہو۔ اس طرح یہ رشتہ شکست وریخت سے عام طور پر محفوظ رہے گا اور پوری سوسائٹی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگی۔ ان تمام امور پر تفصیلی بحث اگلے باب " اسلام کا تصور خاندان" میں آئے گی۔

میاں بیوی کی رشتے کی حفاظت کے لیے اسلام نے ناجائز تعلق کے قریب بھٹکنے سے بھی اہل ایمان کو منع کردیا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ ہدایت مسلمانوں کو دی گئی:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا۔

"خبردار! زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔" (بنی اسرائیل-17، آیت-32)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

چنانچہ اس اصول کے تحت پروردگار نے سوسائٹی میں مردوں اورعورتوں کے آپس میں تعلق کے ضمن میں ایسے آداب مقرر کردئے جس سے ایک طرف جنسی طور پر آزادانہ اور اخلاق باختہ معاشرہ بھی نہ بننے پائے اور دوسری طرف معاشرے کی ضروریات اور سوشل زندگی کی دلچسپیوں کا خیال رکھا جائے اور خواتین پر بے جا پابندیاں بھی نہ لگائی جائیں۔ چنانچہ مردوں اورعورتوں کے آپس میں میل جول کے لئے اسلام نے کچھ آداب مقرر کئے ہیں انہی آداب کو اسلام کا تصور حجاب کہا جاتا ہے۔

کسی بھی خاتون کے اعتبار سے تمام مردوں کو تین حلقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حلقہ قریب ترین رشتہ داروں کا ہے جن سے کسی خاتون کا ہر وقت بے تکلفانہ میل جول ہوتا ہے۔ مثلاً شوہر، بیٹے، بیٹیاں، بھائی، باپ، خسر، دادا، نانا، چچا، بھتیجا، بھانجا وغیرہ وغیرہ

دوسرا حلقہ ان رشتہ دار خاندانوں اور دوستانہ تعلق رکھنے والے خاندان کا ہے جن سے غمی شادی اور سوشل تعلقات میں میل ملاقات کی ضرورت اکثر و بیشتر پڑتی ہے۔ گویا اس میں دور و نزدیک کے وہ سب رشتہ دار اور دوست گھرانے آجاتے ہیں جن سے کوئی گھرانہ اپنا خاندانی تعلق رکھنا چاہتا ہو۔ ایک خاتون کے لئے اس میں وہ مرد بھی شامل ہیں جن سے اس کا دینوی معاملات وکاروبار میں تعلق ہو۔ مثلاً کسی دفتر یا ادارے میں اکٹھے کام کرنے والے ملازمین، استاد شاگرد، کلاس فیلو، بعض قریبی ہمسائے، ڈاکٹر، ایک ہی گاڑی یا جہاز میں سفر کرنے والے، گھریلو ملازم وغیرہ۔ تیسرا حلقہ ان مردوں کا ہے جن سے کسی خاتون کا عام حالات میں کوئی تعلق نہ بنتا ہو۔

جگہوں کے حوالے سے بھی ایک خاتون کیلئے تین حلقے بن جاتے ہیں۔ سب سے مرکزی حلقہ اس کا اپنا گھر اور اس کے بیٹوں، بیٹیوں، باپ، دادا، خسر، چچا، بھتیجے اور بھانجے وغیرہ کا گھر ہے۔ دوسرے حلقے میں اس کے باقی رشتہ دار خاندانوں اور خاندانی دوستوں کے گھر اور اور وہ جگہیں بھی شامل ہیں جہاں کسی خاتون کو کام کرنا پڑتا ہو، مثلاً تعلیمی ادارہ، کاروباری ادارہ، ہسپتال، ہوٹل، ریسٹورانٹ، گاڑی، جہاز، وغیرہ۔ تیسرا حلقہ ان جگہوں کا ہے جو کسی خاتون کے لیے نئی، انجانی اور غیر محفوظ ہوں۔

ان تمام کیٹیگریز اور حلقوں کے لئے اسلام نے ایسے معقول آداب سکھائے ہیں جن سے ایک طرف کسی خاتون کی زندگی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور دوسری طرف معاشرہ بدکاری سے محفوظ رہے۔ چنانچہ پہلے ہم مردوں کے حلقوں کے حوالے سے قرآن مجید کی ہدایت بیان کریں گے۔ وہ ہدایت یہ ہے کہ ایک خاتون کے لیے اپنے قریب ترین حلقے یعنی شوہر، باپ، بیٹے وغیرہ کے ضمن میں کوئی پابندی نہیں ہیں۔ وہ ان کے سامنے معروف کے مطابق عام بے تکلفانہ لباس میں آسکتی ہے۔ وہ ان کے سامنے پورے میک اپ میں آسکتی ہے۔ اس میں اگر کوئی آداب ہو سکتے ہیں تو عقل عام اور فطری حیا کی بنیاد پر ہیں۔ قرآن مجید میں سورۃ نور آیت نمبر 31 کا ایک ٹکڑا درج ذیل ہے۔ (اس آیت کے بقیہ حصے کو ہم بعد میں نقل کریں گے)

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوۡ نِسَآئِهِنَّ اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيۡنَ غَيۡرِ اُولِى الۡاِرۡبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ

"خواتین ان لوگوں کے سامنے اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کر سکتی ہیں۔ شوہر، باپ (اور ددھیال اور ننھیال کے دوسرے بزرگ)، شوہروں کے باپ (اور شوہر کی ددھیال اور ننھیال کے دوسرے بزرگ)، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے (اور پوتے ونواسے)، بھائی اور بھائیوں کے بیٹے (اور پوتے و نواسے) بہنوں کے بیٹے (اور پوتے ونواسے)، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہو۔ اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوں۔" نور-24، آیت-31)

درج بالا آیت میں غلاموں کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسی کتاب میں ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ کنیزوں اور غلاموں کے متعلق اسلام کا اصل نقطہ نظر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں "وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں" بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب وہ گھریلو ملازمین ہیں جو کسی گھرانے یا خاتون کے اتنے زیادہ تابع ہوں کہ اس سے کسی جنسی تعلق کا خیال دل میں لا ہی نہ سکتے ہوں۔

جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں یہ گھریلو ملازمین والی کیٹیگری نسبتاً غیر واضح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید ایسے مقامات پر دانستہ طور پر ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جن کے معنی میں وسعت ہوتا کہ مختلف حالات میں ان پر عمل کرنے میں کسی کو پریشانی نہ ہو۔

جن اوقات میں میاں بیوی تخلیئے میں ہوں۔ ان میں باقی سب لوگوں کو چاہیئے کہ ان کے کمرے میں آتے وقت اجازت لیں۔ ارشاد ہے۔

یٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاْذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ‌ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ ثَلٰثُ بكم

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

عورٰت لکم لیس علیکم ولا علیھم جناح بعد ھن طوّفون علیکم بعضکم علیٰ بعضٍ کذٰلك یبین اللہ لکم الاٰیٰت واللہ علیم حیکیم۔ واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استاذن الذین من قبلھم کذٰلك یبین اللہ لکم اٰیتہ واللہ علیم حکیم۔

’’اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، لازم ہے کہ تمہارے زیر دست اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے اور دو پہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لئے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے اور وہ علیم حکیم ہے۔ اور جب تمہارے بچے عقل کی حد تک پہنچ جائیں تو چاہیئے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے ہیں۔ اس طرح اللہ تمہارے سامنے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔ (سورہ نور, 24، آیات 57-58)

اس کے بعد دوسرے حلقے کی بات آ جاتی ہے جو قریب ترین حلقے سے تو باہر ہوتا ہے لیکن جس سے رشتہ داری، خاندانی دوستی یا کاروباری تعلق کی بناء پر میل جول ہوتی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے درمیان ملاقات عام طور پر یا گھر میں ہوگی یا کسی پبلک جگہ پر۔ جب اس حلقے کا کوئی مرد یا عورت کسی دوسرے مرد یا عورت سے ملاقات کے لئے اس کے گھر جائے تو پہلے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنا تعارف کروائے۔ اندر آنے کی اجازت طلب کرے۔ جب اسے اندر آنے کی اجازت دی جائے تب وہ اندر آ جائے۔ ایسے موقعہ پر تمام مردوں کو چاہیئے کہ وہ باحیا مہذب لباس پہنے ہوئے ہوں اور ان کی آنکھوں اور چال ڈھال میں حیا ہو۔ ایسے ہی موقعہ پر خواتین کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی باحیا مہذب لباس پہنے ہوئے ہوں۔ ان کی آنکھوں اور چال ڈھال میں حیا ہو۔ اگر اس وقت انہوں نے بناؤ سنگھار کے لئے کچھ زیور وغیرہ پہن رکھا ہو، تو اس کی نمائش نہ کریں بلکہ اسے چھپا ئیں۔ البتہ جس زیور یا میک اپ چھپانے میں مشکل ہو وہ ظاہر ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ایسے موقع پر خواتین کو چاہیئے کہ اپنے گریبانوں کو دوپٹے سے چھپائے۔ بوڑھی خواتین کے لئے دوپٹہ اوڑھنے کی ضرورت نہیں اور اگر انہوں نے کوئی بجنے والا

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

زیور مثلاً پازیب پہنا ہوا ہو تو پھر وہ چلنے میں بھی احتیاط سے کام لیں۔ زور زور سے زمین پر پاؤں مارتی ہوئی نہ چلیں کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں۔

گویا ان ہدایات کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس دوسرے حلقے کے رشتہ دار و خواتین، مرد جب آپس میں اکٹھے ہوں، ملاقات اور گفتگو کریں تو مہذب دائرے میں رہیں۔ ایک دوسرے کو جنسی طور پر کھینچنے کی کوشش نہ کریں۔

کوئی بھی گھرانہ کسی بھی معذور فرد مثلاً کسی لنگڑے یا مریض کو اپنے گھر کا فرد بنا کر اس سے بالکل گھر والا برتاؤ کر سکتا ہے۔

درج بالا مہذب دائرے میں رہ کر یہ سب خواتین و مرد چاہیں تو اکٹھے کھانا بھی کھا سکتے ہیں۔ گویا ضروری آداب کے ساتھ وہ تمام سوشل اور تفریحی سرگرمیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ان پر ایسی کوئی بے جا پابندیاں نہیں ہیں جو ان کی مثبت تفریح کے راستے میں رکاوٹ بنیں۔ پبلک مقامات پر داخلے کے لئے تعارف و اجازت کی چنداں ضرورت نہیں۔ (اگر اس ادارے کے لئے خصوصی آداب ہوں تو یہ الگ بات ہے)۔ ان جگہوں میں بھی جب مرد و خواتین آپس میں ملیں تو ان آداب کا خیال رکھیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

اب آیئے اس دوسرے حلقے کے بارے میں قرآن مجید کے ارشادات پر غور و فکر کریں۔ ارشاد ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

جُیُوبِھِنَّ وَلَایُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّالِبُعُولَتِھِنَّ اَوْاَبَآئِھِنَّ اَوْاَبَآءِ بُعُولَتِھِنَّ اَوَ اَبْنَآئِھِنَّ اَوْاَبْنَآءِ بُعُولَتِھِنَّ اَوْاِخْوَانِھِنَّ اَوْبَنِیْ اِخْوَانِھِنَّ اوبَنِی اَخَوٰتِھِنَّ اونِسَآئِھِنَّ اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ اَوْتّٰبِعِیْنَ غَیْرِاُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِالطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْھَرُواعَلٰی عَوْرٰتِ النِسآءِ

"اے ایمان والو(مرداورعورتو) اپنے گھروں کے سوادوسروں گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ تعارف نہ پیدا کرلو، گھر والوں کی رضا نہ لےلواور گھر والوں کوسلام نہ کرلو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤتو ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ ملے۔اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤتو واپس ہو جاؤ۔ یہی طریقہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔اور غیر رہائشی مکانوں (پبلک اداروں) میں داخل ہونے میں تمہارے لئے کوئی ہرج نہیں جن میں تمہارے لئے کوئی منفعت ہے۔اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہواور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔"

"اے نبیؐ (ایسے موقع پر) مومن مردوں سے کہہ دو کہ ان کی آنکھوں میں حیا ہواور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں۔یہ طریقہ ان کیلئے پاکیزہ ہے۔جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔"

"اے نبیؐ (ایسے موقع) مومن عورتوں سے کہہ دو کہ ان کی آنکھوں میں حیاہواور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں اور اپنا بناؤسنگھار ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر نہ ہو۔اے ایمان والو سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ "

(نور-24،آیات 27-31)

یہ آیات بہت واضح ہیں۔تاہم ان کے چند الفاظ ومحاورات پر مزید غور وفکر مناسب ہے۔اس میں "تشأنسو" کے لفظ کا مطلب

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ہےمتعارف اور مانوس ہو جانا۔یعنی پہلے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنا تعارف کروایئے۔سلام بھیجئے اور آنے کی اجازت مانگئے۔

"بیوت" کا مطلب وہ رہائشی مکانات ہیں جن میں کسی کے بیوی بچے رہتے ہوں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نزول قرآن کے وقت گھروں کو ساتھ مردانہ بیٹھکیں (Drawing Rooms) نہیں ہوا کرتی تھیں۔گویا جب کسی کو گھر کے اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مہمان مرد وزن میزبان مرد وزن کو دیکھ لیں گے۔

"بیوت غیر مسکونہ" کا مطلب غیر رہائشی جگہیں مثلاً دکان، سرائے، ہوٹل ہسپتال، تعلیمی ادارہ، دفتر اور خالصتاً مردانہ ڈرائنگ روم وغیرہ ہیں۔

آگے ایک اور محاورہ آیا ہے۔"یحفظو فروجھم "اس کے معنی ہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا محاورے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس مہذب، باقرینہ اور ستر کی صحیح حفاظت کرنے والا ہو۔

یہ دو محاورے مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے آئے ہیں۔

آگے خواتین کے حوالے سے "زینت" کا لفظ آیا ہے۔زینت اس چیز کو کہتے ہیں جو بدن کے اوپر آرائش وزیبائش کے لئے پہنی جاتی ہے۔مثلاً زیور یا کپڑوں کے اوپر کیا جانے والا کام۔یہاں یہ ہدایت آئی ہے کہ جب کسی جگہ مرد وخواتین اکھٹے ہوں تو عورتیں اپنی زینتیں نہ دکھائیں۔یعنی ان کی نمائش نہ کرتی پھریں۔مگر اس میں آگے ایک استثناء بیان کیا گیا ہے "الا ماظھر منھا" کے الفاظ سے۔اس کے لفظی معنی ہیں" مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے "اس کو مزید با محاورہ بنایئے تو معنی بنیں گے۔" مگر جو کچھ اس آرائش وزیبائش میں سے ظاہر ہو" تھوڑے سے غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرے میں ایک اجمال ہے۔قرآن مجید پروردگار کا براہ راست کلام ہے۔ پروردگار نے اس قرآن میں جہاں جو لفظ بھی استعمال کیا ہے انسانوں کی ہدایت کے لئے اس سے بہتر لفظ و محاورہ استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔اگر قرآن مجید کسی جگہ کوئی مجمل لفظ یا فقرہ استعمال کرتا ہے تو وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔تا کہ اس حکم میں ایک رعایت، نرمی، ڈھیل اور تخفیف رہے۔اور مختلف حالات میں مختلف ذوق، رجحان اور افتادِ طبع رکھنے والے لوگ اس پر عمل کر سکیں اور کسی پر کوئی تنگی نہ رہے۔اس معاملے میں ہر خاتون کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے جس مفہوم پر چاہے عمل کرے۔مثلاً حضرت ابن عباسؓ اور بڑی تعداد میں فقہا اس ضمن میں اس حد تک رخصت کے قائل ہیں کہ ان کے خیال میں کوئی خاتون چہرے اور ہاتھوں کو پورے میک اپ اور زیورات کے ساتھ کھلا رکھ سکتی ہے۔ دوسری طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس حد تک سختی کے قائل ہیں کہ ان کے خیال میں ،الا ماظھر منھا ، سے مراد صرف وہ چادر ہے جو خواتین کو اپنے باقی لباس پر پہننا چاہیئے ۔درمیان کی ایک رائے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خواتین عام طور پر دوسرے مردوں کے سامنے گہرے میک اور زیورات وغیرہ کے ساتھ نہیں آنا چاہیئے ۔تاہم ایسے مواقع بھی ہو سکتے ہیں جب گہرا میک اپ کرنا اور

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

زیور پہننا کسی خاتون کے لئے ضروری ہو جائیں۔ مثلاً اسے شادی بیاہ میں یا کسی فنکشن میں جانا ہے اور راستے میں اسے کسی کے ہاں ٹھہرنا بھی ہے یا کسی دفتر میں کوئی کام ہے۔ یہ رخصت شاید ایسے ہی حالات کے لئے آئی ہے۔

آ گے ایک اور فقرہ ایا ہے۔" وَلیَضرِبن بِخمرھنَّ عَلیٰ جیوبھنَّ " اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا۔" اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے سینوں پر" گویا خمر وہ اضافی کپڑا ہے یا دوپٹہ ہے جسے خواتین کپڑوں کے اوپر پہنتی ہیں تا کہ جسم کے مختلف ابھار اور خطوط نمایاں نہ ہوں۔ یہاں قرآن مجید کی ہدایت یہ ہے کہ اس خمر سے سینہ چھپایا جائے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس خمر سے سر چھپانا بھی لازم ہے یا نہیں۔ حضورؐ کے زمانے میں عربوں کے ہاں جو عام تہذیب تھی اس کے مطابق شریف گھرانوں کے خواتین اس اوڑھنی سے سر ڈھانپتی تھیں۔ چنانچہ عام رائے یہی ہے کہ مسلم خواتین کو سر بھی ڈھانپنا چاہیئے۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہ ہے اور یہ مسلم تہذیب کی ایک علامت بھی بن چکی ہے۔

تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ سر ڈھانپنے کا ذکر نہیں ہوا اگر قرآن مجید سر ڈھانپنے کو بھی شریعت کا لازمی حصہ قرار دینا چاہتا تو شاید اس مفہوم کی کوئی آیت نازل ہوتی کہ "خواتین اپنا خمر اپنے سر اور سینے دونوں پر ڈالے رکھیں" گویا سر کا ڈھانپنا پسندیدہ ہے۔ معروف میں سے ہے تاہم شریعت کی طرف سے لازم نہیں۔ (ان تمام مسائل کے ضمن میں جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں ان پر بحث آگے آئے گی۔)

اس کے بعد ان آیات میں آگے ایک اور فقرہ آتا ہے۔" ولا یضربن بارجلھن لیعلم مایخضین من زینتھن " "اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو" اس کا مطلب یہ ہے کہ مخفی زینت کی نمائش بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ ایک خاتون کو مردوں کے سامنے ایسی باوقار چال سے چلنا چاہیئے جس میں کوئی بے باکی و بے حیائی نہ ہو۔ اپنی چال ڈھال ایسی نہیں رکھنی چاہیئے جس سے یہ تاثر ملے کہ وہ اپنے زینت اور بدن کے خطوط کی نمائش پر تلی بیٹھی ہے۔

سورہ نور کی یہ ہدایات (آیات 27-31) جب نازل ہوئیں تو معاشرے میں دو اہم سوالات اٹھے۔ ایک یہ کہ سوسائٹی کے اندر کچھ مستقل بے سہارا اور معذور لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں بعض لوگ رحم دل لوگ اپنے گھر میں لا کر بسا دیتے ہیں اور ان کو دوستوں کے حلقہ میں بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان بے سہارا لوگوں کے بارے میں اسلام کی کیا ہدایت ہے۔ دوسرا یہ کہ جب مرد و خواتین آپس میں اکٹھے ہوں تو کیا سب اکھٹے کھانا کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ ایسی جگہیں بھی ہوسکتی ہیں جہاں مرد و اور خواتین کو علیحدہ علیحدہ کھانا دینا ممکن نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید نے آگے ان سوالات کا جواب دیا۔ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے جب وہ اس طرح کے سوالات کا جواب دیتا ہے تو یہ بیان کر دیتا ہے کہ یہ توضیحی آیات ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی قرآن مجید نے بتا دیا کہ یہ آیات پچھلے حکم کے نزول کے بعد اٹھنے والے سوالات کی وضاحت کے ضمن میں نازل ہو رہی ہیں۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ان آیات میں یہ وضاحت بیان ہوئی کہ بے سہارا معذور لوگوں کو گھر میں لایا جاسکتا ہے۔ وہ گھر کے محرم افراد کی طرح رہ سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے ساتھ اکٹھے کھانا بھی کھایا جاسکتا ہے۔ اس طرح محرم وغیر محرم رشتہ دار اور دوست خاندان ایک دوسرے کے ہاں بے تکلفی کے ماحول میں سلام کر کے آجاسکتے ہیں اور یہ سب مرد اور عورتیں بقیہ ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اکٹھے کھانا بھی کھاسکتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

لیس عَلی الاعُمٰی حَرِجٌ ولا عَلَی الُاعرِجِ حرج ولا علی مریض حرجٌ ولا علیٓ انفسکم اَن تأ کلو من بیُوتکم او بیُوتِ اٰبآئکم او بیُوت اُمَّھٰتکم او بیُوتِ اِخُوانکُم او بیوت اخُوٰتکُم او بیُوتِ اَعمَامِکُم او بیُوتِ عمّٰتکم او بیوتِ اخوالکم او بیُوتِ خٰلٰتِکم او ماملکتم مَفاتحہ' او صدیقکم' لیس علیکم جناحٌ ان تأ کلو جمیعاً او اَشُتاتاً' فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علیٓ انفسکم تحیۃً من عند اللہ مبٰرَکۃً طیّبۃً' کذلکَ یبیّنُ اللہُ لکم الآیٰتِ لعلکم تعقلقون O

"نہ نابینا پر کوئی تنگی ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ مریض پر کوئی تنگی ہے اور نہ خود تمہارے اوپر کوئی تنگی ہے۔ اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی یا اپنی پھوپھیوں کی گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنے خالاؤں کے گھروں سے یا اپنے زیر تولیت کے گھروں سے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ پیو، خواہ اکٹھے ہو کر یا الگ الگ رہ کر۔ بس یہ بات ہے کہ جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔" (سورہ نور-24، آیت 61)

اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ اسلام سوشل آزادیوں اور معاشرتی روابط کو محدود اور منقطع نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

چاہتا ہے کہ یہ روابط مضبوط ہوں۔لوگ ایک دوسرے کے ہاں آئیں جائیں، ملیں جلیں، کھائیں پئیں۔انفرادی طور پر بھی اور تقریبات میں اجتماعی طور پر بھی۔ پھر اس آیت میں مرد وخواتین اور دوست خاندانوں رشتہ داروں اور دوست خاندانوں کا ذکر اکٹھا کر دیا گیا۔تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ یہ مرد وخواتین اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ظاہر ہے کہ مل بیٹھنے اور کھانا کھانے کے دوران میں حیا کے دائرے کے اندر رہ کر گپ شپ اور مثبت تفریحی گفتگو بھی کی جا سکتی ہے۔

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔وہ یہ کہ نکاح کی عمر سے گزر جانے والی اور بوڑھی خواتین کو تو عموماً بدکاری کا خطرہ درپیش نہیں ہوتا۔تو کیا ان پر بھی ایسی ہی پابندیاں ہیں جیسی عام خواتین پر ہیں یا ان میں کچھ تخفیف ہے؟ اس کی وضاحت میں یہ ہدایت نازل ہوئی کہ زینت کی نمائش تو وہ بھی نہ کریں۔البتہ اگر وہ اوڑھنی یا دوپٹے کا اہتمام نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔اگرچہ پسندیدہ بات یہی ہے۔کہ وہ بھی اس احتیاط کو ملحوظ رکھیں جو عام خواتین کے لئے بیان ہوئی۔

ارشاد ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النساءِ اليٰتی لَایَرْجُونَ نِکَاحًا فلیس علیهن جناحٌ ان یَّضَعْنَ ثِیابَهُنَّ غَیْرَمُتبرِّجٰت بِزِیْنَةٍ واَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌلَهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ۔

"اور عورتوں میں سے بڑی بوڑھیاں جواب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں۔اگر اپنے دوپٹے اتاریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔بشرط یہ کہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں؛ اور یہ بات کہ وہ بھی احتیاط کریں ان کے لئے بہتر ہے۔اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(سورۃ نور-24، آیت 60)

اس دوسرے حلقے میں مرد وخواتین کے میل جول کے آداب کو قرآن مجید نے اتنی تفصیل سے اس لئے بیان کیا کہ اپنے قریب ترین حلقے کے بعد اسی حلقے میں مردوں وخواتین کو کام پیش آتے ہیں۔ان میں جہاں دو جمع دو چار کی طرح بات کرنی تھی وہ بھی قرآن مجید نے کر دی۔ جہاں وضاحت کرنی تھی وہاں وضاحت کر دی۔ جہاں رخصت دینی تھی وہاں رخصت دے دی اور جس بات کو مجمل بیان کرنا مناسب تھا اسے مجمل بیان کر دیا۔تاکہ اس کا اتباع کرنے میں امت کے لیے آسانی رہے۔

اس کے بعد تیسرے حلقے کی بات ہے۔یعنی ان مردوں کی بات جن سے کسی خاتون کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں سے کسی خاتون کی مڈبھیڑ گلی بازار یا کسی اجنبی اور نامانوس جگہ میں ہی ہو سکتی ہے۔اس ضمن میں اسلام نے جو اصول سکھائے ہیں اور قرآن مجید میں کئی مختلف پیرائیوں میں بیان ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہر قسم کی لغو بات سے پرہیز کیا جائے۔کوئی ایسی حرکت نہ کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اور کوئی بے حیائی اور بدتہذیبی کا کام نہ کیا جائے۔ ہر فرد سے حسن سلوک کیا جائے وغیرہ۔
سورۃ مومنون آیت 23 میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِینَ ھُمْ عَنِ الَّغوِ مُعرِضُونَ o

"(اُن مومنوں نے فلاح حاصل کی) جو ہر قسم کے لغو کاموں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

انَّ اللّٰـہَ یاْمُرُکُم بِالْعَدلِ وَالْاِحْسَانُ ف اِیْتَآیٔ ذِی الْقُربیٰ وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَلَامُنْکَرِوالبَغْیِ یَعِظُکُم لَعَلّکُم تَذَکَّرُوْنَ۔

"اللہ تمہیں عدل کا، ہر بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ خود تمہیں نصیحت کر رہا ہے تا کہ تمیں یاد دہانی ہو۔ (النحل ۱۶۔ آیت ۹۰)

یہ ہدایات مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہیں۔ حضورؐ نے بھی وقتاً فوقتاً ان ہدایات کے مختلف عملی پہلوؤں کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی۔ مثلاً حضورؐ نے مردوں کو ہدایت کی کہ گلی بازار وغیرہ میں کسی اجنبی خاتون پر ان کی نظر پڑ جائے تو ندیدوں اور بے حیا لوگوں کی طرح بار بار اس کی طرف نہ دیکھیں۔ بلکہ اپنے کام سے کام رکھیں اور راہ چلتی خواتین کو اذیت نہ دیں۔ ایک روایت میں آتا ہے۔

"حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نظر پھیر لو" (صحیح مسلم۔ کتاب الاداب۔ باب نظر الفجاۃ)

یہ روایت واضح طور پر اسی تیسرے حلقے سے متعلق ہے۔ اسی لئے اس میں نظر الفجاۃ یعنی اچانک نظر پڑنے کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ اجنبی اور راہ چلتی خاتون ہی کیلئے ہو سکتے ہیں۔ اس کے برعکس بیوت مسکونہ و بیوت غیر مسکونہ یعنی دوسرے حلقے کی مردوں و خواتین کے لئے ہدایت "بعض نگاہیں بچانے کی یعنی بے حیائی کی نظر نہ ڈالنے" کی ہدایت ہے۔
ایک دوسری روایت میں ہے۔

"حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ٔ اے علی! ایک نظر کے بعد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

دوسری نظر نہ ڈالو۔ پہلی نظر معاف ہے مگر دوسری نظر کی اجازت نہیں۔" (صحیح مسلم۔کتاب الاداب۔باب نظر الفجاۃ)

حضورؐ کی یہ ہدایت بھی اجنبی اور راہ چلتی خواتین سے متعلق ہے۔اس لئے کہ دوسرے حلقے یعنی بیوت مسکونہ وغیر مسکونہ میں تو مرد وخواتین کو حیا کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کوئی بار دیکھ کر بات کرنے کی فطری ضرورت پیش آسکتی ہے۔
اس طرح حضورؐ نے خواتین کو بھی ہدایت کی کہ وہ حیا کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حیادار لباس پہنیں۔گلی بازار میں نازنخرے نہ دکھاتی پھیریں۔

روایت ہے۔

"رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی رہیں۔دوسروں کو رجھائیں اور خود دوسروں پر رجھیں اور بختی اونٹ کی طرح ناز سے گردن ٹیڑھی کر کے چلیں، وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی بو پائیں گی۔(صحیح مسلم۔کتاب اللباس والزینۃ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حجاب کے ضمن میں امہات المومنین کے لئے خصوصی احکام

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ پروردگار کے رسولوں کے لئے احکام، عام مسلمانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔کچھ احکام کے معاملے میں ان پر سختی ہوتی ہے اور کچھ احکام میں انہیں رخصت دی جاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں کار رسالت کی انجام دہی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔اسی لئے حضورؐ کے لئے بھی بعض احکام وقوانین باقی لوگوں سے مختلف تھے۔مثلاً آپؐ کے لئے تہجد کی نماز لازم تھی۔جبکہ وہ باقی امت کیلئے لازم نہیں۔اسی طرح حضورؐ کے لئے نکاح وطلاق کے قوانین بھی باقی امت سے مختلف تھے۔
جس طرح حضورؐ کے لئے نکاح وطلاق کے قوانین باقی لوگوں سے مختلف تھے۔اسی طرح حضورؐ کی بیویوں کیلئے بھی بعض قوانین باقی لوگوں سے مختلف تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان خاتون کو پروردگار نے یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ باقی خواتین کی تعلیم وتربیت کا کام کریں گی۔اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ان پر کئی ایسی پابندیاں لگائیں گئیں جو باقی خواتین سے مختلف تھیں۔مثلاً انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ عام طور پر اپنے گھروں میں رہیں تاکہ جو خواتین جس وقت بھی کوئی تعلیم وتربیت حاصل کرنا چاہے تو کر سکے۔ان کے لئے اپنے لباس اور زیور کی شان دوسروں کے سامنے نمایاں کرنے پر پابندی لگائی گئی۔ان پر یہ پابندی بھی

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

لگائی کہ حضورؐ کی وفات کے بعد وہ دوسری شادی نہیں کرسکتیں اورانہیں عام مسلمانوں کے لئے مائیں قرار دیا گیا۔

اس کے علاوہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے بھی ان پر چند اضافی احتیاطی پابندیاں لگائی گئیں مثلاً یہ کہ جب بھی وہ کسی مرد سے گفتگو کریں تو لہجہ میں نرمی اختیار نہ کریں اورصرف کام کی صاف اور سیدھی بات کہیں ۔اس کے علاوہ عام گپ شپ کی گفتگو کسی سے نہ کریں۔ اسی طرح ایک چھوٹے سے دائرے سے باہر لوگوں پر پابندی لگادی گئی کہ وہ حضورؐ کے گھروں میں داخل نہیں ہوسکتے۔ اگر انہیں کوئی چیز مانگنی ہوتو دروازے کے پردے سے باہر کی طرف کھڑے ہوکر مانگا کریں اور اگر کبھی حضورؐ لوگوں کو کھانے پر بلائیں تب تو اندر آنے کی اجازت ہے مگر یہ لازم ہے کہ کھانا کھانے کے فوراًبعد چلے جایا کریں۔ یہ سب احکام سورۃ احزاب میں نازل ہوئے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں وہ کون سے حالات تھے جن کی وجہ حضورؐ کی بیویوں پر اور باقی مسلمانوں پر یہ اضافی پابندیاں لگائی گئیں۔

جوشخص بھی غوروفکر کے ساتھ سورۃ احزاب کا مطالعہ کرے گا اس کے سامنے وہ حالات بالکل واضح ہوجائیں گے۔جن کی وجہ سے یہ پابندیاں لگائی گئیں۔ اس کے بعد صحیح احادیث میں جو کچھ ہم تک پہنچا ہے۔ ان سے اس زمانے کے حالات کی مزید تفصیل سامنے آجاتی ہے۔

وہ حالات یہ تھے کہ ایک زمانے میں مدینہ شہر میں منافقین کی شرارتیں حد سے بڑھ گئی تھیں۔حتیٰ کہ وہ ہر وقت حضورؐ کی ذاتی زندگی کے متعلق سکینڈل بنانے کی کوشش کرتے تھے تاکہ آپؐ کی اخلاقی حیثیت مجروح ہو۔ ان اسکینڈلز کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کوشش میں ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا تھا کہ جب حضورؐ گھر تشریف میں فرما نہ ہوتے تھے تو یہ منافق کوئی بہانہ کرکے حضورؐ کے گھر آجاتے۔ امہات المومنین سے بےتکلف ہونے کی کوشش کرتے تاکہ ان کے منہ سے کوئی ایسی بات نکالیں جس سے وہ اسکینڈل بناسکیں اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال سکیں۔ چنانچہ اسی کا سدباب قرآن مجید نے کیا۔

حضورؐ کے زمانے میں آپؐ تمام مہمانوں کے ساتھ مسجد میں ملاقات کرتے تھے۔ عام مسلمان بھی وہی حضورؐ سے ملاقات کرتے تھے۔ مسجد سے متصل حضورؐ کی ہر بیوی کا الگ الگ گھر تھا اور مسجد کے کمرے کو صرف ایک پردہ ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا۔ اس زمانے میں کسی بھی گھر میں مہمانوں کے لئے علیحدہ کمرے یعنی 'ڈرائینگ روم' کا رواج نہیں تھا، چنانچہ منافقین نے یہ کام بھی شروع کیا کہ جب وہ حضورؐ کے ساتھ محفل میں بیٹھے ہوتے تھے تو وہ پانی پینے کے بہانے سے اٹھتے اور بغیر اجازت کے پردہ اٹھا کر حضورؐ کی بیویوں اور وہاں موجود دوسری خواتین سے پانی یا کھانے کی کوئی چیز مانگتے۔ اس سے اصل مراد ان کی یہ ہوتی تھی کہ اندر کی کچھ باتوں کی سن گن بھی لے لیں اور ازواج مطہرات کو ان کے گھر کے اندر بےتکلفی کے عالم میں دیکھ کر اس کے متعلق

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اسکینڈلز بناسکیں کیونکہ ظاہر ہے کہ گھر کے اندر خواتین تو ایک بے تکلف لباس میں ہی ملبوس ہوتی ہیں۔ان منافقین کی دیکھا دیکھی بعض سادہ لوح مسلمان بھی یہی حرکتیں کرنے لگے۔ چنانچہ پروردگار نے سب لوگوں کو اس بے ہودہ عادت سے روک دیا۔ مناسب ہے اس تمہید کے بعداب متعلقہ آیات کی تلاوت کی جائے۔

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ اُمّھٰتُھم ، واُولوا الاَرحام بعضھم اولیٰ ببعضٍ فی کتٰب اللہ من المؤمنین والمھٰجرین الاّ اَنْ تفعلوُ آالیٰٓ اولیٰئِکم معروفاً کان ذٰلکَ فی الکتٰب مسطوراً۔(6)

یٰنسآءَ النبیّ مَنْ یّأتِ منکنّ بفَاحِشَۃٍ مُبیّنۃٍ یضٰعفُ لھاالعذاب ضعفین و کان ذٰلک علی اللہ یسیراً۔ امن یقنت منکن للہ ورسولہٖ وتعمل صالحا نؤتھاآ اجرھا مرتین و اعتدنا لھا رزقاً کریماً۔ یٰنسآءَ البنیّ لستن کا حدٍ من النساءِ ان التقیتن فلاتخضعن بالقول فیطمع الذی جی قلبہٖ مرضُ وقلن قولاً معروفاً۔ وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاحلیۃ الالیٰ واقمن الصلوٰۃ واتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من ایٰت اللہ والحکمۃ ان اللہ کا ن لطیفاً خبیراً۔ (34-30)

یٓاایھاالذین اٰمنوالاتدخلوابیوت النبی الاّان یوذن لکم الیٰ طعامٍ غیر نٰظرین انٰہُ ولٰکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشرواولامستاُنسین لحدیثٍ ان ذٰلکم کان

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

يُـؤذى الـنبـىَّ فيستحـى مـنـكـم والـلـه لا يستحى من الحق
واذا سـالـتـمـوهـن متـاعـاً فسـئـلوهن من وَّرآءِ حجاب، ذلـكم
اطهـر لـقـلـوبـكـم وقـلـوبهـن ان تـؤذوا ورسـول الـلـه ولا ان
تـنـكحـوا ازواجـه مـن بـعـده ابـدًا ان ذٰلكم كان عند الله
عظيماً ـ (53)

لـئن لم ينته المنٰفقون والذين فى قلوبهم مرضٌ والمرجفون
فى الـمدينة لنغرينك بهم ثمَّ لا يجاورُنك فيها الّا قليلاً ـ(60)

" بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور بنی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں ۔اور اللہ کے قانون کی رو سے عام مومنین ومہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں ۔البتہ اپنے رفیقوں کیساتھ تم کوئی بھلائی کر سکتے ہو۔ یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔ ۔۔۔۔۔ نبی کی بیویوتم میں سے جو کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبردار بنی رہیں گی اور عمل صالح کریں گی ہم ان کو دہرا اجر دیں گے۔اور ہم نے ان کے لئے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ نبی کی بیویوتم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔اگر اللہ سے ڈرنے والی ہوتو تم لہجہ میں نرمی اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے (یعنی منافق) وہ (اپنی سازش میں کامیابی کی) کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے۔ بلکہ بات کیا کرو صاف اور سیدھی طرح ۔اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔ اور سابقہ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔نماز کا اہتمام رکھواور زکواۃ دیتی رہواور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کرے۔تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو۔ بے شک اللہ نہایت باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اے ایمان والو، نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے۔ نہ کھانے کا وقت

www.javedahmadghamidi.com

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

تاکتے رہو۔ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ۔مگر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ ،باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ یہ باتیں نبیﷺ کے لئے باعث اذیت تھیں مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ حق بات کرنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔اور جب تم کو ازواج نبی سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو۔اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو ۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ -------- یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں ،اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے ۔تو ہم تم کو ان پر اُکسادیں گے۔ پھر وہ تمہارے ساتھ رہنے کا بہت ہی کم موقعہ پائیں گے۔"(احزاب-33،آیات 60,53,34-30,6)

درج بالا آیات کو جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر پڑھے گا،اس کے لئے ان کا مفہوم سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔تاہم ان کے بعض الفاظ وفقروں کے مفہوم میں قیل وقال ہوتی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بعض حصوں پر مزید بحث کی جائے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ درج بالا آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں کیا وہ صرف ازواج نبی کے لئے ہیں یا سب مسلمان خواتین کے لئے ہیں؟

قرآن مجید کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ اس سے زیادہ واضح الفاظ کیا ہونگے۔یعنی ینساءَ النبیِ لستُنَّ کاَحدٍمِنَ النساءِ (اے ازواج نبی تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو)۔تاہم ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ ان آیات کی مخاطب تمام مسلمان خواتین ہیں۔اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دراصل یہ ایک خاص اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔بالکل ایسا ہی جیسے ایک شریف آدمی اپنے بچے سے کہتا ہے کہ "تم بازاری بچوں کی طرح نہیں ہو،تمہیں گالی نہ بکنی چاہیئے" دوسری دلیل یہ ہے کہ آگے کی آیات میں بعض ہدایات ایسی ہیں جو تمام مسلمان خواتین کے لئے ہیں مثلاً نماز وزکواۃ کی پابندی۔جب ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی ہدایات بھی تمام مسلمان خواتین کیلئے ہیں۔ہمارے نزدیک یہ دونوں دلائل صحیح نہیں ہیں۔

جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ پروردگار سے زیادہ عربی زبان پر کوئی ہستی قادر نہیں ہوسکتی۔پروردگار کے لئے ناممکن ہے کہ وہ کہنا تو کوئی اور بات چاہتا ہو مگر کوئی ایسا اسلوب اختیار کر بیٹھے جس سے لوگ مستقلاً شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جائیں۔پروردگار کو ہمارے ایمان سے دشمنی نہیں کہ وہ اتنی اہم ہدایت میں ذومعنی قسم کے فقرے استعمال کرے۔پروردگار کے لئے یہ کہنا کیا مشکل تھا کہ "اے نبی اپنی بیوں اور اہل ایمان عورتوں سے کہہ دو۔۔۔۔" اگر دوسرا اسلوب اختیار کرنا تھا تو یہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کہنا کیا مشکل تھا کہ "ازواج نبی تم بری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔۔۔۔۔۔۔"اس سے خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ اچھی عورتوں کو کیا کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ پوری سورت خود پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس میں نازل شدہ بہت سی ہدایات رسولؐ اور ازواج نبی کے لیے خاص ہیں۔ یہ سورت کہہ رہی ہے کہ "ازواج نبی کی حیثیت مومنین کی ماؤں کی ہے۔"(آیت-6)۔آ گے نبیؐ ہی کی بیویوں سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے۔"نبی کی بیویو تم میں سے جو کسی صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا۔اللہ کے لئے یہ بہت آسان کام ہے اور تم میں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دہرا اجر دیں گے۔(آیت.-31)۔اس کے بعد آ گے حضرت زیدؓ اس کی سابقہ زوجہ اور پھر زوجہ نبیؐ بننے والی حضرت زینبؓ کے واقعہ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔اس کے بعد آ گے آیت نمبر 50-51 اور 52 میں حضورؐ اور آپ کی ازواج کے لئے خصوصی قوانین پر روشنی ڈالی گئی۔ یہ قوانین باقی مسلمانوں کیلئے بنائے گئے قوانین سے بالکل مختلف ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ اس سورت میں جہاں جہاں عام مسلمان مردوں یا خواتین کو خطاب ضروری تھا وہاں واضح طور پر ان کو اس طرح خطاب کیا گیا ہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔مثلاً کہا گیا ہے کہ "بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم و مومن ہیں ۔۔۔۔)(آیت-35) آ گے کہا گیا ہے۔" کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ۔۔۔(آیت-36)۔آ گے کہا گیا ہے"اے اہل ایمان ۔۔۔۔(آیات 41 - 44)۔۔۔۔آ گے پھر عام مسلمانوں کو ہدایت اس طرح دی جارہی ہے ۔ "اے اہل ایمان۔۔۔۔۔۔(آیت نمبر-49)۔اس کے بعد آ گے پروردگار ایک ایسی ہدایت دے رہا ہے جو تمام مسلمان خواتین کے لئے ہے اور جس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ قرآن مجید کیا الفاظ استعمال کر رہا ہے۔''اے انبی،اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ۔۔۔۔۔۔(آیت -59)

درج بالا حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں ازواج نبیؐ کو براہ راست مخاطب کیا ہے۔ان ہدایات کو تمام مسلمان خواتین کے لئے عمومی ہدایات نہیں بنایا جا سکتا۔

جہاں تک دوسری دلیل کا تعلق ہے یعنی یہ کہ ان ہدایات میں نماز و زکواۃ کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ہدایات تمام مسلمانوں کیلئے عام ہیں۔اس لئے باقی ہدایات بھی عام ہیں۔ یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ پروردگار کے نزدیک نماز اور زکواۃ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ہر موقعہ پر پروردگار ہر کسی کو یہ نصیحت ضرور کرتا ہے۔حتیٰ کہ رسولؐ کو بھی بار بار اس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔مثلاً عنکبوت آیت-45

اُتلُ مَآ اُحِیَ اِلَیكَ مِنَ الكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور نماز قائم کیجئے۔"

قرآن مجید کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار احکام و ہدایات حضورؐ کے لئے خاص ہیں۔آپؐ کا خاص مرتبہ ہے۔ مثلاً قرآن نے بے شمار دفعہ یہ دعویٰ کیا کہ آپؐ کی دعوت قبول نہ کرنے والوں پر خدا کا عذاب نازل ہوگا۔سب جانتے ہیں کہ آپؐ کے علاوہ باقی کسی مسلمان کی یہ حیثیت نہیں کہ اس کی بات نہ ماننے کے نتیجے میں کسی پر عذاب آجائے۔لیکن اگر سورۃ عنکبوت کی درج بالا آیت کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جائے کہ چونکہ نماز پڑھنا صرف رسولؐ کے لئے نہیں بلکہ سب مسلمانوں کیلئے لازم ہے۔اس لئے رسولؐ کے لئے جو کچھ خصوصی طور پر نازل ہوا اس میں بھی سب مسلمان شریک ہیں۔تو ظاہر ہے کہ یہ ایک بے بنیاد دعویٰ ہوگا۔بالکل اس طرح اس دعوے کی بھی کوئی حیثیت نہیں کہ چونکہ اس میں نماز وزکواۃ کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے باقی احکام میں بھی سب مسلمان خواتین شریک ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔اصل حقیقت یہ ہے کہ نماز وزکواۃ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اللہ نے ہر رسول کو ذاتی طور پر مخاطب کر کے بھی اس کی پابندی کی طرف توجہ دلائی ہے اور ہر اہم گروہ کو بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔اس سے دوسرے خاص حکم عام نہیں ہوجاتے۔اس کے بعد آگے یہ فقرہ جو آیا ہے کہ فلاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا "یعنی تم لہجہ میں نرمی اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے (یعنی منافقین) وہ (اپنی سازش میں کامیابی کی) کسی طمع خام میں مبتلا ہوجائے۔" کا کیا مطلب ہے؟

جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ اس سورت کے پورے سیاق وسباق سے اور روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ مدینہ کے اندر جو منافقین بستے تھے ان کی ہر وقت یہ کوشش ہوتی تھی کہ حضورؐ اور ازواج نبیؐ کے متعلق سکینڈل بنائیں اور نت نئی افواہیں پھیلائیں ۔اس کے لئے اُن منافقین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے ازواج نبیؐ کے پاس آتے،اُن سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے۔تاکہ ان کے منہ سے ایسی کوئی بات نکال سکیں جس کی بنیاد پر وہ پروپیگنڈے کریں۔ چنانچہ اس کا سد باب پروردگار نے یوں کیا کہ ازواج نبیؐ پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ وہ کسی بھی دوسرے فرد سے بے تکلف نہیں ہوسکتیں۔حتیٰ کہ لہجے میں کوئی نرمی بھی اختیار نہیں کرسکتیں۔یہ ہدایت بھی ازواج نبیؐ کے لئے خاص تھی۔اس لئے کہ اسلام کی عام اخلاقی ہدایات تو یہ ہیں کہ سب لوگ ایک دوسرے سے خیر خواہی، ہمدردی اور نرم لہجے میں بات کریں۔مثلاً وقولو للناس حسنا ۔"لوگوں سے اچھی بات کیا کرو"(بقرہ-2،آیت-83)۔وقل لعبادی یقولوالتی ھی احسن "اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں"۔(بنی اسرائیل-17،آیت-35)

'حسن' کے مفہوم میں اچھے الفاظ، اچھا پیرایہ اور اچھا لہجہ سب آجاتے ہیں۔

آگے یہ ہدایت آئی ہے وقرن فی بیوتکن "اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو"

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس کا مطلب یہ ہے کہ ازواج نبیؐ کے منصب کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ بلاضرورت گھومنے پھرنے اور عام عورتوں کی طرح تقریبات میں جانے سے پرہیز کریں۔اس کی اصل وجہ قرآن مجید نے خود بیان کی کہ ازواج نبی کا اصل کام یہ ہے کہ ان کے گھروں میں قرآن مجید کی جو تعلیم قانون وحکمت سمیت، نبیؐ سے براہ راست ان کو ملتی ہے۔اسے عام کریں۔ان کے پاس جب خواتین انفرادی یا اجتماعی شکل میں آئیں تو ازواج نبی اپنے اپنے گھروں میں دستیاب ہونی چاہیئیں۔تاکہ کسی خاتون کو تعلیم وتربیت ملنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔قرآن مجید نے اس بات کو یوں بیان کیا: واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیٰت اللہ والحکمۃ "اورتمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو"

ظاہر ہے کہ یہ حکم بھی ازواج نبیؐ کے لئے خاص ہے۔کیونکہ عام خواتین کے لئے سیروتفریح کرنے، بازار جانے اور تقریبات میں جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

آگے یہ ہدایت آئی ہے۔ولاتبرّجن تبرج الجاھلیت الاولیٰ:''اورسابقہ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو''

تبرج کے معنی نمایاں ہونے،ابھرتے اور کھل کر سامنے آنے کے ہیں۔ہر زمانے میں خواتین اول اور بادشاہ کی بیگمات بہت نمایاں ہوتی ہیں۔وہ اپنے زیورات، چال ڈھال،نوکروں کی فوج ظفر موج،لباس کی شان غرض یہ کہ ہر چیز میں سب سے نمایاں ہوتی ہیں۔ان کی سواری، محفلوں میں ان کی شان وشوکت اوران کے رہنے سہنے کے انداز سب میں وہ سب سے الگ اور نمایاں ہوتی ہیں۔اسلام سے پہلے کے دور جاہلیت میں یہ چیز بالخصوص بہت زیادہ تھی۔چنانچہ قرآن مجید نے ازواج نبیؐ سے کہا کہ بیشک تمہارا خاوند اب حاکم ہے۔اورتم خواتین اول ہو۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ رسولؐ بھی ہے اور تم ایک رسولؐ کی ازواج ہو۔اس لئے تم پر لازم ہے کہ سابقہ دور جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو۔تمہارے ہاں کوئی شان وشوکت، زینت اور زیورات کی فراوانی، عالیشان لباس اور ملازمین کی فوج ظفر موج نہیں ہونی چاہیئں۔تمہارا اصل کام تو دوسری خواتین کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔

یہ حکم بھی ازواج نبی کے لئے خاص ہے۔اس لئے کہ عام خواتین کے لئے زینت کے احکام مختلف ہیں۔انہیں زیب وزینت کی عام اجازت ہے۔(ملاحظہ ہو سورہ اعراف-7، آیت-32)

ظاہر ہے کہ جب وہ زینت کریں گی تو ایک دوسرے کے ساتھ موازنے کا جذبہ بھی ان کے اندر آئے گا اور وہ خواتین کی محفل میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی خاطر زیب وزینت کی طرف خصوصی توجہ بھی دیں گی۔یہ سب کچھ عورتوں کی فطرت میں شامل ہے اور قرآن مجید نے دوسرے مقامات پر بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد آگے ایک اور ہدایت یہ آئی ہے کہ:واذا سالتموھن متاعاً فسئلوھن من وّرآءِ حجابٍ "اور جب تم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کو ازواج نبیؐ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو (دروازے پر لگے ہوئے) پردے کے پیچھے سے مانگا کرو"

اس ہدایت نے نبیؐ ازواج کے گھروں کو ایک خصوصی رتبہ(status) دے دیا۔جن میں ازواج نبیؐ کے قریب ترین رشتہ داروں کے علاوہ غیر محرم رشتہ داروں اور باقی سب مسلمان مردوں کا داخلہ ممنوع کر دیا۔

جیسا کہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضورؐ کی ہر بیوی کا گھر مسجد سے متصل تھا۔مسجد کے کمرے اور گھر کو صرف ایک پردہ ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا۔منافقین کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ افواہیں بنانے اور پروپیگنڈے کرنے کی خاطر ازواج نبی کو بے خبری کے عالم دیکھ لیں۔ چنانچہ وہ حضورؐ کی محفل میں پانی پینے یا کسی اور بہانے سے اٹھ کر اچانک ان کے گھر کے دروازے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو جاتے۔ان کی دیکھا دیکھی بعض سادہ لوح مسلمان بھی یہ حرکت کرنے لگے۔چنانچہ آئندہ کے لئے ان کو بتایا گیا کہ اس حرکت پر مکمل پابندی ہے۔کسی مسلمان کو بھی یہ اجازت نہیں کہ وہ ازواج نبیؐ کے گھروں میں داخل ہو۔اس سے صرف چند ہی لوگ مستثنیٰ تھے جن کا ذکر آیت پچپن میں آیا۔

لا جناح علیھن فیٓ اٰبآئِھن ولا ابنآئِھن ولا اخوانھن ولا ابناءِ اخوانھن ولآ ابنآءِ اخوٰتھن ولا نسآئِھن ولا ماملکت ایمانُھنَّ۔

"ازواج نبیؐ کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اُن کے باپ، اُن کے بیٹے، اُن کے بھتیجے، اُن کے بھانجے، ان کے میل جول کی عورتیں اور ان کے مملوک گھروں میں آئیں۔"

واضح رہے کہ ازواج نبیؐ کے لئے تو تمام مسلمان محرم تھے۔اس لئے کہ حضورؐ کے علاوہ کسی بھی دوسرے مسلمان سے ان کا نکاح حرام تھا۔لیکن یہاں صاف الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اس محدود دائرے کے علاوہ کوئی بھی فرد ازواج نبیؐ کے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتا۔نہ اجازت کے ساتھ اور نہ اجازت کے بغیر۔

یہ حکم ازواج نبیؐ کیلئے خاص تھا۔اس لئے کہ جہاں تک عام مسلمانوں کا تعلق ہے وہ ایک دوسرے کے گھروں میں تعارف و اجازت لے کر جا سکتے ہیں۔اور وہاں ان کو وہ آداب ملحوظ رکھنے چاہیئں جن کا ذکر سورۃ نور میں آیا ہے۔ازواج نبی کے لئے اس حکم کا ایک مقصد تو وہی تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ یہ مقصد بھی تھا کہ ازواج نبی کا اصل کام یعنی دوسری مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے انہیں زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے۔

اس فقرے میں ''حجاب'' کا لفظ آیا ہے۔ ہمارے ہاں یہاں اردو دان طبقے میں جب بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔اس سے فوراً چہرے کا نقاب مراد لیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ صحیح استعمال نہیں ہے۔''حجاب'' کے معنی اس پردے کے ہیں جو دروازے پر لٹکایا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

جاتا ہے۔ تاکہ ایک طرف کے لوگوں اور دوسری طرف کے لوگوں کے درمیان ایک آڑ ہو۔ قرآن مجید کے باقی مقامات کی طرح اس مقام پر بھی مترجمین ومفسرین نے بالاتفاق اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ یہ نکتہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ آگے اس ضمن میں احادیث کے صحیح مفہوم کو متعین کرنے میں اس کو مدنظر رکھا جائے۔

اس آیت کو عام طور پر آیت حجاب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے ازواج مطہرات اور باقی مسلمانوں کے درمیان پردہ حائل کیا گیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں بھی اس کے یہی معنی مذکور ہیں جن کے متعلق بحث آگے آئے گی۔

غیر محفوظ مقامات کے بارے میں خصوصی ہدایات

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضورؐ کے زمانے میں خواتین کو ایک اہم مسئلہ درپیش ہو گیا تھا۔ وہ یہ کہ مدینہ اور اُس کے آس پاس میں ایک بڑی تعداد میں یہودی اور منافقین بھی بستے تھے۔ جب مسلمان خواتین ان محلوں سے گزرتیں جہاں یہودیوں یا منافقین کی اکثریت ہوتی تو وہاں کے اوباش اور آوارہ عناصر ان پر آوازیں کستے۔ غلط قسم کی فقرہ بازیاں کرتے۔ اور ہنسی مذاق کرنے کی کوشش کرتے۔ اور اگر بعد میں ان سے بازپرس کی جاتی تو یہ بہانہ بناتے کہ ان کے خیال میں یہ ان کی اپنی عورتیں تھیں جن سے وہ بے تکلفی کر رہے تھے۔ سورہ احزاب میں ان یہودیوں اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں ایک تفصیلی تجزیہ نازل ہوا ہے۔ اسی سیاق وسباق میں مسلمان خواتین کو یہ ہدایت کی گئی کہ جب وہ اس طرح کے غیر محفوظ علاقوں میں جائیں جہاں انہیں تنگ کئے جانے اور ستائے جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک بڑی چادر لے لیا کریں۔ اس طرح اوباش لوگوں کو انہیں تنگ کرنے کا بہانہ نہیں مل سکے گا۔ بہانہ نہ مل سکنے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں عربوں کی عام معاشرت کی رو سے جب شریف خواتین گھروں سے باہر نکلتیں تو اپنے کپڑوں کے اوپر ایک چادر لے لیتیں اور اس سے سر بھی چھپا لیتیں۔ اس طرح کی ملبوس خواتین کو کوئی بھی تنگ نہ کرتا اس لئے کہ یہ اس زمانے کا شریفانہ اور باوقار باہر نکلنے کا انداز تھا۔ سب جان جاتے کہ یہ شریف خواتین ہیں۔ گویا قرآن مجید نے سلمان خواتین کو یہ احتیاطی تدبیر سکھا دی کیونکہ اس طرح آوارہ عناصر کی بدمعاشیوں سے محفوظ رہنا زیادہ ممکن تھا۔

چنانچہ دیکھئے قرآن مجید نے کس طرح اس فقرے سے پہلے اور بعد کے فقرے میں ان تمام حالات کو بیان کر دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

والذین یؤذون المومنین والمؤمنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد
احتملوُ بهتانا وَّ اثـمـامبینا۔ یآایهانبیُّ قل لازواجك وبنٰتك ونسآءِ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك ادنىٰ ان يعرفن فلا يؤذين وكان الله غفوراً رحيما۔ لئن لم ينته المنٰفقون والذين فى قلوبهم مرض والمرجفون فى المدينة لنغرينك بهم ثمّ لا يجاورُنك فيها الّا قليلاً۔(58-60)

"اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔ اے نبیؐ اپنی بیویوں بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں۔ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے تمہیں اٹھا کھڑا کریں گے، پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمہارے ساتھ رہ سکیں گے۔(احزاب-33، آیات58-60)

''بے قصور اذیت دینے'' کا مطلب شریف خواتین کو تنگ کرنا، ان پر آوازیں کسنا اور ان سے بے ہودہ ہنسی مذاق کرنا ہے۔ جس سے وہ بھی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان کے مردوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ آگے الفاظ آئے ہیں ''یدنین علیهن من جلابیبهن ''ان الفاظ کا لفظی ترجمہ ہوگا۔ ''نیچے لٹکا لیں تھوڑی سی اپنی چادریں''۔ 'جلباب' بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ ''نیچے لٹکا لیں تھوڑی سی'' کے الفاظ میں وسعت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چادر کو اپنے گرد لپیٹ کر اس سے سر اور چہرہ دونوں چھپا لئے جائیں۔ اس سے یہ مفہوم بھی مراد ہے ہوسکتا ہے کہ سر کے اوپر چادر ڈال کر اس کے دونوں پلوؤں کو لٹکتا چھوڑ دیا جائے اور چہرہ یا تو چھپایا ہی نہ جائے یا اس کا کچھ حصہ چھپایا جائے۔ قرآن مجید نے اس مقام پر جان بوجھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں وسعت و رخصت کا پہلو موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جگہ خطرے کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ کسی جگہ آوارہ لوگوں کے جمگھٹے لگے رہتے ہیں۔ اور کوئی جگہ نسبتاً محفوظ ہوتی ہے۔ پھر جانی اور انجانی جگہوں میں فرق ہوتا ہے۔ جانی پہچانی گلیوں اور محلوں میں کسی کو جرات نہیں ہوتی کہ خواتین کو تنگ کرے۔ اسی طرح ہر خاتون کے حالات میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اگر ایک خاتون کے پاس بہت سارا سامان ہے یا اس کے بچے بھی ساتھ ہیں تو اس کے لئے چادر کو اپنے گرد زیادہ لپیٹنا یا چہرہ چھپانا ممکن نہیں ہوگا۔ پھر ہر خاتون کی عمر کے لحاظ سے بھی فرق واقع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان تمام عوامل کی وجہ سے قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ مسلمان خواتین

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

باہر جاتے وقت اپنے گرد چادر لپیٹ لیں اور چہرہ چھپا کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ اگر پروردگار یہ کہنا چاہتا تو اس کے پاس الفاظ کی کوئی کمی نہیں تھی۔

آگے الفاظ آتے ہیں ''ذَالِكَ اَدْنىٰ ان يعرفن '' یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے۔تاکہ وہ پہچان لی جائیں یعنی ان پرائی جگہوں میں دوسرے لوگ یہ جان لیں گے کہ چونکہ ان خواتین نے چادر اڑھی ہوئی ہے اس لئے یہ یقیناً شریف گھرانوں کی شریف خواتین ہیں۔جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں شریف خواتین گھر سے باہر جاتے وقت ایک چادر اوڑھا کرتی تھیں جسے جلباب کہتے تھے۔ ہمارے ہاں یہ ایک عام غلط فہمی ہے کہ اسلام سے پہلے کی عرب سوسائٹی مکمل طور پر اخلاق باختہ تھی عورتیں حسن وزینت کی نمائش کے لئے بنی ٹھنی بازاروں میں گھوما کرتی تھیں۔حالانکہ یوں نہیں تھا۔ نچلے طبقوں کی عورتوں میں کئی کمزوریاں اور نقائص پائے جاتے تھے۔لیکن اسلام سے پہلے بھی عرب معاشرے کی تمام شریف خواتین حیا اور وقار کے تمام اقدار ملحوظ رکھتی تھیں۔ادب جاہلی میں بے شمار ایسے اشعار ہیں جن میں شاعروں نے ان کا ذکر کیا ہے۔گویا قرآن مجید کا منشا یہ ہے کہ جس معاشرے میں شریف اور باوقار خواتین باہر جاتے وقت جولباس پہنتی ہیں ہو وہ پہنا جائے۔

آگے الفاظ آئیں "فلا يؤذين" ''تاکہ وہ نہ ستائی جائے'' ان الفاظ سے یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اصل مقصد غیر محفوظ مقامات پر اوباشوں کی غنڈہ گردی سے خواتین کو بچانا ہے۔گویا یہ غیر محفوظ مقامات پر ایک احتیاطی تدبیر ہے۔ محفوظ مقامات، جانی پہچانی گلیوں اور جگہوں اور مامون راستوں کے لئے اس احتیاطی ہدایت کی پابندی ضروری نہیں۔ایسی محفوظ جگہوں میں یقیناً خواتین کو غض بصر، حفظ فروج اور اخفائے زینت یعنی سورہ نور کی ہدایت کا پورا خیال رکھنا ضروری ہے۔ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے (جس طرح مردوں کے لئے یہ ضروری ہے) کہ وہ ہر جگہ باوقار اور باحیا لباس پہنے ہوئے ہوں۔

آگے الفاظ آئے ہیں۔:المنفقون والذين في قلوبهم مرضُ والمرجعون في مدينة : یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں

گویا اوپر کی احتیاطی تدبیر مسلمان خواتین کو اس لئے سکھائی گئی کہ مسلمانوں کے دشمنوں، منافقوں اور اضطراب و بے چینی پیدا کرنے والے فتنہ جوؤں کے پروپیگنڈے کا سدباب ہو سکے۔

درج بالا تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سورہ احزاب آیت-59 اصل میں یہ ہدایت دیتی ہے کہ جب مسلمان خواتین کسی انجانی اور غیر محفوظ جگہ میں جائیں تو وہ اپنے ہاں رائج سب سے زیادہ مہذب اور باوقار لباس پہنیں تاکہ آوارہ لوگوں کو یہ موقع نہ مل سکے کہ وہ ان خواتین کو تنگ کریں۔گویا یہ اسلام کے ''اختلاط مرد وزن کے آداب'' کے ضمن میں ہدایات کا مستقل جزو نہیں ہے بلکہ ایک ایسی احتیاطی تدبیر ہے جس پر غیر معمولی حالات میں عمل کرنا چاہیئے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اختلاط مردوزن کے بارے میں صحیح روایات کی تشریح وتاویل اور دیگر متعلقہ مسائل:

ہم نے دیکھا کہ ایک مسلمان معاشرے میں اختلاط مردوزن کے بارے میں قرآن مجید نے کتنی واضح ہدایات دی ہیں۔ جب ان ہدایات کی روشنی میں ان تمام روایات کو دیکھا جائے جو اس ضمن میں کتب احادیث میں آئی ہیں۔ تو ان سب کا صحیح موقعہ ومحل متعین ہو جاتا ہے۔ اور ان کے درمیان بظاہر جو تضاد لگتا ہے وہ بھی بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ درحقیقت احادیث پر غور وفکر کرنے کا سب سے اہم اصول ہی یہی ہے کہ انہیں قرآن مجید کی واضح ہدایات کی روشنی میں دیکھا جائے۔ مناسب ہے کہ اس ضمن میں جو دیگر مسائل سامنے آتے ہیں ان پر بھی غور وفکر کیا جائے۔

جہاں تک پہلے حلقے کا تعلق ہے یعنی مسلمان خاتون کے لئے اس قریب ترین حلقے کا، جس میں اس کیلئے کوئی پابندیاں نہیں ہیں، جن کے سامنے وہ زیب وزینت کے ساتھ آسکتی ہے۔ وہ قرآن مجید نے سورہ نور کی آیت-31 میں بیان کر دئے ہیں۔ تاہم اس ضمن میں چند مزید سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی احتیاط ہونی چاہئیے؟

قرآن مجید کے مطابق شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے بمنزلہء لباس کے ہیں۔ جس طرح لباس سے بدن کا کوئی حصہ چھپا ہوا نہیں رہتا۔ یہی حالت میاں بیوی کی ہے۔ ارشاد ہے۔

هُنَّ لباسُ لکم وانتم لباس لهن ۔

"وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو"

تاہم اس ضمن میں دو روایات ایسی پیش کی جاتی ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کو بھی ایک دوسرے کے ستر کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یہ دونوں روایات بلحاظ سند نہایت کمزور ہیں۔ اس لئے ان سے کوئی حکم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی روایت یہ ہے "جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس کو چاہیئے کہ ستر کا لحاظ رکھے۔ بالکل گدھوں کی طرح دونوں ننگے نہ ہو جائیں۔ یہ روایت ابن ماجہ کتاب النکاح میں آئی ہے۔ اور اسی کتاب کا یہ کہنا ہے کہ یہ ایک ضعیف روایت ہے۔

دوسری روایت یہ ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ؐ کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا۔ یہ بھی؛ ابن ماجہ کتاب النکاح؛

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

میں آئی ہے۔اور یہ حضرت عائشہ کے کسی غلام سے روایت کی گئی ہے۔جس کی شخصیت کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں۔پس یہ بھی ایک ضعیف روایت ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک خاتون،اپنے شوہر کے علاوہ اپنے قریب ترین حلقے میں لباس کے ضمن میں کیا احتیاطیں ملحوظ رکھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اس قریب ترین حلقے کے سامنے زیب وزینت کا دکھانا جائز ہے۔تو اس سے خود بخود یہ مطلب نکلا کہ اس قریب ترین حلقے میں ایک خاتون ایسے لباس کے ساتھ رہ سکتی ہے جس میں وہ کوئی تکلیف اور رکاوٹ محسوس نہ کرے۔مثلاً اس کے لئے سر کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔وہ پائنچے اور بازو اوپر اٹھا سکتی ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ حضورؐ اپنے ایک غلام کے ہمراہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لائے۔اس وقت حضرت فاطمہؓ کے پاس ایک ایسی چادر تھی کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں نہیں چھپتے تھے اور اگر پاؤں چھپاتیں تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔جب حضورؐ نے حضرت فاطمہ کو اس ذہنی الجھن میں دیکھا تو فرمایا' کوئی حرج نہیں۔یہاں بس تمہارا باپ اور غلام ہی تو ہے'۔ ابوداؤد نے اس باب کا نام ہی یہ رکھا ہے کہ 'غلام اپنی مالکہ کے بالوں پر نظر ڈال سکتا ہے'۔

اسی طرح بخاری اور مسلم کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ ایک دفعہ اپنے داماد حضرت علیؓ اور بیٹی حضرت فاطمہؓ کے ہاں رات کو اس وقت تشریف لائے جب وہ دونوں بستر میں جا چکے تھے۔دونوں نے ایک چھوٹی سی چادر پہنی ہوئی تھی جسے لمبائی کے بل پہنتے تو ان کے پہلو ظاہر ہو جاتے اور جب چوڑائی کے بل پہنتے تو سر اور پاؤں ننگے ہو جاتے۔حضورؐ اسی حالت میں ان کے پاس بیٹھ گئے۔درج بالا دونوں روایات سے اس بے تکلفی کے بارے میں بخوبی علم ہو جاتا ہے جو اس قریب ترین حلقے میں روا رکھا جا سکتا ہے۔تاہم پانچ روایات ایسی ہیں میں جن میں ان کے برعکس مواد موجود ہے۔وہ پانچوں روایات کمزور ہیں۔جس کی بنا پر ان سے کوئی حکم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔پہلی روایت یہ ہے ''نبیؐ نے فرمایا کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو ،جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس زیادہ کھولے''۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی کلائی کے کے نصف حصے پر ہاتھ رکھا'' یہ روایت بن جریر نے قتادہ نامی تابعی سے نقل کی ہے۔لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ قتادہ نے یہ کس سے سنی ہے۔گویا اس حدیث کی روایت میں ایک درمیانی واسطہ موجود نہیں ہے۔ایسی حدیث کو مرسل کہتے ہیں جو ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری روایت یہ ہے " کہ جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہیئے،سوائے چہرہ اور کلائی کے جوڑ تک کے ہاتھ کے"

یہ روایت ابوداؤد نے اپنی کتاب مراسیل میں بیان کی ہے خود اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں وہ روایات درج ہیں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

جن کا ایک درمیانی واسطہ چھوٹا ہوا ہے۔ پس اس روایت کو بھی بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ بھی ایک ضعیف روایت ہے۔
دوسری اہم بات یہ ہے کہ پہلی روایت کے مطابق کلائی کے نصف حصے تک کھولنے کی اجازت ہے جب کہ دوسری روایت کے مطابق صرف ہاتھ کے جوڑ تک کھولنے کی اجازت ہے۔ گویا ان دونوں روایات میں تضاد ہے (اس چیز کو محدثین کی اصطلاح میں اختلاف کہتے ہیں)۔ اس سے یہ دونوں روایات مزید کمزور ہو جاتی ہیں۔

تیسری روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے بھتیجے عبداللہ بن طفیل کے سامنے زینت کے ساتھ آئی تو نبیؐ نے اس کو ناپسند کیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ تو میرا بھتیجا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا؛ جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے جسم میں سے کچھ ظاہر کرے۔ سوائے چہرے کے اور سوائے اس کے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی کلائی پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کی گرفت کے مقام اور ہتھیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی بھر جگہ باقی تھی؛۔ یہ روایت ابن جریر نے نقل کی ہے۔ اور اس کے مطابق ابن جریج نامی ایک صاحب کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یوں کہا۔ حالانکہ ابن جریج اور حضرت عائشہؓ کے درمیان وقت کا بہت بڑا فاصلہ ہے۔ گویا اس کی سند میں کم از کم دو کڑیاں درمیان میں موجود نہیں (محدثیں کی اصطلاح میں اسے معضل کہتے ہیں)۔ گویا یہ بھی ایک ضعیف حدیث ہے۔

چوتھی روایت کے مطابق حضرت اسماء، جو حضرت عائشہ کی بہن تھیں۔ ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے باریک لباس میں حاضر ہوئیں۔ تو حضورؐ نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور فرمایا؛ ''اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں کہ اس کے جسم میں سے کچھ دیکھا جائے۔ سوائے اس کے اور اس کے''۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ اور خود ابوداؤد کے مطابق یہ ایک منقطع روایت ہے۔ کیونکہ اس کی سند کے مطابق یہ روایت خالد بن دریک نامی ایک صاحب نے حضرت عائشہ سے سنی ہے حالانکہ محدثین کے مطابق خالد بن ریک کی کبھی حضرت عائشہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ دوسرا یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی سعید بن بشیر ہے۔ محدثین کے مطابق وہ ایک ضعیف راوی ہے۔ پس یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

پانچویں روایت کے مطابق ایک دفعہ ایک خاتون حضرت حفصہ، حضرت عائشہؓ کے پاس ایسی حالت میں آئیں کہ ایک باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہ نے اسے پھاڑ دیا اور ایک موٹی اوڑھنی ان پر ڈالی۔ یہ روایت موطا امام مالک میں نقل ہوئی ہے۔ اور یہ ایک خاتون ام علقمہ نے بیان کی ہے۔ امام ذہبی کے مطابق یہ ایک غیر معروف خاتون تھی جن کے بارے میں مزید کچھ معلوم نہیں۔ پس یہ ایک ضعیف روایت ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ درج بالا روایت میں حضورؐ کا کوئی واقعہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ ایک صحابیہؓ کا واقعہ ہے۔ جو ان کے ذاتی ذوق اور رجحان کا اظہار بھی ہو سکتا ہے۔ (محدثین کی اصطلاح میں

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ایسی روایت کوموقوف کہتے ہیں)
بعض اوقات ایک چھٹی روایت بھی پیش کی جاتی ہے جس کے مطابق حضورؐ نے فرمایا "اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جولباس پہن کر بھی ننگی کی ننگی ہی رہیں" ایسی کسی روایت کا وجود کتب حدیث میں نہیں۔
درج بالا بحث میں جو دو صحیح احادیث پیش کی گئی ہیں اوراس کے بعد پانچ کمزور روایات پر جو تنقید کی گئی ہے اس کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ایک خاتون اپنے قریب ترین حلقے (جن کا ذکر سورہ نور آیت -31 میں آیا ہے) کے سامنے بے تکلفی کے ساتھ آسکتی ہے اوراس ضمن میں اس کے اوپر معروف یعنی عقل عام اور رسم ورواج کے علاوہ کوئی قدغن نہیں۔
اس کے بعد اب ہم دوسرے حلقے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی وہ حلقہ جس میں دورونزدیک کے رشتہ دار، دوست گھرانے اور وہ لوگ جن سے معاملات وکاروبار میں تعلق ہو۔اس ضمن میں قرآن مجید کے احکام جوسورہ نور آیات ستائیس تا اکتیس (27-31) میں آئے ہیں، ہم بیان کر چکے۔اب ہم روایات کے حوالے سے مزید بحث کریں گے۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق ایک خاتون حضورؐ سے کوئی مسئلہ پوچھنے آئی۔وہ خاتون بہت حسین تھی۔اس وقت ایک خوبصورت نوجوان فضل ابن عباس بھی حضورؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔وہ دونوں ایک دوسرے کو بار بار دیکھنے لگے۔ اس پر حضورؐ نے فضل کی ٹھوڑی کو پکڑ کر دوسری طرف موڑ دیا۔
اس روایت سے ایک طرف یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اس خاتون نے چہرہ نہیں چھپایا ہوا تھا۔دوسری طرف یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایک نوجوان سے غض بصر کے معاملے میں کوتاہی ہورہی تھی۔اس لئے حضورؐ نے ایک بزرگ کی طرح اس کو آداب سکھادئے۔
ایک اورروایت کے مطابق جو صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی آئی ہے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس عید کے دن صلواۃ عید میں حاضر تھا مردوں کو نصیحت کرنے کے بعد آپؐ خواتین کی طرف گئے اوران کو بھی نصیحت کی۔اس نصیحت سے متاثر ہوکر ایک خاتون کا رنگ پھیکا اور سیاہ پڑ گیا اوراس نے اس نصیحت کے متعلق سوال پوچھا۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہاں بیٹھی خواتین نے چہرہ نہیں چھپایا ہوا تھا۔اسی لئے حضرت جابرؓ نے ایک خاتون رخساروں کے رنگ کی تبدیلی نوٹ کر لی اوراسے بیان کردیا۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک اور روایت کے مطابق ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اورعرض کرنے لگی کہ آپؐ مجھے اپنی زوجیت میں لے لیں۔تو رسول اللہؐ نے اس کی طرف دیکھا اورنظر اٹھا کر دیر تک اسے دیکھتے رہے۔پھر اپنا سر جھکالیا۔ یہ روایت سہل ابن سعدؓ نے بیان کی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاتون جب حضورؐ کے پاس آئی تو اس نے چہرہ نہیں

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

چھپایا ہوا تھا۔

ابوداؤد کتاب الصوم کی روایت کے مطابق ام ہانیؓ جو حضورؐ کی چچازاد بہن تھیں بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں حضورؐ کے دائیں طرف بیٹھ گئی اور حضرت فاطمہؓ بائیں طرف اتنے میں ایک خادمہ کوئی مشروب لے آئی۔ میں نے وہ مشروب حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے اس میں سے کچھ پیا اور مجھے پینے کے لئے دیا۔ پھر ہم نے گفتگو شروع کر دی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چچازاد بہن بھائی، سورۃ نور کے آداب کے مطابق ایک محفل میں بغیر چہرہ چھپائے بیٹھ سکتے ہیں باتیں کر سکتے ہیں اور کھا پی بھی سکتے ہیں۔

ابوداؤد۔ کتاب اللباس کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب سورہ نور نازل ہوئی تو سب عورتوں نے فوراً اپنے لئے دوپٹے (خمار) بنالئے اور اگلی صبح جتنی عورتیں فجر کی نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہوئیں، سب دوپٹے اوڑھے ہوئے تھیں۔ اس روایت میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ان خواتین نے جلباب یعنی کپڑوں کے اوپر لمبی چادر نہیں لی تھی بلکہ انہوں نے سینوں پر دوپٹے ڈالے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ وہ ایک محفوظ مقام (بیت غیر مسکونہ) میں تھیں۔

صحیح بخاری کتاب الصلوۃ، صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث کی ایک روایت کے مطابق حبش کا ایک وفد مدینہ آیا تھا۔ اس وفد کی آمد سات ہجری میں ہوئی تھی۔ عید کے دن اس میں شامل حبشیوں نے تماشہ دکھایا تھا۔ حضورؐ وہ کھیل حضرت عائشہ کو بھی دکھایا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ نور کی آداب کے تحت خواتین مرد کھلاڑیوں کو دیکھ سکتی ہیں اور ان کے کھیل سے لطف اندوز ہو سکتی ہیں۔

ترمذی اور کئی دوسری کتب حدیث کی ایک روایت کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبیؐ نے مجھ سے فرمایا "اس کو دیکھ لو کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان محبت و اتفاق پیدا کرنے کے لئے مناسب ہوگا۔"

اسی طرح صحیح مسلم، نسائی اور کئی دوسری کتب حدیث کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کا ارادہ کیا ہے۔ حضورؐ نے پوچھا: کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا؛ جا اور اس کو دیکھ لے کیونکہ انصار کی آنکھوں میں عموماً کچھ عیب ہوتا ہے"

ابوداؤد کتاب النکاح کی روایت کے مطابق حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو حتی الامکان اسے دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو اس آدمی کو اس عورت کے ساتھ نکاح کی رغبت دلانے والی ہو"۔

درج بالا روایات پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ایک ایسی سوسائٹی موجود ہو جس میں مرد عورت کے اختلاط کے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

بارے میں سورہ نور کی ہدایت پر عمل کیا جا رہا ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دور و نزدیک کے رشتہ دار اور خاندانی دوستوں کے مرد وخواتین ایک دوسرے سے چہرہ نہ چھپاتے ہوں۔ نیز پبلک مقامات پر بھی چہرے چھپانے کا رواج نہ ہو۔ ورنہ جس معاشرے میں خاتون کا چہرہ چھپانا ہی اصل معیار ٹھہرے وہاں یہ ناممکن ہے کہ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے پاس جا کر کہے کہ میں آپ کی بیٹی یا بہن سے شادی کا خواہش مند ہوں۔ اس لئے براہ کرم اس سے میری ملاقات کا بندوبست کیجئے تا کہ میں دیکھ سکوں کہ وہ میرے معیار کے مطابق ہے یا نہیں۔ واضح رہے کہ دوسرا مرد یہ بھی جانتا ہو کہ ممکن ہے اس کی بہن یا بیٹی کو اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد شادی کا کوئی پیغام بھجوایا ہی نہ جائے۔

قرآن مجید کی ہدایات سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ایک مرد کا نکاح پیغام براہ راست ایک عورت کے سامنے بھی کر سکتا ہے۔ سورہ بقرہ آیات 234-235 میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔ کہ جو خواتین بیوہ ہو جائیں۔ وہ چار مہینے دس دن تک اگلی شادی نہ کریں۔ اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے نئی شادی کر سکتی ہیں۔ اس میں مردوں سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ ان چار مہینے دس دنوں میں وہ چاہیں تو ان خواتین کے سامنے اشارے کنائے میں نکاح کا اظہار کر سکتے ہیں تاہم نکاح اس مدت کے بعد ہی جائز ہے۔

اس ہدایت پر بھی عمل صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ان مرد و خواتین کے آپس میں مل بیٹھنے کا موقعہ موجود ہو، جن کے درمیان نکاح جائز ہے۔ ارشاد ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن
اربعة اشھرٍ وَّ عشرًا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح عیلکم فیما
فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بماتعملون خبیر۔ ولا جناح
علیکم فیما عرضھم بہ من خبطةِ النِّساءِ اوا کنتمفی
انفسکم علِمَ اللہ انکم ستذ کرونھن ولٰکن لاّ تواعدوھن
سراً الاّ ان تفعلوا قولاً معروفا ولاتعزمواعقدةانکاح حتّٰی
یبلغ الکتٰب اجلہ واعلموآ ان اللہ یعلم مافی انفسکم
فاحذروہ وعلموان اللہ غفورٌ حلیم۔ (بقرة: آیات 235-234)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

" تم میں سے جولوگ فوت ہو جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن نکاح سے روکیں۔ پھر جب یہ مدت ختم ہو جائیں تو اچھائی کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے لئے مناسب سمجھیں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تمہارے ہر عمل سے خبر دار ہے۔ اے مردو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃً کنایۃً ان عورتوں سے نکاح کی بات کرو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرلو۔ اللہ جانتا ہے کہ ان کا خیال تمہارے دل میں آئے گا ہی۔ مگر دیکھو خفیہ وعدے مت کرو۔ اگر کوئی بات کرنی ہے تو معروف طریقہ سے کرو"

ابوداؤد، کتاب الصلوۃ کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ ایک خاتون ام ورقہ سے ملاقات کے لئے ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضورؐ نے ان کیلئے ایک موذن کا بندوبست بھی کیا تھا اور ام ورقہ کو اجازت دی تھی کہ وہ نماز میں اپنے گھر والوں کی امامت کرسکتی ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت سہیل بن ساعد بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون کے کھیت اور باغات تھے وہ نہر کے کنارے ایک خاص سبزی (چقندر کی ایک قسم) اگایا کرتی تھی۔ جمعہ کے دن سہل بن سعد اور چند دوسرے صحابی اس کے گھر جاتے اور وہ انہیں وہ سبزی اور جو کھانے کے لئے پیش کرتیں۔

صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ایک صحابی ابو اسید ساعدی نے شادی کی تقریب میں نبیؐ اور آپ کے صحابہ کو بلایا۔ اس موقع پر کھانا تیار کرنے اور اس کو پیش کرنے کی خدمت ان کی بیوی اُم اُسیدؓ نے انجام دی۔ انہوں نے پتھر کے ایک برتن میں چھوہارے بھگونے کے لئے رات سے چھوڑ دیے۔ جب نبیؐ کھانے سے فارغ ہو گئے تو ان کو اپنے ہاتھ سے گھول کر آپؐ کی خدمت میں پینے کے لئے پیش کیا۔

درج بالا دونوں روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رشتہ داروں کے علاوہ خاندانی اور دوستانہ تعلق رکھنے والے مرد وخواتین آپس میں مل بیٹھ سکتے ہیں۔ اکٹھے کھانا کھا سکتے ہیں اور ایک دوسرے کی خدمت کر سکتے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق ایک خاتون فاطمہ بنت قیس کو ان کے شوہر نے طلاق دی تو سوال پیدا ہوا کہ وہ عدت (چار مہینے دس دن) کہاں گزاریں۔ پہلے حضورؐ نے فرمایا اُم شریک انصاریہ کے ہاں رہو۔ پھر فرمایا "ان کے ہاں میرے صحابہ بہت جاتے رہتے ہیں (اس لئے تم وہاں اطمینان سے نہ رہ سکوں گی۔ ام شریک بڑی مال دار اور فیاض خاتون تھیں۔ بکثرت لوگ ان کے ہاں مہمان رہتے اور وہ ان کی ضیافت کرتی تھیں) اس لئے تم ابن مکتوم کے ہاں رہو۔ وہ اندھے آدمی ہیں تم ان کے ہاں بے تکلف رہ سکو گی۔"

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

صحیح بخاری کتاب النکاح اور صحیح مسلم کے مطابق عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں مت جاؤ۔ انصار میں ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ تو موت ہے"

صحیح مسلم کتاب السلام کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا: آج کے بعد سے کوئی شخص کسی عورت کے پاس اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں نہ جائے جب تک اس کے ساتھ ایک دو آدمی اور نہ ہوں۔

درج بالا دونوں روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمومی طور پر مردوں اور عورتوں کے اختلاط پر سورۃ نور کی تعلیم کردہ ہدایات کے علاوہ کوئی پابندی نہیں۔ تاہم چونکہ قرآن مجید کا یہ بھی حکم ہے کہ "زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو" اس لئے کسی غیر محرم مرد عورت کو ایک ایسے ماحول میں تنہا نہیں ٹھہرنا چاہیئے جہاں خدانخواستہ ان کے بہکنے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً جہاں تک دیور یا جیٹھ کے ساتھ کسی خاتون کا تعلق ہے یہ سب لوگ ایک ہی گھر میں رہ سکتے ہیں۔ اکٹھے کھانا کھا سکتے ہیں۔ گفتگو کر سکتے ہیں۔ دیور کے ساتھ پبلک ٹرانسپورٹ میں یا ایک دو افراد کی موجودگی میں دن کے اجالے میں سفر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان کے درمیان ایسی بے تکلفی بھی نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی خاتون اپنے دیور کے ساتھ اپنے بیڈروم یا اس کے بیڈروم میں تنہا وقت گزارے۔ اس سے کئی خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس حدیث کی بنیاد پر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ایک خاتون کی اپنے دیور سے بھی منہ چھپانا چاہیئے۔ حالانکہ اس حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں۔ حدیث جس چیز سے منع کرتی ہے وہ کسی خاتون کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا ہے۔

اسی طرح اگر کسی آدمی کو کسی ایسے گھر میں کام ہو جب صاحب خانہ موجود نہ ہو، تو وہ گھر کی خاتون سے اجازت مانگ کر اندر جا سکتا ہے۔ لیکن اسے چاہیئے کہ اپنے ساتھ اعتماد کے ایک دو اور افراد بھی لے جائے تاکہ شکوک وشبہات جنم نہ لیں۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے خواتین لازمی مسلح فوجی خدمت سے مستثنٰی ہیں۔ تاہم جہاں تک جنگ کے موقع پر دوسری خدمات کا تعلق ہے مثلاً زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، کھانا پکانا، کیمپ کی حفاظت کرنا وغیرہ۔ ان سب میں اسلام خواتین کی شرکت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب خدمات کے لئے تربیت لینی پڑتی ہے۔ مردوں اور عورتوں کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے۔ مشورہ اور گفتگو بھی ہوتی ہے۔ ان سب خدمات کی انجام دہی میں سورہ نور کی ہدایات پر عمل کیا جاتا ہے البتہ چہرہ چھپانے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

سینکڑوں احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جنگ میں ازواج مطہرات اور دوسری خواتین لشکر کے ساتھ جاتیں اور مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ یہی طریقہ سورۃ احزاب اور سورہ نور نازل ہونے سے پہلے بھی رہا اور ان کے نزول کے بعد بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ مثلاً صحیح بخاری کتاب الجہاد کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کہ حضورؐ جب سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ جس کے نام قرعہ نکل آتا اسی کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ اسی دستور کے مطابق ایک جہاد میں جانے کے بارے میں ہماری درمیان قرعہ اندازی ہوئی تو اس میں میرا نام نکل آیا۔ اس لئے میں رسول اللہؐ کے ساتھ گئی۔ یہ واقعہ آیات حجاب (امہات المومنین کے لئے خصوصی ہدایات) کے نزول کے بعد کا ہے۔
صحیح مسلم کتاب الجہاد میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ جہاد کے موقع پر ایک خاتون اُم سلیم اور انصار کی چند دوسری خواتین کو ساتھ رکھتے تھے۔ جب جنگ جاری ہوتی تو وہ عورتیں مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام کرتیں
صحیح بخاری کتاب الجہاد میں اور صحیح مسلم کتاب المارہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے ایک خاتون بنت ملحان کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں تکیہ لگا کر سو گئے۔ پھر جب بیدا ہوئے تو مسکرائے۔ بنت ملحان نے پوچھا اے رسول خدا! آپ ہنس کیوں رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میری امت کے کچھ لوگ راہ خدا میں جہاد کے لئے دریا میں سوار ہونگے۔ ان کی حالت تخت نشین بادشاہوں کی ہوگی۔ بنت ملحان نے عرض کیا یا رسول اللہؐ دعا فرمائیے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور پھر کہا اے بنت ملحان تم پہلے لوگوں میں ہو، پچھلے لوگوں میں سے نہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ بنت ملحان بعد میں ایسے غزوے میں شریک ہوئیں اور واپسی کے سفر میں وفات پائی
اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم کتاب الجہاد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن حضرت عائشہؓ اور ام سلیم دونوں اپنے دامن سمیٹے ہوئے تھیں۔ ان کے پاؤں کی پازیبیں مجھے نظر آرہی تھیں۔ پانی سے بھرے مشکیزے اپنی کمروں پر اٹھا کر لاتی تھیں۔ پیاسے مجاہدوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں۔ پھر واپس جاتی اور مشکیزے بھر کر لاتیں اور یہی سلسلہ جاری رکھتیں۔
اسی طرح صحیح کتاب الجہاد میں ایک خاتون ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کے ہمراہ جہاد میں شرکت کرتی تھیں۔ لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔ ان کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ زخمی مجاہدوں اور شہید ہونے والوں کو مدینہ واپس لاتی تھیں۔
صحیح مسلم کتاب الجہاد کے مطابق ایک خاتون ام عطیہ انصاریہ روایت کرتی ہے کہ میں سات غزوات میں رسول اللہؐ کے ساتھ رہی ہوں۔ ان کی قیام گاہوں میں ان کے پیچھے رہتی تھی۔ ان کے لئے کھانا تیار کرتی۔ زخمیوں کی دوا کا انتظام کرتی اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔
واضح رہے کہ مدنی دور میں جنگ کوئی استثنائی واقعہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک روٹین تھی۔ اس لئے کہ ہر وقت دشمنوں کی طرف سے حملے اور سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس وقت تو یہ بھی ضروری تھا کہ خواتین اپنے لشکر اور دشمن کے لشکر کے لوگوں کو شکل وصورت سے بھی اچھی طرح پہچانیں اس لئے کہ دونوں کے لباس میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا تھا اور لڑائی بھی دست بدست ہوتی تھی۔ اسی طرح آج یہ ڈیوٹی صرف اس طرح انجام دی جاسکتی ہے کہ اس کیلئے باقاعدہ مکمل تربیت حاصل کی جائے۔ اس کے لئے یہ لازم ہے کہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

سورہ نور کی ہدایات کا باقاعدہ خیال رکھا جائے۔لیکن اگر اس سے زیادہ پابندیوں پر اصرار کیا جائے تو پھر یہ خدمت ممکن نہیں رہتی۔ درج بالا صفحات میں ہم نے ان تمام روایات کا جائزہ لیا جو مردوں اور عورتوں کے اختلاط کے ضمن میں اہم کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آئی ہیں ۔ یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ اس سے اختلاف رکھنے والی کوئی حدیث موجود نہیں ۔جن احادیث کو غلطی سے ان روایات کی مخالف کہا جاتا ہے وہ درحقیقت سب کی سب سورہ احزاب کی تشریح میں خالصتاً امہات المومنین سے متعلق ہیں ۔ان میں ایک بڑی تعداد ضعیف روایات کی ہے۔ ذرا آگے چل کر ہم انشاء اللہ ان تمام روایات کا صحیح موقعہ ومحل واضح کریں گے۔

اب ہمیں اس سوال کا جائزہ لینا ہے کہ کیا مردوں اور عورتوں کے آپس میں اختلاط کے وقت اسلام میں لباس اور ستر کی کوئی حدود مقرر کی ہیں؟

یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ اس ضمن میں اکثر روایات ضعیف ہیں ۔صرف ایک روایت ''حسن'' کے درجے کی ہے اور صحیح روایت کوئی بھی نہیں ہے۔خواتین کے ستر سے متعلق روایات پر ہم پہلے ہی تنقید کر چکے ۔ جہاں تک مردوں کا تعلق ہے پہلی روایت دار قطنی اور بیہقی میں یوں آئی ہے۔

> "حضرت ابوایوب انصاریؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ گھٹنے کے اوپر ہے وہ چھپانے کے لائق ہے اور جو کچھ ناف سے نیچے ہے وہ چھپانے کے لائق ہے۔"

یہ بہت کمزور روایت ہے کیونکہ اس کا ایک درمیانی راوی سعید بن راشد امام بخاری کے نزدیک ''منکر الحدیث'' تھا اور امام نسائی کے مطابق وہ متروک تھا۔اسی طرح اس کا ایک اور درمیانی راوی عباد بن کثیر بھی متروک الحدیث تھا۔اس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ دونوں افراد روایت کے معاملے میں نا قابل اعتبار ہیں۔

دوسری روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ کی ہے جس کے مطابق حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ''اپنی ران کبھی نہ کھولو'' ابوداؤد کے مطابق یہ روایت منقطع ہے یعنی اس کی ایک درمیانی کڑی غائب ہے۔جبکہ ابن ماجہ نے اس کی جو سند بیان کی ہے اس میں ابن جریج کا نام ہے۔ یہ صاحب تدلیس کیا کرتے تھے یعنی ایک ضعیف فرد سے بات لے کر اسے ایک ثقہ راوی کی طرف سے بیان کرتے تھے۔پس یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

تیسری روایت ترمذی کی ہے۔جس کے مطابق حضورؐ نے فرمایا:

> "خبردار کبھی ننگے نہ رہو۔ کیونکہ تمہارے ساتھ وہ ہیں جو کبھی تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی فرشتے)۔ سوائے اس وقت کے جب تم رفع حاجت کرتے ہو یا اپنی بیویوں کے پاس جاتے ہو۔لہٰذا ان سے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

شرم کرو اور ان کا احترام ملحوظ رکھو'

ترمذی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی لیث ابن سُلیم یاداشت کھونے کی بیماری (Dementia) کا شکار ہو گیا تھا۔

اگلی روایت ابوداؤد اور ترمذی کی ہے جس کے مطابق حضرت جرھد اسلمی، جو اصحاب صفہ میں شامل تھے، کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور میری ران کھلی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ران چھپانے کے قابل چیز ہے؟ المعجم الکبیر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہ حدیث ''حسن'' کے درجے کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت اعلیٰ ترین درجے یعنی ''صحیح'' درجے کی نہیں ہے بلکہ اس سے ایک درجہ کم ہے۔ اس لئیکہ اس راویوں میں سے بعض میں کچھ ضعف ہوتا ہے اور وہ ثقاہت میں صحیح درجے کے راویوں کے برابر نہیں ہوتے۔

تاہم اگر یہ حدیث بالکل صحیح ہو تب بھی اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک باوقار اور علمی محفل میں کسی کو اپنی ران کھلی نہیں رکھنی چاہیئے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اصحاب صفہ علم کے حصول کے لئے مسجد میں رہائش پذیر ہوتے تھے۔ حضورؐ ان سے وہیں ملاقات کرتے تھے۔ اس لئے غالب امکان یہی ہے کہ یہ محفل مسجد نبویؐ میں تھی۔ حضورؐ تعلیم فرمارہے تھے اور اس محفل کے دوران میں حضرت جرھدؓ کی ران کھلی ہوئی تھی۔ جس کی طرف سے حضورؐ نے توجہ دلائی۔ اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ کسی بھی حالت میں کبھی بھی ران نہیں کھولی جاسکتی۔

ذخیرہ روایات کے اس تجزئے کے بعد اب ہم قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہاں لباس وستر کے متعلق کیا کچھ کہا گیا ہے۔ لباس وستر کے متعلق قرآن مجید میں ساتویں سورت یعنی اعراف کی آیات نمبر بیس سے لے کر تینتیس (20-33) تک کلام کیا گیا ہے اور یہ کلام ایسا ہے کہ اسے بغور پڑھنے سے انسان کو قرآن مجید کے معیار مطلوب کا پوری طرح اندازہ ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے مطابق شیطان نے انسان کو سب سے پہلے برہنگی کے ذریعہ بہکایا اور جب آدم وحوا دونوں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو گئے تب ان کو احساس ہوا کہ ان سے تو غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید عام انسانوں کو متوجہ کر کے ہدایت کرتا ہے کہ لباس بنیادی طور پر تمہاری شرمگاہوں کی چھپانے کیلئے ہے اور یہ تمہارے لئے زیب وزینت کا باعث ہے۔ اور وہ لباس سب سے اچھا ہے جس میں تقویٰ ہو۔ تم لوگوں کو برہنگی سے بچنا چاہیئے۔ یہ فحاشی ہے۔ مسجد میں حاضری کو وقت پورا لباس پہن لیا کرو۔ زیب وزینت بھی بالکل جائز ہے البتہ فحش امور سے اجتناب کرو۔ متعلقہ حصے درج ذیل ہیں:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِن

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

سَوْ اٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهٖ شَجرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا
مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْن ۔ وَقَا سَمَهُمَآ اِنِّى لَكُمَا لَمِنَ
انّٰصِحِيْن ۔ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيهِمَا مِن وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا اَلَمْ
اَنهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَا اِنَّ الشيطٰن
لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِين ۔ قَالَا رَبنا ظَلمنا انفسَنا وَاِنْ لَّمْ تَغفِرلَنَا وَتَرحَمْنَا
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْن ۔ قالا اهبطو بعضكم عدوولكم فى
الارض مستقر و متاعٌ الىٰ حينٍ ۔ قال فيها تحيون وفيها تمون
ومنها تموتون ومنها تخرجون ۔ يٰبنى ادم قد انزلنا عليكم لباساً
يوارى سو اٰتكم وريشاً ولباسُ التقوىٰ ذلك خير ذلك من اٰيٰت
الله لعلهم يذكرون ۔ يٰبنى اٰدم لا يفتيننكم ا شيطٰن كما
اخرج ابوكم من الجنة ينزع عنهما لباس ليريهما سواتهما انه
يرٰكم هو اقبيلة من حيث لاترونهم ان جعلنا ا شيٰطين اوليآ ءَ
للذين لا يؤمنون ۔ واذا فعلوا فاحشةً قالوا وجدنا علييهآ اٰبآ ءَنا
والله امرنا بها قل امن الله لا يأ مر بالفحشاءِ اتقولون على الله
مالا تعلمون ۔ قل امر ربى بالقسط واقيموا وجوهكم عند كل
مسجد وادعوة مخلصين له الدين كما بدا كم تعودون ۔
فريقاً هدٰى وفريقاً حق عليهم اٰضللة انهم اتحذو الشيٰطين
اوليآ من دون الله ويحسبون انهم مهتدون ۔ يٰبنى
اٰدم خذوا زينتكم عند كل مسجد و كلو واشربوا ول

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اتسـرفـوا انـہ لایـحـب المسـرفین ۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخـرج لـعبـادہٖ والطیب من الرزق قل ھی للذین اٰمنوفی الحیٰوۃ الـدنیـا خالصۃً یوم القیٰمۃ کذلك نفصل الایت لقوم یعلمون۔ قـل انـمـا حـرم ربـی الـفـواحـش مـاظـھر منھماومابطن والاثم والبـغـی بـغیرالحق وان تشرکوابااللہ مالم ینزل بہٖ سلطٰناو ان تقولواعلی اللہ مالاتعلمون۔

" پھر شیطان نے ان دونوں (آدم وحوا)ؑ کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں، دونوں کے روبرو بے پردہ کردے۔ وہ شیطان ان سے کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تو تمہیں اس درخت سے صرف اس وجہ سے روکا کہ تم کہیں فرشتے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے نہ بن جاؤ۔ شیطان نے ان سے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں ۔اس طرح اس نے فریب سے ان کو شیشے میں اتار لیا۔ پس ان دونوں نے جب درخت کا پھل چکھا تو ان کی شرم کی جگہیں ان کے سامنے بے پردہ ہو گئیں ۔اور وہ اپنے آپ کو باغ کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ ان کے رب نے ان کو آواز دی کہ کیا میں نے اس درخت سے تمہیں روکا نہیں تھا۔ اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟ وہ بولے اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اے بنی آدم ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔ مزید برآں تقویٰ کا لباس ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ پروردگار کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ لوگ اس سے یاددہانی حاصل کریں۔ اے اولاد آدم شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

پائے جیسا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کرا دیا۔ ایسی حالت میں ان کا لباس بھی اتروا دیا تا کہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا جتھہ تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔ ہم نے شیاطین کو انہی لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان سے محروم ہیں۔ اور جب یہ لوگ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم نے تو اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور خدا نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ اے نبی کہہ دو اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے-----------۔

اے اولاد آدم ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنے لباس پہنو۔ کھاؤ پیو البتہ اسراف نہ کرو۔ اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی پوچھو کس نے حرام ٹھہرادیا ہے اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟ کہہ دو کہ وہ دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لئے ہیں اور آخرت میں تو خاص انہی کا حصہ ہونگی۔ اس طرح ہم اپنی آیات کی تفصیلی کر رہے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔ اے نبی کہہ دو خدا نے تو بس بے حیائیوں کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ کھلی ہوں خواہ پوشیدہ اور حق تلفی، ناحق زیادتی اور اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اور یہ کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کا تم علم نہیں رکھتے" (اعراف 7۔آیات ---31-32-33 ---26-27-28--21-22--20)۔

درج بالا عظیم کلام میں قرآن مجید نے لباس کے فلسفے، حکمت، تاریخ اور عملی ہدایات کو جس طرح یکجا کیا ہے، ایسا صرف الٰہی کلام میں ہی ہوسکتا ہے۔ فی الحال ہم ان نتائج پر اپنی عملی توجہ مرکوز کریں گے جو اس سے اخذ ہوتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ انسان کو عام حالات میں ایسا لباس پہننا چاہیئے جو باوقار ہو اور جس سے سارا بدن چھپ جائے۔ سوائے ان جگہوں کے جن کا ظاہر کرنا عملی کام کاج کے لئے ضروری ہو مثلاً چہرہ، سر، ہاتھ، بازوؤں کا کچھ حصہ اور پاؤں۔ لباس ایسا ہونا چاہیئے جو شرم گاہوں کو اچھی طرح چھپائے۔ نماز کے وقت لباس کا حصوصی خیال رکھنا چاہیئے۔

جن حالات میں بدن کا زیادہ حصہ کھولنے کی ضرورت ہو مثلاً کھیل یا تیرنے کے وقت۔ اس وقت بھی ایسا لباس پہننا چاہیئے جو معروف کے مطابق ہو، جس میں جنسی آوارگی نہ ہو اور جو پوشیدہ مقامات کو صحیح طریقہ سے چھپائے۔ خواتین کو اس وقت بھی ایسا

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

لباس پہننا چاہیئے جوسورہ نور کی ہدایت کے مطابق بدن کے ابھاروں کو چھپائے ۔(واضح رہے کہ اب ایسے لباس موجود ہیں جن میں خواتین کا بدن چھپ جاتا ہے اور اس میں وہ کھیل بھی سکتی ہیں اور تیر بھی سکتی ہیں)

اب اس کے بعد اس تیسرے حلقے کی بات ہے یعنی ایسے مردوں کی بابت جن سے کسی خاتون کا کوئی تعلق نہیں بنتا اور جن سے کسی اجنبی ناموس جگہ یا راہ چلتے اچانک مڈ بھیڑ ہو جاتی ہے ۔اس ضمن میں متعلقہ روایات پر ہم پہلے ہی روشنی ڈال چکے ہیں ۔

اس کے بعد اب چوتھے حلقے کی بات ہے یعنی حضورؐ کی بیویوں (امہات المومنین) کے لئے خصوصی احکامات کی بات ۔جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس ضمن میں احکام سورہ احزاب آیات ،30,6-55,53,34 اور 60 میں آئے ہیں ۔ان پر بحث ہو چکی ہے اب اس ضمن میں متعلقہ روایات پر بحث ہوگی ۔

اس ضمن میں پہلی روایت صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کے ذریعے ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ مسلسل حضورؐ سے عرض کرتے رہتے تھے کہ یارسول اللہؐ آپ کے پاس نیک اور بد ہر طرح کے آدمی آتے جاتے ہیں ۔اگر آپ ازواج مطہرات کو پردے کے پیچھے رہنے کا حکم دے دیں تو بہتر ہوگا ۔چنانچہ اس پر آیت حجاب نازل ہوئی ۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے ہر نیک و بد انسان آتا ہے بہتر ہوگا کہ وہ حجاب میں رہیں ،اس پر آیت حجاب نازل ہوئی ۔

درج بالا دونوں روایتوں سے یہ بات شک وشبہ سے بالکل بالاتر ہو کر واضح ہو جاتی ہے کہ آیت حجاب نازل ہی ازواج مطہرات کے لئے ہوئی ہے اور ان کی خصوصی اہمیت اور صورتحال کے پیش نظر پروردگار نے حکم دیا کہ حضورؐ کی بیویوں کے گھروں پر جو مسجد نبوی سے متصل تھے ،مستقل پردے پڑے رہیں اور قریب ترین رشتہ داروں کے سوا اندر کوئی بھی نہ جائے ۔

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں حضرت انسؓ ہی کے حوالے سے یہ واقعہ بھی بیان ہوا ہے جب حضرت زینبؓ کا نکاح حضورؐ سے ہوا تو حضورؐ نے لوگوں کو اپنے گھر میں ولیمہ کی دعوت دی ۔کھانا کھانے کے بعد لوگ وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے ۔ حضرت زینبؓ بھی اس وقت وہیں موجود تھیں اور (چونکہ وہ دلہن تھیں اس لئے) حیا کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ کئے بیٹھی تھی ۔ لوگوں کے اس طرح بیٹھے رہنے سے حضورؐ کو تکلیف ہوئی ۔آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور کچھ دیر بعد جب آپؐ پھر واپس آئے تو یہ لوگ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے ۔اس وقت ان کو احساس ہو تو وہ منتشر ہو گئے ۔تھوڑا سا وقت گزرا تھا کہ آپؐ پھر باہر تشریف لائے اور آیت حجاب جو اسی وقت نازل ہوئی تھی ،پڑھ کر سنائی کہ ”یاایھاالذین آمنو لاتدخلو بیوت النبی ۔۔۔۔۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت حجاب کا فوری محرک کیا تھا ؟اس سے بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آیات حجاب خالصتاً

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ازواج مطہرات کے لئے نازل ہوئی تھیں۔اس ضمن میں حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں کے دروازں پر پردے لٹکا دئے گئے۔

صحیح بخاری میں غزوہ موتہ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت ہے کہ جب آپؐ کو پے در پے لشکر کے سربراہوں کی شہادت کی خبر ملی تو آپؐ کے چہرہ مبارک پر سخت غم وغصہ کے آثار تھے، میں گھر کے اندر دروازہ کی ایک شق سے یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھی۔

اسی طرح صحیح بخاری کتاب المغازی کی روایت کے مطابق ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد نبوی میں گفتگو کر رہے تھے اس وقت ہم نے حضرت عائشہ کے مسواک کرنے اور حلق صاف کرنے کی آواز گھر کے اندر سے سنی۔

اسی طرح صحیح بخاری غزوہ الطائف کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے کچھ پانی دوصحابہ کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں اور اپنے چہرے پر مل لیں۔زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہؓ دروازے کے پردے کے پیچھے سے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں۔انہوں نے اندر سے آواز دے کر دونوں صحابہ سے کہا کہ اس تبرک میں سے کچھ اپنی ماں یعنی ام سلمہؓ کیلئے بھی چھوڑ دینا۔

صحیح بخاری کتاب الادب میں حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق ایک دفعہ وہ اور ابوطلحہؓ حضورؐ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے ۔حضورؐ اونٹ پر سوار تھے۔آپؐ کے ساتھ ام المومنین حضرت صفیہؓ بھی سوار تھیں۔راستہ میں اونٹ کو ٹھوکر لگی تو آپؐ اور حضرت صفیہؓ دونوں اونٹ سے نیچے گر گئے۔اس پر ابوطلحہؓ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ پروردگار مجھے آپؐ پر قربان کر دے۔آپؐ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔حضورؐ نے فرمایا نہیں۔تم عورت کی خبر لو۔ابوطلحہؓ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپایا پھر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے۔ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو وہ کھڑی ہو گئیں۔

درج بالا تمام روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورہ احزاب میں امہات المومنین کی خصوصی حیثیت بیان ہونے کے بعد وہ عام طور پر اپنے گھروں میں رہتی تھیں۔دوسرے مردوں کا ان کے ہاں جانا منع ہو چکا تھا۔ بلکہ صحابہ کرامؓ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اگر حضورؐ کی کوئی زوجہ محترمہؓ گھر سے باہر ہو اور کوئی ہنگامی صورت حال پیش آجائے تب بھی ان کا انتہائی احترام کیا جائے اور ان کی طرف نہ دیکھا جائے تا کہ منافقین اس سے کوئی اسکینڈل نہ بنا سکیں۔

بخاری ومسلم کی ایک اور روایت کے مطابق، جو واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے۔حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ایک غزوے کے سفر میں وہ حضورؐ کے ساتھ تھیں۔جب قافلہ نے کوچ کیا تو میں اتفاق سے پیچھے رہ گئیں۔جب میں نے دیکھا کہ قافلہ چلا گیا ہے تو میں بیٹھ گئی اور نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہیں پڑ کر سوگئی۔صبح کو جب صفوان بن معطل وہاں سے گزرا تو مجھے دیکھ چکا تھا۔مجھے پہچان کر جب اس نے اِنَّا اللہِ ۔۔۔ پڑھا تو اس کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانک

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

لیا۔

اس روایت سے بھی یہ بات ضمنی طور پر معلوم ہوتی کہ ازواج مطہرات کیلئے حجاب کا خصوصی قانون نازل ہو جانے کے بعد وہ اس کا غیر معمولی اہتمام کرتی تھیں کہ وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے مردوں سے خلط ملط نہ ہونے پائیں حالانکہ تمام مسلمان ان کے محرم تھے۔

ابوداؤد میں حضرت عائشہ کی راویت ہے کہ حجتہ الوداع کے سفر میں ہم لوگ بحالت احرام مکہ کی طرف جا رہے تھے جب مسافر ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے سر سے چادریں کھینچ کر منہ پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم منہ کھول لیتی تھیں۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کو سند منہ میں ایک راوی ''ھشیم'' ہیں جو اس حدیث کو یزید بن ابی زیادہ سے روایت کر رہے ہیں۔ حالانکہ ھشیم کی یزید سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد-11 صفحہ -329) تاہم اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ احزاب کے حجاب کے قوانین خصوصی طور پر ازواج مطہرات کے لئے تھے۔ اسی لئے تو وہ حج کے موقعہ پر بھی اختلاط میں احتیاط کا اس درجہ خیال رکھتی تھیں۔ ورنہ جہاں تک عام قانون کا تعلق ہے وہ تو یہ ہے کہ حج کے موقعہ پر چہرہ چھپانے سے منع کیا گیا ہے۔ صحیح ترین احادیث کے مطابق حضورؐ نے حالت احرام میں خواتین کو منہ پر نقاب ڈالنے سے منع فرمایا۔

بخاری و مسلم کی ایک روایت کے مطابق جسے نسائی نے تفصیل سے نقل کیا ہے۔ ام المومنین حضرت سودہ کے باپ کی لونڈی کی بطن سے ایک لڑکا تھا۔ گویا اس رشتے سے وہ حضرت سودہؓ کا بھائیؑ ہوا۔ اس کے متعلق یہ مقدمہ پیدا ہوا کہ وہ دراصل کس کا بیٹا ہے۔ کیونکہ ایک اور شخص عتبہ نے مرتے وقت یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ جب یہ مقدمہ حضورؐ کے پاس آیا تو آپ نے عتبہ کے خاندان کا دعویٰ تو خارج کر دیا اور یہ قانونی اصول بیان کیا کہ بیٹا اس کا جس کے بستر میں وہ پیدا ہوا''۔ تاہم چونکہ اس لڑکے کی مشابہت عتبہ سے تھی اس لئے آپؐ نے حضرت سودہ سے کہا کہ اس لڑکے سے حجاب میں رہو۔ یعنی یہ لڑکا تمہارے گھر نہ آئے۔

درج بالا روایت کی تشریح یہ ہے کہ سورہ احزاب آیت -55 کے مطابق ازواج مطہرات کے گھروں میں ان کے بھائی آسکتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ شک پیدا ہو گیا تھا کہ یہ لڑکا حضرت سودہ کا بھائی ہے یا نہیں (یقیناً حضورؐ کو وحی کے ذریعہ یہ بتا دیا گیا ہوگا کہ یہ حضرت سودہ کا بھائی نہیں ہے) اس لئے حضورؐ نے حضرت سودہ کو ہدایت کی کہ اس لڑکے سے حجاب میں رہیں۔

ابوداؤد کتاب الخراج کی ایک روایت کے مطابق، جس میں ایک لمبا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ حضرت زینبؓ ام المومنین کے دو پھوپھی زاد بھائی، حضورؐ کے پاس ملازمت کی درخواست کے لئے آئے۔ وہ باہر حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب کہ حضرت زینبؓ کمرے کے اندر تھیں۔ جب حضرت زینبؓ نے ان کو کوئی بات سمجھانی چاہی تو انہوں نے دروازے کے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

پردے کے پیچھے سے ان کو سمجھایا۔ اس روایت کی تشریح یہ ہے کہ سورۃ احزاب آیت-55 میں جن افراد کو ازواج مطہرات کے سامنے آنے کی اجازت تھی ان میں چچازاد یا پھوپھی زاد بھائی شامل نہیں تھے۔

مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا افلحؓ ان کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہؓ کو اجازت دینے میں تامل ہوا۔ اتنی دیر میں حضورؐ تشریف لائے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ افلحؓ تمہارے پاس آ سکتے ہیں۔ اس واقعہ کی تشریح یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کو تامل اس لئے ہوا کہ کیا یہ رشتہ سورہ احزاب کی آیت پچپن کے لفظ ''آباء ھن'' میں آتا ہے یا نہیں۔ تو حضورؐ نے وضاحت کی کہ سگا چچا اور رضاعی چچا بمنزلہ والد ہی کے ہوتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق جب حضورؐ کے ساتھ حضرت زینبؓ کا نکاح ہوا اور آپؐ اپنے کمرے کو جانے لگے تو حضرت انسؓ بھی آپؐ کے ساتھ ہو لئے۔ چونکہ اس وقت سورہ احزاب کی متعلقہ آیات نازل ہو گئیں (اور ان میں آیت پچپن کی رو سے حضرت انسؓ اندر جانے کے مجاز نہیں تھے)۔ اس لئے آپؐ نے ان کو دروازے پر لگے ہوئے پردے کے اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کے مطابق ایک دفعہ حضرت سودہؓ ام المومنین کسی کام سے باہر نکلیں۔ راستے میں حضرت عمرؓ نے ان کو ٹوکا۔ حضرت سودہؓ نے حضورؐ سے شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے'' اس روایت کی تشریح یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ جب ازواج مطہرات کو 'وقرن فی بیوتکن' کا حکم دے دیا گیا ہے۔ تو اب ان کیلئے کسی حال میں بھی اپنے گھروں سے نکلنا مناسب نہیں ہے۔ حضورؐ نے اس غلط فہمی کی تردید فرمائی اور واضح کیا کہ عام حالات کے لئے یہی قانون ہے تاہم کسی ضرورت کے تحت ازواج مطہرات گھر سے باہر جا سکتی ہیں۔

صحیح مسلم کتاب الفضائل اور صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ حضورؐ اپنے گھر کے اندر تشریف فرما تھے۔ اس وقت آپؐ کے پاس قریش کی عورتیں بیٹھی ہوئی بہت بلند آوازوں سے گفتگو کر رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ آئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب حضورؐ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی تو عورتیں چھپنے کے لئے دروازے پر لگے پردے کے پیچھے بھاگ گئیں۔ اس پر حضورؐ مسکرانے لگے۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ اللہ آپؐ کو ہمیشہ ہنستا رکھے۔ آپؐ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا مجھے تعجب ہوا ان عورتوں پر جو میرے پاس بیٹھی تھیں۔ تمہاری آواز سنتے ہی پردے کے پیچھے چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان کو تو آپؐ سے زیادہ ڈرنا چاہیئے تھا۔ پھر حضرت عمرؓ ان عورتوں سے کہا: اپنی جان کی دشمنو تم مجھ سے زیادہ ڈرتی ہو اور اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتیں؟۔ اُن عورتوں نے کہا: 'تم سخت اور غصیلے ہو جبکہ رسول اللہ ایسے نہیں ہیں''

درج بالا دلچسپ واقعے سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ دینی اصول اور ذاتی مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ یہ سب خواتین حضورؐ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کے گھر میں ان کے سامنے بیٹی ہوئی تھیں اوران سے خوب بلند آواز سے گفتگو کر رہی تھیں ۔اس لئے کہ دین میں اس سے زیادہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ جب حضرت عمرؓ تشریف لائے تو سب ڈر کے مارے بھاگ کر پردے کے پیچھے چھپ گئیں۔اس لئے کہ حضرت عمرؓ کا مزاج خصوصاً خواتین کے معاملے میں کافی سخت تھا۔

درج بالا تمام روایات سے مختلف مفہوم رکھنے والی بھی ایک روایت موجود ہے۔ وہ ترمذی اورابوداؤد میں ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ اور حضرت میمونہؓ (یا حضرت عائشہؓ) حضورؐ کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں ابن مکتوم آئے جو صحابی تھے حضورؐ نے ان دونوں خواتین سے فرمایا کہ ان سے پردے کے پیچھے چلی جاؤ۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کیا یہ نابینا نہیں ہیں۔ نہ وہ ہم کو دیکھیں گے نہ وہ ہم کو پہچانیں گے؟ حضورؐ نے جواب دیا: کیاتم دونوں بھی نابینا ہو۔کیاتم انہیں نہیں دیکھتیں؟

یہ درحقیقت ایک ضعیف روایت ہے۔ کیونکہ اس کا درمیانی راوی نبہان جو سیدہ ام سلمہؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ناقابل احتجاج ہے۔ اس راوی کو سوائے ایک ماہرفن (ابن حبان) کے، باقی سب نے ناقابل قبول اور مجہول قرار دیا ہے (ملاحظہ ہوں الجامع الاحکام القرآن باب-12 صفحہ-228)۔اسی طرح اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔یعنی ان کے نزدیک یہ بھی ''صحیح'' کے درجے کی نہیں ہے۔تاہم حافظ ذہبی کہتے ہیں ''اہل علم ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔امام ترمذی کی 'تحسین' پر دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ کیونکہ تحقیق کے بعد ان کی اکثر 'حسن' حدیثیں ضعیف ثابت ہوئی ہیں (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال باب-4 صفحہ-416)

اب ہم پانچویں موضوع یعنی ''غیرمحفوظ مقامات میں خصوصی احتیاطی تدابیر'' کے ضمن میں چند روایات کا جائزہ لیں گے۔ جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا سورہ احزاب آیات 58-60 میں پروردگار نے مسلمان خواتین کو ہدایت کی ہے کہ جب کسی ایسے مقام پر جائیں جہاں انہیں ستائے جانے اور تکلیف پہنچنے کا ڈر ہو تو وہ ایک بڑی چادر اوڑھ لیں۔اس زمانے کی عرب معاشرت میں یہ معروف طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا کہ شریف اور باوقار خواتین باہر نکلتے ہوئے ایک بڑی چادر اوڑھا کرتی تھیں۔قرآن مجید نے عام حالات میں اس کی ہدایت نہیں دی۔ البتہ خطرے کے مقام پر جاتے وقت اس کا خیال رکھنے کو کہا۔تا کہ ان کو تنگ نہ کیا جائے۔قرآن مجید کی اس ہدایت میں بھی چہرہ چھپانے کا براہ راست کوئی تذکرہ نہیں۔البتہ اس سے بالواسطہ طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ اگر خطرے کی نوعیت شدید ہوتو چہرہ بھی ایک حد تک چھپالیا جائے۔اس زمانے کی عرب خواتین چہرہ چھپانے کے لئے بڑی چادر یعنی جلباب استعمال نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ جو خواتین چہرہ چھپانا چاہتیں وہ ''نقاب'' اوڑھتی تھیں اور ایسی خواتین کو 'منقبہ' کہا جاتا تھا۔قرآن مجید میں یا کسی حدیث میں بھی خوتین کو نقاب اوڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ البتہ بعض واقعات کے ضمن میں 'منقبہ' خواتین کا ذکر آتا ہے جن پر کچھ دیر بعد ہم بحث کریں گے۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

یہ بات بھی واضح رہے کہ بعض خواتین میں ایک بڑی چادر اوڑھنے یا چہرہ چھپانے یعنی نقاب ڈالنے کا طریقہ بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ چودہ سو سال پہلے یہ حکم دیا گیا ہو۔ اس سے پہلے بے شمار تہذیبوں میں اس طرح کے رواج موجود تھے۔ مثلاً بارہ سو قبل مسیح کے آشوری دور میں خواتین کے پردے کے لئے تفصیلی قوانین مرتب کئے گئے تھے۔ (اس ضمن میں تفصیلی بحث بہت دلچسپ بھی ہے اور معلومات افزا بھی۔ تاہم وہ اس کتاب کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ ہر اچھی انسائیکلو پیڈیا میں یہ تمام تفصیلات مل سکتی ہیں) صرف یہی نہیں بلکہ بہت سے معاشروں میں تو اہم مرد مثلاً بادشاہ وغیرہ بھی اپنے آپ کو رعایا کی نظروں سے دور رکھنے کی خاطر نقاب اوڑھا کرتے تھے۔ آج بھی کئی غیر مسلم معاشروں میں پردے کا رواج موجود ہے۔ ہندوؤں کے بعض طبقوں کے ہاں پردے کی انتہائی سخت پابندی کی جاتی تھی۔ آج بھی راجھستان جیسے کئی علاقوں میں غیر مسلم خواتین اپنے ہزاروں سال پرانے رواج کے مطابق چہرہ مکمل طور پر چھپاتی ہیں۔

اسی طرح اسلام سے پہلے عرب معاشرہ میں بھی بہت سی خواتین نقاب بھی اوڑھتی تھیں اور معزز گھرانوں کی خواتین باہر نکلتے ہوئے جلباب بھی استعمال کرتی تھیں۔ اس کے بیشمار حوالے اسلام سے پہلے کے عربی شاعری میں ملتے ہیں۔ مثلاً اپنی کتاب میں ایک شاعر سیرہ بن عمرو قفسی کا یہ نقل کرتے ہیں

ونسوتکم فی الروع بادوجوھہا

یخان اماء ولا ماء لحرائر

"میدان جنگ سے خوف اور گھبراہٹ کی شدت سے تمہاری خواتین کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ گویا وہ کنیزیں ہوں۔ حالانکہ وہ کنیزیں نہیں بلکہ بیبیاں تھیں"

اسی طرح ربیع بن زیاد، مالک کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

"قد کنا یخبان الوجوہ تسترا"

مالک کے قتل سے پہلے ہماری عورتیں پردہ کی وجہ سے اپنے چہرہ چھپائے رکھتی تھیں۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد ان کے منہ کھل گئے اور انہیں بے پردہ ہونا پڑا۔

مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن جلد-6 صفحہ-269 میں قبیلہ ہذیل کی ایک شاعرہ کا ایک شعر نقل کرتے ہیں۔

تمشی النسور الیہ وھی لا ھیة

مشی لغداری علیھن الجلابیت

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ترجمہ

گویا نزول قرآن سے پہلے ایسی خواتین بھی موجود تھیں جو نقاب اوڑھ کر چہرہ چھپاتی تھیں اور عام حالات میں بھی جلباب اوڑھتی تھیں۔ اور ایسی بھی خواتین تھیں جو نقاب بھی نہیں اوڑھتی تھیں اور جلباب بھی استعمال نہیں کرتی تھیں۔ اسلام نے ان میں سے کسی چیز سے منع نہیں کیا نہ کسی چیز کا حکم دیا۔ اس لئے کہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے کے جاری رسم ورواج میں کم سے کم مداخلت کی جائے۔ چنانچہ اسلام نے صرف اتنی اصلاح کی کہ غیر محفوظ مقامات پر جلباب کے استعمال کی ہدایت کر دی اور اس کے علاوہ ہر ایک کو اپنے اپنے طریقے پر عمل کرنے دیا۔

چنانچہ اب اس ضمن میں چند روایات کا تجزیہ کیا جائے گا۔

ابوداؤد کتاب الجہاد کی روایت کے مطابق ایک جنگ میں ایک خاتون ام خلادؓ کا بیٹا شہید ہو گیا۔ وہ اس کے متعلق نبیؐ سے دریافت کرنے کے لئے آئیں اور ان کے منہ پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ بعض صحابہ نے اس سے پوچھا۔ تم اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھ رہی ہو اور اس وقت بھی تمہارے چہرے پر نقاب ہے؟ اس خاتون نے جواب دیا ''میں نے بیٹا کھو دیا مگر اپنی حیا نہیں کھوئی''

اس روایت کے ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ ایک ضعیف روایت ہے۔ اس روایت کا ایک درمیانی راوی فرج بن فضالہ محدثین کے نزدیک ضعیف۔ نا قابل استدلال اور ایک ایسا شخص تھا جو منکر روایتیں روایت کرتا تھا (الجرح والتعدیل جلد سات صفحہ 86 اور تاریخ الکبیر جلد چھ صفحہ -137)

تاہم اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ام خلادؓ ان خواتین میں شامل تھی جو نقاب اوڑھتی تھیں۔ (وھیٔ منقبتہ) یہ واقعہ جنگ احد کا ہے جبکہ ابھی سورہ نور اور سورہ احزاب میں سے کوئی بھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ پھر پردے کا احکام کی پابندی کا کیا سوال؟ صحیح ترین روایات کی رو سے ہم یہ جانتے ہیں کہ بے شمار خواتین بغیر نقاب کے حضورؐ کے سامنے آئی ہیں۔

اگلی روایت بھی ابوداؤد کتاب الترجیل کی ہے۔ اس روایت کے مطابق ایک عورت نے پردے کے پیچھے ہاتھ بڑھا کر رسول اللہؐ کو درخواست دی۔ حضورؐ نے پوچھا یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا؟ اس نے عرض کیا عورت ہی کا ہے۔ فرمایا عورت کا ہاتھ ہے تو کم از کم مہندی سے رنگ لئے ہوتے۔

یہ بھی ایک ضعیف روایت ہے۔ اس کی درمیانی راوی صفیہ بنت عصمتہ کے متعلق ماہرین حدیث کا کہنا ہے کہ اس خاتون کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ (تقریب التہذیب صفحہ -480) اس کے ایک اور درمیانی راوی مطیع بن میمون کو ماہرین حدیث ''لین

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

حدیث'' کہتے ہیں (تقریب التہذیب صفحہ 339)

اس حدیث کی اندرونی شہادت سے بھی اس واقعہ کے متعلق بڑا شک وشبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب پردے کے پیچھے سے ایک انسان نے ہاتھ بڑھایا تو کیا حضورؐ یہ نہیں جانتے تھے کہ پردے کے پیچھے سے تو صرف ایک خاتون ہی ہاتھ بڑھاتی ہے؟ اس روایت سے یہ بھی تاثر ملتا ہے گویا مہندی لگانا ہر عورت کیلئے لازم ہے۔ حالانکہ دین کی رو سے یہ کوئی ضروری امر نہیں۔

فرض کیجئے یہ واقعہ بالکل صحیح ہے تب بھی اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون پردے کے پیچھے تھی اور یہ اس کا ایک انفرادی فعل تھا کیونکہ صحیح ترین روایات کی رو سے ہم سب جانتے ہیں کہ سینکڑوں خواتین نے حضورؐ کے سامنے آ کر گفتگو کی ہے۔

> اگلی روایت موطا امام مالک کتاب الحج کی ہے اس روایت کے مطابق ایک تابعی خاتون فاطمہ بنت منذر بیان کرتی ہیں کہ ہم حالت احرام میں اپنا دوپٹہ اپنے چہرے پر ڈال دیتی تھیں۔ ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ تھیں۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ حضورؐ نے حج کے موقع پر خواتین کو بہت واضح طور پر نقاب اوڑھنے اور دستانے پہننے سے منع فرمایا تھا (المحرمة لاتنتقب ولاتلبس القفازین) اس واقعے کے ذریعے یہ تابعی خاتون بتانا چاہ رہی ہیں کہ اگر ضرورت (مثلاً دھوپ کی شدت یا مردوں کے ہجوم) کے وقت دوپٹہ چہرے پر ڈال لیا جائے تو شاید اس میں حرج کی بات نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ ہم تو یوں کرتی تھیں اور حضرت اسماء نے ہمیں اس سے منع نہیں کیا (حدیث میں لفظ نُخمِّر آیا ہے) اس روایت کے ضمن میں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اس کے درمیانی راوی ھشام بن مروہ تھے بعض اوقات تدلیس کرتے تھے یعنی ایک فرد کی بات دوسرے فرد کے نام سے بیان کرتے تھے۔ (تقریب التہذیب صفحہ-364)

> اگلی روایت فتح الباری کتاب الحج میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یوں بیان ہوئی ہے۔ ''عورت حالت احرام میں اپنی چادر اپنے سر پر سے چہرے پر لٹکا لیا کرے۔''

یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کا درمیانی رواعی ھشیم اور ایک اور راوی اعمش تدلیس کرتے تھے۔ (تقریب التہذیب صفحہ 365,136) اس لئے یہ ناقابل استدلال ہے۔

> صحیح بخاری کتاب البیوع کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ''نقاب پہننے والی عورت'' (امراۃ منقبۃ) کی گواہی جائز قرار دی ہے۔

اس روایت کی تشریح یہ ہے کہ اگر عدالت میں کوئی ایسی خاتون حاضر ہو جائے جس نے چہرے پر نقاب پہنی ہوئی ہو۔ تو اسے اپنی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

شناخت واضح کرنے کے لئے نقاب اتارنے کو نہ کہا جائے۔ یہ ایک غیر مناسب بات ہے۔اس کے بجائے قاضی یا تو علیحدگی میں اس کی شناخت کی تصدیق کرلے یا اس کی شناخت کو کوئی اور طریقہ استعمال کرلے۔اس رویت سے ضمنی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں چہرے پر نقاب پہننے والی خواتین بہت کم تعداد میں تھیں۔اسی لئے حضورؐ کو ان کے بارے میں خصوصی طور پر یہ بات کہنی پڑی۔

> صحیح بخاری اور صحیح مسلم کتاب الفضائل میں حضرت ابوسعید حذری حضورؐ کے متعلق اپنا تاثر بیان کرتے ہیں کہ ان میں ایسی شرم وحیا تھی جیسی ایک ایسی کنواری لڑکی میں ہوتی ہے جو پردے میں رہتی ہو(من العذ اراء فی حذرھا)۔آپ جب کسی چیز کو برا جانتے تھے۔ہم اس کی نشانی آپ کے چہرے سے پہچان لیتے۔

اس روایت کی تشریح یہ ہے کہ بعض کنواری لڑکیاں بہت زیادہ محتاط ہوتی ہیں۔ایسی لڑکیاں عام طور پر گھر سے باہر نہیں نکلتیں اور اگر نکلتی ہیں تو بہت احتیاط کے ساتھ نکلتی ہیں۔ایسی لڑکیاں بہت شرمگیں ہوتی ہیں اور کسی بھی بری بات سے ان کے چہرے پر شرم وحیا کی سرخی دوڑ جاتی ہے۔حضورؐ بھی ایسے ہی حیادار انسان تھے۔یہ روایت ایک امر واقعہ بیان کررہی ہے۔اس سے کوئی دینی حکم نہیں ثابت ہوتا۔

> صحیح بخاری کتاب المغازی کی ایک روایت میں حضرت انسؓ غزوہ خیبر کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔کہ حضورؐ حضرت صفیہؓ سے شادی کرلی تھی لیکن ابھی عام مسلمانوں کو اس کا پورا علم نہیں تھا۔چنانچہ کچھ مسلمان آپس میں گفتگو کررہے تھے کہ حضرت صفیہؓ کی حیثیت بیوی کی ہے یا کنیز کی۔کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر رسول اللہؐ ان کو پردے کے پیچھے بٹھائیں گے تو وہ امہات المومنین میں سے ہیں اور اگر پردے کے پیچھے نہ رکھیں تو پھر وہ کنیز ہیں۔جب رسول اللہؐ نے سفر فرمایا تو صفیہؓ کیلئے اونٹ پر اپنے پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔اوران کے گرد پردہ تان دیا۔

یہ روایت بہت اچھے طریقے سے امہات المومنین اور عام مسلمان عورتوں کے درمیان فرق کی وضاحت کررہی ہے۔صحابہ کرامؓ یہ بات جانتے تھے کہ حجاب کی سخت پابندیاں صرف امہات المومنین کے لئے ہیں باقی عورتوں کے لئے نہیں ہیں۔چونکہ وہ جھجھک کے مارے یہ بات براہ راست حضورؐ سے نہیں پوچھ سکتے تھے کہ حضرت صفیہؓ کو امہات المومنین کا درجہ دیا گیا ہے یا نہیں چنانچہ انہوں نے اس کا معیار ہی یہی بنالیا کہ اگر قرآن مجید کے حکم کے تحت سفر میں ان کے گرد پردہ تان دیا گیا تو وہ امہات المومنین

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

سے ہونگی ورنہ نہیں ہونگی۔

جامع ترمذی کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا: عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے

یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اس کا ایک راوی قتادہ بن عامہ (جو "عن" سے روایت کرتا ہے) مدلس تھا اور روایات میں اپنی طرف سے باتیں بڑھایا کرتا تھا۔ (ملاحظہ کیجئے تعریف اہل التقدلیس از ابن دجرص صفحہ 102)

اس روایت کے ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اس کو مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن جلد ہفتم صفحہ 215 پر نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث ترمذی کے مطابق "صحیح حسن غریب" ہے۔ یہاں مولانا روم سے تسامح ہوا ہے۔ ترمذی جن روایات کو حسن کہتا ہے وہ عام طور پر ضعیف ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اس روایت کا حال ہے۔

طبرانی کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کا باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں۔ بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری ضرورت پیش آجائے۔

یہ روایت بھی شدید ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا درمیانی راوی سوار بن معصب "متروک الحدیث" تھا۔ امام ہیثمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "رواه الطبراني في الكبير وفيه سوار بن معصب وهو متروك الحديث" (مجمع الزوائد۔ جلد ۲ صفحہ ۲۰۰۱)۔ اس لئے یہ ناقابل استدلال اور ناقابل اعتبار ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپؐ نے صحابہ سے سوال کیا: عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟ صحابہؓ خاموش رہے۔ پھر جب میں گھر گیا اور اپنی بیوی فاطمہ سے یہی سوال کیا تو فاطمہ نے جواب دیا: عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں، نہ مردان کو دیکھیں۔ جب میں نے فاطمہ کا یہ جواب حضورؐ سے بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا: اس نے درست کہا ہے۔ بیشک وہ میرا ایک جزو ہے۔

یہ روایت مفتی محمد شفیعؒ نے بلاحوالہ "معارف القرآن" جلد ہفتم صفحہ-216 پر نقل کیا ہے یہ بھی ایک شدید ضعیف روایت ہے۔ اس لئے کہ اس کے راویوں کو حدیث کے ماہرین پہچانتے ہی نہیں۔ اس روایت کو امام ہیثمینے مجمع الذوائد (جلد چار صفحہ-255 اور جلد 9 صفحہ 303) میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اسے بزاز نے نقل کیا ہے اور اس کے کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا" واضح رہے کہ جب حدیث کا کوئی ماہر کسی راوی کے متعلق یہ کہہ دے کہ میں اسے نہیں جانتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

یہ روایت محض قصہ گوئی اور داستان طرازی ہے جس کی کوئی حقیقی قدر و قیمت نہیں۔

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمر بن عباسؓ کے متعلق تفسیر ابن جریر جلد-22 میں آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

"اللہ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کیلئے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپالیں اور صرف آنکھیں کھلی رکھیں "

حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس تفسیر کی سند بہت کمزور ہے۔ یہ روایت علی ابن ابی طلحہ نے ابن عباس سے بیان کی ہے۔ حالانکہ علی ابن ابی طلحہ کی ابن عباس سے ملاقات تک نہیں ہوئی (تقریب التہذیب صفحہ-646)۔ اس کے ایک اور درمیانی راوی ابوصالح ہیں۔ جن کے بارے میں اگر چہ بعض محدثین کی اچھی ہے لیکن بعض محدثین کے نزدیک وہ حدیث کے معاملے میں جھوٹا ہے۔ (تاریخ بغداد۔ جلد-9، صفحہ-481)

درج بالا بحث میں ہم نے اپنی بساط کی حد تک وہ تمام روایات نقل کر دی ہیں جو مردوں اور عورتوں کے آپس میں اختلاط کے حوالے سے اہمیت رکھتی ہیں۔ ان پر غور و فکر کے ضمن میں یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے کہ اگر ان تمام روایات کو قرآن مجید سے آزاد ہو کر دیکھا جائے تو یہ تمام روایات آپس میں ایک دوسرے سے بہت بری طرح ٹکراتی ہیں۔ لیکن اگر ان روایات کو قرآن مجید کے نازل کردہ واضح احکامات کے تحت رکھ کر دیکھا جائے تو ہر روایت کا صحیح موقعہ اور محل معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر ہر روایت انگوٹھی میں نگینے کی طرح بالکل فٹ بیٹھ جاتی ہے اور صرف وہی روایات محل نظر رہ جاتی ہیں جو ضعیف ہیں۔ خصوصاً یہ بات اہمیت کے قابل ہے کہ اس پوری بحث میں احادیث کی دو صحیح ترین کتابوں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہر روایت اپنے موقعہ و محل پر بالکل صحیح بیٹھ گئی۔

مولانا مودودیؒ کا موقف:

موجودہ دور کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو جن اہل علم نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے ان میں ایک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔ اس کتاب کے دونوں مصنفین مولانا مودودیؒ کے ذاتی احسان مند ہیں۔ اس لئے کہ دینی جذبہ اور قرآن و سنت کی روشنی میں دین پر غور و فکر کی طرف میلان، ان دونوں نے مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے ہی سیکھا ہے۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ رسول اللہؐ کی باتوں کے سوا ہر مسلمان کے ہاں صواب و خطا کی گنجائش موجود ہے۔ چونکہ اس مسئلے میں، ان دونوں مصنفین کے خیال میں، مولانا مودودیؒ کا موقف صحیح نہیں ہے اس لئے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان کے موقف کا تجزیہ کیا جائے گا۔

مولانا مودودیؒ نے اس موضوع پر اپنے خیالات **''پردہ''** **''خواتین اور دینی مسائل''** **''تفہیم القرآن جلد سوم تفسیر سورہ نور''**

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اور **تفہیم القرآن جلد چہارم تفسیر سورہ احزاب'** میں تحریر کئے ہیں۔اس کے علاوہ **"رسائل ومسائل"** میں بھی مختلف مقامات پر اس ضمن میں مواد موجود ہے۔

مولانا مودودیؒ کے تصور پردہ کو درج ذیل نکات کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

☆ پردے کے ضمن میں اصل اہمیت سورہ احزاب کی آیت نمبر32-33اور آیت نمبر-59 کو حاصل ہے۔اس کے تحت ایک خاتون گھر سے باہر جاتے وقت اپنا پورا چہرہ چھپائے گی۔زیادہ سے زیادہ وہ ایک آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے۔

☆ گھر کے اندر بھی وہ خاوند کے سوا تمام محرم لوگوں سے سینہ اور سر چھپائے گی۔

☆ محرم مردوں کے سوا باقی سب مردوں سے ایک خاتون چہرہ چھپائے گی۔

☆ رشتہ دار جو نہ تو محرم ہوں اور نہ ہی بالکل اجنبیوں کی فہرست میں شامل ہوں،ان کے بارے میں شریعت کی پالیسی غیر واضح ہے۔

☆ سورہ نور کی ہدایات بنیادی طور پر مستثنیات سے متعلق ہیں۔مثلاً جب کسی ہنگامی صورتحال میں آمنا سامنا ہو جائے۔عام حالات میں چہرے کا پردہ کرنا ہی اصل قانون ہے۔

اب ہم مولانا مودودیؒ کے نقطہ نظر کا تجزیہ کریں گے۔

جیسا کہ ہم انتہائی تفصیل کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ سورہ احزاب آیات۔32-33اوران کے علاوہ بھی بہت سی آیات خالصتاً امہات المومنین سے متعلق ہیں۔قرآن خود ان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ینساءَ النبی لستن کاحدٍ من انساءِ ''نبی کی بیویو،تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔مولانا مودودیؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ایک اسلوب ہے جیسا ایک باپ اپنے بچے سے کہے "تم بازاری بچوں کی طرح نہیں ہو" حالانکہ اس مثال اور قرآن مجید کے اسلوب میں بڑا فرق ہے۔اگر قرآن مجید یہ کہتا کہ "نبی کی بیویو،تم بری یا بازاری عورتوں کی طرح نہیں ہو" تب تو ایک امکان تھا کہ ان کے مفہوم کو عام کر دیا جائے۔لیکن جب قرآن مجید نے "عام عورتوں" کا لفظ استعمال کیا۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید حقیقتاً نبی کی بیویوں اور عام عورتوں میں فرق کرتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اسی ضمن میں مولانا، مودودیؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آگے تین ہدایات آئی ہیں۔ اس میں کون سی ایسی بات ہے جو حضورؐ کی ازواج کے لئے خاص ہو اور باقی مسلمان عورتوں کے لئے مطلوب نہ ہو۔ اس کے جواب میں ہم پہلے ہی یہ واضح کر چکے ہیں کہ جہاں تک نماز و زکواۃ کا تعلق ہے۔ یہ دونوں چیزیں تو اتنی اہم ہیں کہ پروردگار رسول کو بھی ان کی طرف علیحدگی سے توجہ دلاتا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ رسول کے لئے بعض احکام پوری امت سے مختلف ہیں۔ جہاں تک باقی ہدایات کا تعلق ہے مثلاً: لا تخضعن بالقول، قرن فی بیوتکن، لاتبرجن تبریج الجاھلیت الاولی اور واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن: ان سب کا تعلق ازواج نبی سے ہے۔ اس کے برعکس عام مسلمان خواتین کے لئے ہدایات اسی سورت میں بھی آئی ہیں اور خصوصاً سورہ نور میں آئی ہیں

اس ضمن میں مولانا مودودیؒ نے اس بات پر بھی غور نہیں فرمایا کہ کیا پروردگار کو ہمارے ایمان و عمل سے دشمنی ہے جو اس نے الفاظ تو ایک طرح کے استعمال کئے اور مفہوم ان کا دوسرا ہے۔ اگر پروردگار تمام مسلمان خواتین کو یہ ہدایت دینا چاہتا تو کتنا ہی اچھا ہوتا کہ وہ آیت نمبر-59 والے الفاظ یعنی: یاایھاالنبی قل لازواجك وبنٰتك ونساء المومنین--- یہاں بھی استعمال کر لیتا۔ اگر پروردگار نے آیت نمبر-32-33 میں یہ الفاظ استعمال نہیں کئے تو ظاہر ہے اس کی کوئی ٹھوس وجہ ہوگی۔

سورۃ احزاب آیت نمبر-59 کے حوالے سے مولانا مودودیؒ کا موقف یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواتین باہر جاتے وقت چادر اس طریقہ سے اوڑھ لیں کہ چہرہ بھی پوری طرح چھپ جائے۔ زیادہ سے زیادہ اجازت یہ ہے کہ راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ یا دونوں آنکھیں کھلی رکھی جائیں۔ یہاں مولانا نے اس فقرے کے سیاق وسباق کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی کہ آخر ایسا کیوں ہے کہ منافقین پر سخت تنقید اور زجر و توبیخ کے درمیان میں یہ آیت آئی۔

دوسرا یہ کہ اگر قرآن مجید کو اگر یہی ہدایت دینی تھی کہ خواتین چہرہ چھپالیں تو اس کے لئے قرآن مجید نے معروف لفظ ''نقاب'' کا استعمال کیوں نہیں کیا۔ جبکہ اس سوسائٹی میں بہت سی عورتیں نقاب سے منہ چھپاتی تھیں۔ تیسرا یہ کہ اگر قرآن مجید جلباب یعنی بڑی چادر ہی کے ذریعے چہرہ چھپانے کا حکم دینا چاہتا تھا تو اس نے صاف کیوں نہیں کہا کہ جلباب سے خواتین اپنا چہرہ چھپائیں۔ اس کے بجائے قرآن مجید نے "یدھن علیھن من جلابیھن کے الفاظ کیوں استعمال کیے جس کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔ چوتھا یہ کہ اس کے ساتھ لگے ہوئے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے کہ: ان یعرفن فلایؤذین۔ سوال یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں چادر اوڑھ کر چہرہ نہ چھپانے والی خاتون کو بھی شریف خاتون سمجھا جائے اور نہ ستایا جائے۔ کیا وہاں بھی ایک خاتوں کے لئے چہرہ چھپانا لازم ہے؟

درج بالا سوالات اٹھانے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید سے کوئی ہدایت اخذ کرتے وقت یہ لازم ہے کہ اس حکم کے پورے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

سیاق وسباق اوراس کے ایک ایک لفظ پر غور کیا جائے۔تبھی اس حکم کی پوری حکمت اور وسعت سمجھ میں آتی ہے۔

اسی آیت کی تشریح کے حوالے سے مولانا مودودیؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور بعض دوسرے مفسرین کی آراء نقل کی ہیں۔اس میں اصل اہمیت ابن عباسؓ کی تفسیر کی ہے۔اس کے متعلق یہ بات گزر چکی ہے کہ ابن عباسؓ سے اس تفسیر کی نسبت ہی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ علی ابن ابی طلعہ کی ابن عباسؓ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

جہاں تک باقی مفسرین کرامؒ کا تعلق ہے۔تو مولانا تو مولانا مودودی خود بھی ان سب سے تفہیم القرآن میں بے شمار جگہوں پر اختلاف کر چکے ہیں (بطور مثال صرف سورہ التین کا حوالہ کافی ہوگا)۔یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ جتنے بھی مفسرین کرام کے حوالے مولانا مودودیؒ نے نقل کئے ہیں ان کی آرا کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر غیر محفوظ مقامات ہی کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔تاہم چونکہ یہ محض ایک ضمنی بحث ہے اس لئے اس سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔

مولانا مودودی کے تصور حجاب کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایک خاتون کو گھر کے اندر بھی اپنے خاوند کے سوا تمام محرم رشتہ داروں سے سینہ سر چھپانا چاہیے۔یعنی گھر کے اندر بھی اس کو ہر وقت اس طریقہ سے دوپٹہ پہننا چاہیئے کہ اس سے سر اور سینہ چھپا رہے اور چہرے اور ہاتھوں کے سوا سارا جسم مستقل چھپا رہے۔(پردہ۔صفحہ-284)

اس کی دلیل میں مولانا مودودی نے چھ روایات پیش کی ہیں۔یہ چھ کی چھ روایات ضعیف ہیں۔موجودہ دور کے عالم اسلام کے سب سے بڑے محدث علامہ ناصرالدین البانی نے اپنی کتاب ''حجاب المراۃ المسلمہ'' میں ان تمام روایات کے ضعف پر تفصیلی بحث کی ہے۔یہ روایات اور ان کی کمزوری پر مختصر بحث ہم نے صفحہ نمبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں کی ہے۔ان کے مقابلے میں سورۃ نور اور بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ایک خاتون اپنے محرم رشتہ داروں کے سامنے بے تکلفی اور پورے زیب و زینت کے ساتھ آسکتی ہے۔مگر مولانا مودودی کی توجہ اس طرف نہیں گئی۔

مولانا مودودی کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ محرم مردوں کے سوا باقی سب مردوں سے ایک خاتون چہرہ چھپائے گی۔اس ضمن میں مولانا نے تفہیم القرآن جلد تین صفحہ-381-382 پر اپنے دلائل دئے ہیں پہلے انہوں حضرت عائشہؓ کا واقعہ افک نقل کیا ہے۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ جب صبح ایک صحابی کا وہاں سے گزر ہوا تو وہ مجھے پہچان گئے کیونکہ وہ ''حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے'' یہ واقعہ ایک زوجہ نبی سے متعلق تھا۔اور سورۃ احزاب کے احکام حجاب بھی ازواج نبی ہی کے متعلق نازل ہوئے تھے۔اسے عام عورتوں پر قطعاً قیاس نہیں کیا جاسکتا۔اس کے بعد مولانا مودودی ام خلاد نامی خاتون کے واقعے سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ضعیف روایت ہے۔تیسری دلیل کے طور پر وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے مطابق حضورؐ نے پردے کے پیچھے بیٹھی ایک عورت کا ہاتھ دیکھ کر پوچھا کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس روایت سے مولانا مودودی ی ثابت

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں پردے کا حکم آچکا تھا اس لئے وہ خاتون پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ پوری روایت ہی بالکل ضعیف ہے اور فرض کیجئے یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بعض عورتیں پردہ کرتی تھیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے زمانہ جاہلیت میں بھی کئی عورتیں پردہ بھی کرتی تھیں اور چہرے پر نقاب بھی اوڑھتی تھیں۔ اسلام نے نہ اس سے منع کیا اور نہ ہی عام حالات میں اس کا حکم دیا۔

اس کے بعد مولانا مودودی نے حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ ہم لوگ حج کے لئے بحالت احرام مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ جب مسافر ہمارے پاس سے گزرنے لگتے تو ہم عورتیں اپنے سر سے چادر کھینچ کر منہ پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم منہ کھول لیتی تھیں۔ یہ بھی ایک ضعیف روایت ہے اور ان تمام باقی روایات سے ٹکراتی ہے جو صحیح سند کے ساتھ احکام میں وارد ہوئی ہیں کہ احرام والی عورت کو اپنے چہرے پر نقاب نہیں ڈالنا چاہیئے۔ (بخاری، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد، بیہقی وغیرہ۔ میں اس مفہوم کی کئی روایات صحیح سندوں سے منقول ہیں)۔ تاہم اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ حجاب کا یہ قانون خصوصی طور پر ازواج نبیؐ کے لئے تھا۔ حضورؐ کے ساتھ ان کی ازواج سفر کر رہی تھیں نہ کہ عام خواتین۔ کیونکہ حج کے سفر کے موقعہ پر تو سب خواتین اپنے اپنے محرموں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔

گویا اس موضوع پر مولانا مودودی نے جتنی روایات سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سوائے واقعہ افک کے، باقی سب ضعیف ہیں۔ اور واقعہ افک خصوصی طور پر ایک زوجہ نبی سے متعلق ہے۔

چونکہ مولانا مودودیؒ اعلیٰ پائے کے ادیب اور ایک بہترین انشاء پرداز بھی ہیں اس لئے وہ بعض اوقات ایسے دلائل بھی پیش فرما دیتے ہیں جو ایک لمحے کے لئے انسان کو بہت مضبوط لگتی ہیں۔ مگر اس کا وقیع تر تجزیہ کچھ اور نتائج بیان کرتا ہے۔ مثلاً مولانا مودودی نے ایک جگہ (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ 381) پر اپنی تائید میں صحیح بخاری اور ترمذی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک عورت حضورؐ سے کچھ پوچھنے لگیں تو حضورؐ کے چچازاد بھائی فضل بن عباس نے اس پر نگاہیں گاڑ دیں۔ چونکہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس خاتون کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اس لئے مولانا نے آگے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ وہ خاتون حالت احرام میں تھیں اور احرام کے لباس میں نقاب کا استعمال ممنوع ہے۔ اس لئے اس خاتون نے نقاب نہیں اوڑھا ہوا تھا۔ یہ پوری تاویل بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ ترمذی کی روایت میں خود اسی حدیث میں یہ آیا ہے کہ یہ واقعہ قربانی کے بعد کا ہے اور ظاہر ہے کہ قربانی کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے۔

اسی طرح مولانا مودودی اس بات کی تاویل کرتے ہوئے کہ "حالت احرام میں عورتوں کے لئے چہرے پر نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے کی ممانعت ہے۔ کہتے ہیں کہ گویا اس معاملے میں پہلے چہرہ چھپانے کا کوئی حکم آچکا تھا (پردہ صفحہ 318-319)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اسی لئے اس سے احرام کی حالت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات مسلم ہے کہ قرآن مجید میں اور احادیث کے پورے ذخیرے میں کسی ضعیف ترین حدیث میں بھی نقاب اور دستانے کا کوئی حکم نہیں آیا۔ اصل بات یہ تھی کہ ان دونوں چیزوں کا رواج نزول اسلام سے بہت پہلے سے یعنی زمانہء جاھلیت کے دور سے ہی چلا آ رہا ہے۔ اسلام نے ان کے متعلق عام حالات میں کوئی مثبت یا منفی حکم نازل نہیں کیا۔ البتہ حالت احرام میں اس سے واضح طور پر روک دیا اس لئے کہ یہ حج کے فقیرانہ وضع قطع کے خلاف ہے۔

مولانا مودودیؒ کا اگلا نکتہ یہ ہے کہ محرم رشتہ داروں (یعنی جن سے نکاح حرام ہے) اور اجنبیوں کے درمیان جو رشتہ دار ہیں مثلاً چچا زاد، ماموں زاد وغیرہ۔ ان سے پردے کی نوعیت کو ''شریعت میں متعین نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کا تعین ہو نہیں سکتا'' (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ -388) اس کے بعد وہ اس کے متعلق آپس میں متضاد و مخالف روایات پیش کر کے قاری کو ایک مکمل کنفیوژن میں مبتلا کر کے چھوڑ دیتے ہیں کہ ان سے پردہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔

افسوس کہ اس نکتے میں مولانا مودودیؒ سے بہت بڑی چوک ہوگئی ہے۔ کاش وہ سورہ نور کی آیات 27-31 کا تدبر کی نگاہ سے جائزہ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن مجید نے تو اس معاملے میں انتہائی وضاحت سے حکم نازل کئے ہیں۔ وہ یہ کہ دور و نزدیک کے ان رشتہ داروں سے غض بصر، حفظ فروج اور اخفائے زینت کے اہتمام کے ساتھ مل بیٹھنے، گفتگو کرنے اور کھانا کھانے میں کوئی ہرج نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید ایک ایسے معاملے کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ کرتا جس ایک مرد و عورت کو روازنہ سابقہ پیش آتا ہے اور یہی سب سے نازک اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جہاں تک روایات کا تعلق ہے۔ ان میں درحقیت کوئی تضاد نہیں۔ بدقسمتی سے مولانا مودودیؒ نے روایات کی سند کا خیال رکھے بغیر ضعیف روایات کو بلا تکلف نقل کر دیا ہے۔ ورنہ صحیح روایات یا تو سورۃ احزاب کے تحت خالصتاً امہات المومنین سے متعلق ہیں یا پھر سورہ نور کے تحت عام مرد و خواتین سے متعلق ہیں اور اگر تمام صحیح روایات کو قرآن مجید کی مد (heading) لایا جائے تو ان میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

مولانا مودودی کا اگلہ نکتہ یہ ہے کہ سورۃ نور میں جتنی ہدایات نازل ہوئی ہیں۔ یہ اصل میں مستثنیات میں سے متعلق ہیں ورنہ اصل حکم تو وہی ہے جو سورۃ احزاب میں نازل ہوا ہے اور جو مولانا مودودی کے نزدیک چہرے کے پردے کا حکم ہے۔ غض بصر کی تشریح میں مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

> "اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت تھی۔ تبھی تو غض بصر کا حکم دیا گیا۔ ورنہ اگر چہرے کا پردہ رائج کیا جا چکا ہوتا تو پھر نظر بچانے یا نہ بچانے کا کیا سوال۔ یہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

استدلال عقلی لحاظ بھی غلط ہے اور واقعہ کے اعتبار سے بھی۔ عقلی لحاظ سے اس لئے غلط ہے کہ چہرے کا پردہ عام طور پر رائج ہو جانے کے باوجود ایسے مواقع پیش آسکتے ہیں جبکہ اچانک کسی عورت اور مرد کا آمنا سامنا ہو جائے" (تفہیم القرآن۔ جلد سوم صفحہ 381)

یہ بات قابل حیرت ہے کہ جس سورت کی ابتدا ہی میں پروردگار نے کہہ دیا کہ اس سورت کو ہم نے فرض کر دیا ہے اور اس میں ہم نے نہایت واضح اور صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں۔ ان کو مولانا مودودیؒ مستثنیات والی آیات بتا رہے ہیں۔ اور جن آیا ت کے متعلق پروردگار خود کہہ رہا ہے کہ یہ مستثنیات والی ہدایات ہیں انہی کے متعلق مولانا مودودیؒ فرما رہے ہیں کہ اصل حکم تو انہی سے ثابت ہوتا ہے چنانچہ دیکھئے سورۃ نور کی پہلی آیت ہی یہ کہہ رہی رہے۔

سورۃٌ انزلنٰھا وفرضنٰھا وانزلنافیھآ اٰیٰت بیّنٰتٍ لعلکم تذکرُون۔

"یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں تا کہ تم سبق لو" (سورہ نور-24، آیت ا، ترجمہ از تفہیم القرآن)

پھر آگے قرآن مجید جو الفاظ استعمال کرتا ہے اس میں کوئی مستثنیات نہیں ہیں۔ مثلاً آداب معاشرت والی بات آیت نمبر-27 میں اس طریقہ سے شروع ہوتی ہے۔

یاایھالذین اٰمنولاتد خلوبیوتاً غیر بیوتکم حتٰی تستاء نسو

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا اور اجازت نہ لے لو۔۔۔۔۔۔

پھر جب لوگ ایک دوسرے کے ہاں داخل ہو جائیں اور مرد و خواتین اکٹھے بیٹھ جائیں تو قرآن مجید بغیر کسی استثناء کے نہایت واضح الفاظ میں حکم دیتا ہے: قل المومینین یغضومن ابصارھم ''اے نبی مومن مردوں سے کہو کہ ان کی آنکھوں میں حیا ہو۔۔۔۔ (آیت 30)

اور خواتین سے بغیر کسی اگر مگر کے حکم دیتا ہے: وقل للمومنات یغضضن من ابصارھم : ''اور اے نبی مومن عورتوں سے کہہ دو کہ ان کی آنکھوں میں حیا ہو'' (آیت-31)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری سورت اپنی ہر آیت میں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ سب مسلمانوں سے متعلق ہے اور یہ ساری سورت نازل ہی اس لئے ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اختلاط مردوزن کے مواقع کے آداب سکھا دئے جائیں۔ نہات افسوس ہے کہ مولانا مودودیؒ نے اس سورت کی تفسیر میں کئی مقامات پر ٹھوکر کھائی ہے۔ مثلاً ایک جگہ آیت نمبر 58-61 میں سیاق وسباق سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہاں سارے احکام مردوزن کے اختلاط سے متعلق دئے جارہے ہیں اور اسی میں یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ اگر مردوزن اکٹھے کھانا کھانا چاہیں تب بھی ٹھیک ہے اور اگر مرد اور عورتیں الگ الگ کھانا چاہیں تب بھی ٹھیک ہے۔ یہ ہدایت اتنے صاف الفاظ میں آئی ہے کہ قرآن مجید کا ہر طالب علم سیاق وسباق میں اس بات کو سمجھ لے گا۔ لیکن مودودیؒ غلطی سے یہ سمجھے کہ یہ صرف مردوں کے آپس میں اکٹھے کھانے یا علیحدہ علیحدہ کھانے سے متعلق ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اسی طرح کی فروگزاشتوں سے سارا مسئلہ خلط ملط کر دیا۔

اس کے برعکس سورۃ احزاب ہر جگہ مستثنیات خود ہی ساتھ لگاتی ہے اور پہلی آیت ہی سے یہ واضح کرتی ہے کہ یہ سورت بنیادی طور پر پیغمبرؐ اور اس کے ازواج کے معاملات سے بحث کرتی ہے۔ چنانچہ پہلی آیت کی ابتدا ہی یہاں سے ہوتی ہے: یاایھا النبی اِتق اللہ ولاتطع الکافرین ولمنافقین ''اے نبی اللہ سے ڈرو اور کفار ومنافقین کی اطاعت نہ کرو'' آگے آیت نمبر چھ میں ارشاد ہے۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھتھم: ''بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور اپنی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ آگے آیت نمبر اٹھائیس میں ارشاد ہے: ''النبی قل ذواجك -----'' اے نبی اپنے بیویوں سے کہو۔۔۔ آگے آیت نمبر اکتیس میں نبی کی بیویوں کو کہا جا رہا ہے کہ ان کے لئے سزا بھی دگنی اور جزا بھی دگنی۔ پھر آگے آیت نمبر بتیس میں ارشاد ہے یانساء النبی لستن کاحدٍ من النساء۔۔۔ نبی کی بیویوں تم عام عورتوں کی طرح نہ ہو۔۔۔۔۔

یہ اس سورت کا عام لب ولہجہ ہے۔ پھر اس سورت میں جہاں جہاں عام مسلمانوں سے خطاب ہے وہاں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ہدایت کیوں اور طرح کے مواقع کے لئے دی جا رہی ہے۔ مثلاً جب خواتین کو باہر جلباب پہننے کی ہدایت ہے تو ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ غیر محفوظ مقامات پر بچاؤ کی ایک تدبیر ہے۔ ذالك ادنیٰ ان یعرفن فلایوذین ''یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں''

درج بالا صفحات میں ہم نے مولانا مودودیؒ کے نقطہ نظر پر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ تنقید کی ہے۔ وہ ہمارے نہایت محترم بزرگ ہیں تاہم ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے اور اسی لئے ہم نے ان کے نقطہ نظر کا تجزیہ کیا۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا موقف

اب ہم عالم اسلام کے ایک اور بہت بڑے بزرگ مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے نقطہ نظر کا تجزیہ کریں گے۔ مفتی محمد شفیعؒ بھی مسلک حنفی سے تعلق رکھنے والے انتہائی سنجیدہ اور متین عالم تھے۔ ''مفتی اعظم پاکستان'' ہونے کی حیثیت سے ان کا ایک خصوصی مرتبہ تھا۔ ان کی تفسیر 'معارف القرآن دور جدید کی عظیم تفاسیر میں سے ایک ہے اور قرآن مجید کا کوئی بھی طالب علم اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ہم ان کے پورے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے نقطہ نظر پر تنقید کریں گے۔ انہوں نے اپنا نقطہ نظر ''معارف القرآن''، جلد ہفتم تفسیر سورۃ احزاب میں بیان کیا ہے۔

ان کے موقف کے مطابق حجاب کے تین درجے ہیں۔ پہلا اور اصل مطلوب درجہ یہ ہے کہ عورتیں گھروں کے اندر رہیں اور ان کا وجود اور نقل وحرکت مردوں کی نظر سے چھپا ہوا ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر کبھی وہ کسی ضرورت سے باہر جائیں تو سر سے پاؤں تک برقع یا لمبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کے لئے چادر میں سے صرف ایک آنکھ کھولیں یا برقع میں جو جالی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگالیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ باہر نکلتے وقت چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی رکھی جائیں۔ یہ درجہ مفتی محمد شفیعؒ کے خیال میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ مگر اس میں چونکہ فتنے کا خوف ہے اس لئے اب علمائے حنفیہ کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اب یہ تیسرا درجہ ختم ہو چکا ہے۔ اب صرف پہلا اور دوسرا درجہ ہی باقی ہے۔

پہلے درجے کے ضمن میں وہ سورۃ احزاب آیات 32-33 سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ یہ آیات جو خاص ازواج نبی کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ان کے متعلق وہ مزید کسی تفصیل کے بغیر کہتے ہیں کہ ان کا حکم عام ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے حق میں جتنے واقعات نقل کئے ہیں۔ وہ سب کے سب ازواج نبیؐ سے متعلق ہیں۔ تین روایات انہوں نے ایسی بھی بیان کردی ہیں جن میں سے دو روایات سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے کہ وقرن فی بیوتکن کا تعلق عام خواتین سے بھی ہے۔ مگر یہ تینوں روایات ضعیف ہیں اور آخری دو تو نہایت کمزور ہیں۔

اس کے بعد حجاب کے دوسرے درجے میں وہ بطور دلیل وہ تفسیر پیش کرتے ہیں جو ابن جریر نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور جس پر بحث کر کے ہم واضح کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس تفسیر کی سند ضعیف ہے۔

حجاب کے تیسرے درجے میں جو ان کے نزدیک اب منسوخ ہو چکا ہے عورتوں کے لئے باہر جاتے وقت چہروں اور ہتھیلیاں حجاب سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کی دلیل وہ عبداللہ ابن عباسؓ ہی کی روایت سے لاتے ہیں۔

اب یہاں ایک بڑی دلچسپ صورت حال پیدا ہوگئی ہے جس کی طرف توجہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ایک ہی صحابیؓ سے ایک ہی معاملے میں دو بالکل متضاد موقف منقول ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک موقف تو وہی منقول ہے جو ہم نے اوپر درج

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کیا۔لیکن اس کے مکمل برعکس یہ موقف بھی ان سے منسوب ہے کہ ان کے نزدیک نہ صرف چہرے اور ہاتھوں کا کھلا رکھنا جائز ہے بلکہ اگر ان پر کچھ زینت یا زیور ہو تو اس کا اظہار بھی جائز ہے۔اس بات کو مولانا مودودیؒ نے اپنے مخصوص دلچسپ پیرائے میں اور ہلکے طنز آمیز لہجے میں یوں بیان کیا ہے۔

''ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ عورت اپنے منہ کو مسی اور سرمے اور سرخی پاوڈر سے اور اپنے ہاتھوں کو انگوٹھی، چھلے اور چوڑیوں اور کنگن وغیرہ سے آراستہ رکھ کر لوگوں کے سامنے کھولے پھرے۔ یہ مطلب ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں سے مروی ہے اور فقہاء حنفیہ کے ایک اچھے خاص گروہ نے اسے قبول کیا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ-386)

واضح رہے کہ حضرت عائشہؓ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ خواتین کے لئے باہر جاتے وقت چہرہ اور ہاتھ بمعہ ان کے زینت کے چھپانا ضروری نہیں۔ دور جدید کے ممتاز ترین محدث علامہ ناصر الدین البانی اس موضوع پر لکھتے ہیں:

''ان (متضاد) اقوال کو ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر جلد اٹھارہ صفحہ-84، میں نقل کیا ہے۔ پھر ابن جریرؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ اس استثناء سے مراد چہرہ اور ہاتھوں دونوں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اس بارے میں صحت سے قریب تر انہی حضرات کا قول ہے جنھوں نے اس سے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو لیا ہے۔ جس میں سرمہ، انگوٹھی، کنگن اور حضاب سب شامل ہیں ۔۔۔۔۔۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کا درج بالا قول ہی صحیح ہے۔''

(حجاب المراءۃ المسلمہ فی کتاب والسنہ)

حجاب کے اسی تیسرے درجے کی بحث میں مفتی محمد شفیع کہتے ہیں کہ چونکہ فتنے کا خوف ہے۔ اس لئے اب اس درجے کو ختم ہی سمجھنا چاہیئے۔ اب کسی خاتون کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ محرم رشتہ داروں کے سوا کسی کے سامنے بھی چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھولے۔ چنانچہ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ فتنے کا خوف کیا چیز ہے اور ایسے مواقع پر دین کا مجموعی مزاج کیا ہے۔ اسلام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اس کی بنیاد آسانی پر ہے، تنگی پر نہیں۔

ارشاد ہے:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

''اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے۔ دشواری نہیں''۔ (بقرۃ آیت 2، آیت 185)

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حرَجَ

''اللہ نے دین میں تم پر کوئی مشکل یا تنگی نہیں رکھی''۔(حج 22۔آیت 78)

مزید ارشاد ہے:

یُرِیدُ اللہ انَّ یُخَفِّفَ عَنکُم وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانَ ضَعِیفاَ

''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کردے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''(نساء-4،آیت-28)

سورۃ مائدہ میں ارشاد ہے:

مَایُرِیدُ اللّٰہ یَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِنۡ حَرَجَ

''اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں ڈالنا چاہتا''۔(مائدہ-5،آیت 6)

حضوؐر کی بعثت کا ایک مقصد قرآن مجید یہ بتا تا ہے کہ یہودیوں نے اپنے مذہب کو سخت بنایا ہوا تھا۔ان کے علماء وفقہا نے اپنے ماننے والوں پر بے شمار پابندیاں لگا رکھی تھیں (وہاں بھی نقطہ نظر یہی تھا کہ فتنے کا خوف ہے)۔چنانچہ پروردگار نے اپنے آخری نبی کو بھیجا کہ ان پابندیوں کو ختم کیا جائے۔سورۃ اعراف آیت-157 کا ایک ٹکڑا درج ذیل ہے۔

وَیَضَعُ عَنۡھُمۡ اِصۡرَھُمۡ وَالۡاَغۡلٰلُ اَلتِی کَانَتۡ عَلَیۡھِمۡ

''یہ نبیؐ ان بوجھوں اور طوقوں کو دور کرتا ہے جو ان یہودیوں پر تھے۔''

اسی لئے حضوؐر نے ارشاد فرمایا ''دین آسان ہے'' اور یہ اصولی ہدایت فرمائی کہ ''لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو۔لوگوں کو مشکلات میں مت ڈالو''(صحیح بخاری)

اسی حوالے سے حضوؐر کے اسوہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ دو جائز باتوں میں حضوؐر اس بات کو اختیار کرتے جو آسان ترین ہوتی۔

اسلام کی درج بالا ہدایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصول یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جہاں ہمیں کسی حکم کی خلاف ورزی کا اندیشہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ہو وہاں ہم جھٹ سے مزید پابندیاں لگا دیں۔ بلکہ اس کے برعکس اصول یہ ہونا چاہیئے کہ عام لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کی جائیں اور جہاں قرآن وحدیث کے الفاظ میں دو معنی لینے کے برابر کا احتمال ہو، وہاں اس معنی ومفہوم کو اختیار کیا جائے جس میں عام لوگوں کے لئے آسانی ہو۔ اگر ہر جگہ سختی سے کام لیا جائے تو خدشہ ہے کہ لوگ دین کے واضح احکام پر بھی عمل چھوڑ دیں گے بلکہ دین سے باغی ہو جائیں گے۔ اس موضوع پر فقہ حنفی کے مشہور عالم دین مفتی غلام سرور قادری مہتمم جامعہ رضویہ لکھتے ہیں

> سیدنا ابن عباس وسیدنا قتادہ وسیدنا مجاھد ایسے جلیل قدر صحابہ وتابعین آیت حجاب میں لفظ ''یدنین علیھن من جلابیھن'' میں چہرے کے پردے کو مستثنیٰ قرار دے چکے ہیں اور یہی امت کے لئے آسان ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ جہاں تک ہوسکے اُمت کے لئے آسانیاں پیدا کرو، ان کو مشکلات کے راستے پر مت چلاؤ۔۔۔۔۔ مطلب یہ کہ جو احکام آسان ونرم ہوں لوگوں کو وہی بتاؤ جس پر لوگ آسانی کے ساتھ عمل کر سکیں۔ اگر مشکل پہلو بتاؤ گے تو لوگ اسلام کو مشکل سمجھنے لگیں گے اور غیر مسلم بھی مسلمان ہونے سے پہلے سوچیں گے کہ اگر وہ مسلمان ہو گئے تو ان کے لئے ان سخت احکام پر عمل کرنا کہیں مشکل تو نہ ہوگا۔ اگر یہ سوچ کر ان کے قدم اسلام کی طرف نہ بڑھے تو اس کی ذمہ داری ان لوگوں میں ہوگی جو اسلام کو مشکل کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں''

آگے مفتی غلام سرور قادری واقعہ افک کے حوالے سے مولانا مودودیؒ کی بات کا جواب دیتے ہیں اور یہ جواب مفتی محمد شفیعؒ کی بات کا بھی ہے۔ اس لئے کہ اس موضوع پر ان دونوں بزرگوں کا نقطہ نظر ایک ہے۔

> ''رہا جناب مودودی صاحب کا حضرت عائشہؓ کے واقعے سے استدلال کرنا کہ حضرت صفوان سے اپنا چہرہ چھپالیا تو یہ بات ہم ابوداؤد صاحبؒ سنن کے حوالے سے اور امام قاضیؒ کے حوالے سے جسے ہم نے امام نودی کی شرح مسلم کی عبارت کے ذریعے نقل کیا، عرض کر چکے ہیں کہ منہ کا پردہ ازواج مطہرات کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس پر دوسروں کو قیاس نہ کیا جائے'' (پردہ کی شرعی نوعیت: ماہنامہ البر۔ جولائی 1993)

درج بالا بحث وتجزیہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے حجاب شرعی کے جو تین درجے گنوائے ہیں اس طرح کی کوئی تقسیم قرآن سنت سے ثابت نہیں۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ایک عقلی مغالطے کا جواب:

یہ کتاب عمومی طور پر اسلام کے نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔اس لئے اس میں فلسفہ،تاریخ اور منطق کی بحثوں سے گریز کیا گیا ہے۔تاہم ایک خصوصی معاملے یعنی خواتین کے لئے چہرہ چھپانے سے متعلق ایک عقلی دلیل اتنے تواتر سے استعمال کی جاتی ہے کہ اس کا نوٹس لیناضروری ہے۔وہ دلیل یہ ہے کہ عورت کی اصل جنسی کشش تو اس کے چہرے میں ہوتی ہے اس لئے مردوں کو فتنے سے بچانے کی خاطر عورت کے چہرے کا چھپاناضروری ہے۔ یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔عورت کا چہرہ ذوق جمال کا آئینہ دار ضرور ہے مگر کشش جنس کا نہیں۔اس سے مرد کے esthetic sense کو یقیناً ایک خوشی مل سکتی ہے مگر اس سے سفلی جذبات صرف اس انسان میں نمودار ہوتے ہیں جس کے حیوانی جذبے بے مہار ہوں۔ایسے مردوں کی تنبیہ ہونی چاہیئے نہ کہ اس کی وجہ سے عورتوں پر پابندی لگائی جائیں۔درحقیقت عورت کا اصل جنسی کشش اس کے بقیہ بدن کے ابھاروں کے برہنہ ہونے ،چست لباس کے اندر نمایاں ہونے اوع ہیجان خیز میک اپ میں ہے۔

اس بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کشش تو بہت سے مردوں کے چہروں میں بھی ہوتی ہے کیا ایسے مردوں کو یا ایک خاص عمر کے سب مردوں کے بارے میں بھی اسلام کا کوئی ایسا حکم موجود ہے کہ ان کے چہرے بھی چھپائے جائیں؟ ظاہر ہے کہ اگر اسلام مردوں کے مبتلائے فتنہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو چہرہ چھپانے کا حکم دیتا ہوتو عورتوں تو عورتوں کے مبتلائے فتنہ ہونے کی وجہ سے مردوں کے لئے بھی چہرہ چھپانے کا حکم ہونا چاہیئے ۔اس بات کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اگر ''مبتلائے فتنہ کا خوف'' ہی معیار ٹھہرتو ہم جنسی کو روکنے کے لئے سب مردوں اور سب عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے سے بھی نقاب میں رہنا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ چہرہ کسی انسان کی شناخت کا اظہار کا نام ہے۔چہرہ چھپانے سے شخصیت Identity less اور non entity ہوجاتی ہے۔عورتوں اور مردوں دونوں کے معاملے میں یہ چیز دین کو مطلوب نہیں ہے۔اس کو صرف اس وقت استعمال ہونا چاہیئے جب واقعۃً اپنی شناخت چھپانی مقصود ہو۔

اس باب کا خلاصہ درج ذیل نکات کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

ا: ایک خاتون کے لئے اپنے قریب ترین حلقے کے معاملے میں کوئی میں کوئی پابندیاں نہیں (سورہ نور آیت اکتیس)

۲: جن اوقات میں میاں بیوی تخلیے میں ہوں ان اوقات میں ہر ایک کو چاہیئے کہ ان کے کمرے میں بغیر اجازت کے نہ جائے۔(سورہ نور آیت

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

59-58)

۳: جن لوگوں سے دوستی، رشتہ داری، کاروباری یا کوئی اور تعلق ہو وہ سب مرد وعورت ایک دوسرے کے ہاں پہلے تعارف کروائیں، اجازت لیں۔ اجازت ملے تو اندر جائیں۔ پبلک مقامات میں اجازت ضروری نہیں (سورہ نور: آیات-27-31)

۴: ایسے موقع پر مردوں کو چاہیئے کہ وہ باحیا مہذب کپڑے پہنے ہوئے ہوں اوران کی آنکھوں اور چال ڈھال میں حیا ہو (سورہ نور۔آیات 27-31)

۵: ایسے موقعہ پر عورتوں کو بھی چاہیئے کہ وہ باحیا مہذب کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ اگر انہوں نے زینت کی ہوئی ہو تو اس زینت کو ظاہر نہ کریں۔ سوائے اس زینت کے جس کا چھپانا مشکل کا باعث ہو۔ مثلاً چہرے یا ہاتھ کی زینت۔ وہ اپنے گریبانوں پر دوپٹے ڈالیں اور بجنے والے زیور کا بھی خیال رکھیں۔ ان کی آنکھوں اور چال ڈھال میں حیا ہونی چاہیئے۔ (سورہ نور۔آیات 27-31)

۶: معاشرہ کے معذور افراد کو بالکل گھر کے فرد کی طرح رکھا جاسکتا ہے۔ (سورہ نور۔آیات-61)

۷: مردوخواتین میل ملاقات کے وقت اکٹھے بھی کھانا کھا سکتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی۔ (سورہ نور آیت 61)

۸: اجنبی مردوخواتین کی اگر ایک دوسرے سے گلی بازار یا کسی بھی جگہ مڈبھیڑ ہو تو کوئی بے حیائی اور بدتہذیبی کی حرکت نہ کی جائے۔ (سورہ نحل-16 آیت 90۔سورہ مومنون 23، آیت 3)

۹: کسی غیر محفوظ مقام پر جاتے وقت خواتین کو چاہیئے کہ وہ ایسا باوقار مہذب لباس پہنیں جس سے اوباش لوگ یہ جان جائیں کہ یہ شریف عورتیں ہیں مثلاً وہ اپنے کپڑے اور سر پر ایک بڑی چادر لے لیں۔ (سورہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

احزاب۔آیات58-60)

۱۰: حجاب کے ضمن میں ازواج نبیؐ کے لئے خصوصی احکام تھے۔ جو سورۃ
احزاب آیات6، 30-34، 53 اور 60 میں بیان ہوئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اسلام کا تصور خاندان

سوسائٹی کی بنیاد خاندان ہے اس لئے قرآن مجید نے خاندانی معاملات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اس سے متعلق تمام معاملات کے ضمن میں واضح ہدایات دی ہیں۔

خاندان شوہر اور بیوی کے پاکیزہ اور محبت سے بھرپور رشتہ سے وجود میں آتا ہے۔انسانیت کی ابتداء ہی آدم وحوا کے جوڑے سے ہوئی تھی۔اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مرد اور ایک عورت اپنی آزادنہ رضامندی سے جب ساری زندگی اکٹھا رہنے کا عہد کرتے ہیں تو یہ دونوں رشتہ نکاح میں بندھ جاتے ہیں۔یہ لازم ہے کہ ہر نکاح کا گواہوں کی موجودگی میں عام اعلان کیا جائے تاکہ سب لوگ یہ جان جائیں کہ ایک نیا جوڑا وجود میں آگیا ہے۔اس رشتے کی سب سے بڑی غرض وغایت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے سکون واطمینان اور محبت کی دولت حاصل کرتے ہیں۔یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لباس کی مانند ہیں۔ان دونوں کے حقوق وفرائض آپس میں ہم پلہ وہم مرتبہ ہیں۔البتہ مرد کا ایک حق زیادہ ہے وہ یہ کہ وہ خاندان کا سربراہ ہے۔اس کے مقابلے میں اس کی ایک ذمہ داری بھی زیادہ ہے وہ یہ کہ بیوی بچوں کے تمام اخراجات کا ذمہ دار بھی وہ ہے۔

خاندان کے ضمن میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ہم ایک ایک کر کے ان ان سوالات پر بحث کریں گے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ نکاح کا اصل مطلب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ایک مرد اور ایک عورت کا آپس میں جنسی تعلق جائز ہوجاتا ہے۔اس رشتے سے باہر جنسی تعلق رکھنا اسلامی تعلیمات کی رو سے منع ہے۔ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۔

خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔(بنی اسرائیل 17۔آیت-32)

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

قرآن مجید میں خاندان سے متعلق احکام زیادہ تر سورۃ نساء میں بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس سورت کی ابتداء ہی اس طریقہ سے ہوتی ہے:

یَاَیھاالناسُ اتَّقوارَبّکمُ الذِی خَلقَکُم مِن نفسٍ وّاحدۃٍ وَّخَلقَ مِنھازوجَھا وبثّ منھمارجالاً کثیراًونسآء واتقوااللہَ الذِی تسآءَلُوْن بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللہَ کَانَ علَیکُمْ رَقیباً۔

''اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے مدد مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

اس کے بعد آگے قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ نکاح میں دونوں طرف سے ایجاب وقبول ہوگا۔ یعنی ایک اپنی آزادانہ مرضی سے دوسرے کو پیش کش کرے گا اور دوسرا اسے قبول کرے گا۔ شوہر اس موقعہ پر معاہدے کے مطابق کچھ مال اپنی بیوی کو دے گا۔ تیسرا یہ کہ اس رشتہ میں پائیداری اور مستقل جاری رہنے کا عزم وارادہ ہوگا اور چوتھی بات یہ کہ چوری چھپے ناجائز جنسی تعلق نہیں ہوگا۔ بلکہ اعلان عام ہوگا۔ ارشاد ہے۔

وَالْمُحْصنٰتُ مِنَ النِّسآءِ اِلاّمَامَلَکَتْ اِیْمَانُکُم کِتٰبَ اللہِ عَلَیکُم وَاُحِلَّ لَکُم مَاوَرآءَ ذٰلکُم اَنْ تَبْتَغُوابِاَمْوالِکُم مُحْصِنِینَ غَیرمُسافِحِین فَمَااسْتَمْتعتم بِہٖ منھن فاتوھن اُجُوْرَھُنّ فَرِیضۃً وَلَاجُنَاحَ عَلَیکُم فِیْمَاتَرٰضیتُم بِہٖ مِن بَعدِ الفَرِیضۃِ اِنَّ اللہَ کَانَ عَلِیْماً حکیماً۔

''(جو عورتیں تم پر حرام کی گئی ہیں) ان کے سوا باقی سب عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں۔ اس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے ان کے طالب بنو۔ ان کو قید نکاح میں لے کر، نہ کہ بدکاری کے طور پر۔ پس ان میں سے جن سے تم نے تمتع کیا ہو تو ان کو ان کے مہر دو، فرض کی حیثیت سے۔ مہر کے ٹھہرانے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کے بعد جوتم نے آپس میں راضی نامہ کیا ہوتو اس میں کوئی گناہ نہیں ۔ بے شک اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔''(سورۃ نساء4۔آیت24)

آ گے ارشاد ہے:

مُحصنٰتٍ غیر مسٰفحٰتٍ وَلَا متّحذات اخدانٍ

''اُن کو قید نکاح میں لاکر نہ کہ بدکاری کرنیوالی والیاں اور چوری چھپے آشنائی گانٹھے والیاں'' (سورۃ نساءآیت25)

اس سورۃ کی آیت نمبر اکیس میں نکاح کو ''میثاق غلیظا''یعنی ایک پختہ معاہدہ کہا گیا ہے۔
اس مفہوم کی آیات قران مجید میں اور مقامات پر بھی آئی ہیں۔
اس کے بعد اگلا سوال یہ ہے کہ اسلام کی رو سے میاں بیوی کا مثالی رشتہ کیسا ہونا چاہیئے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطابق مثالی میاں بیوی وہ ہوتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لباس کی مانند ہیں۔یعنی وہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ایک دوسرے کو تکلیف سے بچاتے ہیں۔ایک دوسرے کیلئے خوشی ومسرت کا باعث بنتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیبوں کو چھپاتے ہیں۔ارشاد ہے۔

هُنَّ لباسُ لَّکم وَاَنتُم لباس لهُنَّ

''وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو''۔(بقرہ2۔آیت187)

آ گے ارشاد ہے:

هُوَالذّی خَلقکُم من نَّفسٍ وَّاحِدةٍ وَجَعَلَ منهَا زَوجَها لِیَسکُنَّ الیها فَلَّما تَغَشّٰها حَمَلتُ حَملاً حفِیفاً فَمرَّتُ بِهِ فَلَمَّااَثُقَلَتُ دَّعَوَاللهَ رَبَّهُمَا لَئِن اَتیتَنَاصَالِحاًلَّنَکُونَنَّ مِنَ الشّٰکرِینَ۔

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تم (مردوعورت) کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے تمہارا جوڑا بنایا

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

تاکہ تم (مرد وعورت) میں سے ایک دوسرے کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب شوہر نے بیوی سے قربت کی تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی پروردگار سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح وسالم اور نیک اولاد دے دی تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔'' (اعراف 7 ،آیت 189)

مزید ارشاد ہے:

وَمِن آيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنفُسِكُمْ اَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوآ اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔

''اس پروردگار کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں۔ تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تم میاں بیوی کے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں'' (روم 30 ،آیت 21)

قرآن مجید یہ بات بھی واضح کرتا ہے کہ عام حالات میں میاں بیوی کے حقوق وفرائض ہم پلہ وہم مرتبہ ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِى عَلَيهِنَّ بِالمعروف

عورتوں کے لئے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے ان پر ہیں'' (بقرہ 2، آیت 228)

اس کے بعد اگلا سوال یہ ہے کہ اسلام کی رو سے مرد کے خصوصی فرائض کیا ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دین کا حکم یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کی تمام جائز ضروریات کا خیال رکھے گا۔ اسے کبھی تنگ نہیں کرے گا۔ اس پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ اگر اسے بیوی کی کچھ عادتیں پسند نہ ہوں تب بھی اس کے ساتھ گزارا کرے۔ اس لئے کہ خامیوں سے پاک کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔

ارشاد ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

يَـآ اَيهُـاالـذِيْـنَ اٰمَـنُـولَايَـحِـلُّ لَـكُـمْ اَنْ تَـرِثُـوا النِّسَـآ ءَ كَـرْهـاً وَلَاتَـعْـضُـلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوبِبَعضِ مآ اٰتيتُموهُنَّ اِلآّ اَنْ ياْتِين بفاحشةٍ مُبيّـنتةٍ وَعَـاشِـرُوهُـنَّ بِـالْـمَـعروفِ فَاِنْ كَرِهتُموهُنَّ فَعَسىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شيئاًوَّيَجْعَلَ اللّٰه فَيه خَيْراً كثيراً۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ عورتوں کا مال کمانے کے لئے زبردستی ان کے وارث بن بیٹھو۔ تمہارے لئے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ عورتوں کو تنگ کر کے اس مال کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی صریح بدچلنی (زنا) کی مرتکب ہوں۔ عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔'' (نساء4، آیت19)

قرآن مجید کی یہ بھی ہدایت ہے کہ مردوں کو عورتوں کے ساتھ احسان کا رویہ رکھنا چاہیئے اور ان کے مقابلے میں اپنا حق چھوڑ نا چاہیئے۔ سورۃ بقرہ میں ایک لمبی بحث کے بعد جس میں طلاق کے قوانین زیر بحث ہیں قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَاَنْ تَعْـفُـو آ اَقْـرَبُ لِلتَقْـوٰى وَلَاتَـنْسَـوُالْـفَـضْـلَ بَينكُمْ اِنَّ اللّـٰه بِمَاتعمَلُونَ بَصِيرٌ۔

''اور اگر تم مرد (عورتوں کے مقابلے میں) اپنا حق چھوڑ دو تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔'' (بقرہ2، آیت 237)

اگلا سوال یہ ہے کہ اسلام کی رو سے بیوی کے خصوصی فرائض کیا ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفادار، اطاعت گزار اور فرمانبردار رہے گی۔ وہ اپنے شوہر اور گھر کے رازوں کی حفاظت کرے گی۔ ارشاد ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

فالصّٰلحٰتُ قٰنتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِلْغَیْبِ بِمَا حفظَ اللّٰہُ

''پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اپنے شوہروں کی فرماں بردار اوران کے رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔اس لئے کہ خدا نے بھی رازوں کی حفاظت فرمائی ہے۔'' (نساء4،آیت 34)

گویا وہ اپنے شوہر کے جان و مال، آبرو، بچوں اوران کے رازوں اورمزاج کا پورا پورا خیال رکھے گی۔عام حالات میں اپنے شوہر کی فرمانبرداراوراطاعت گزار رہے گی۔اس کے ساتھ گستاخی اور بےعزتی کا رویہ نہیں اپنائے گی۔وہ اپنے شوہر کی سچی رازدان اورخیرخواہ ہوگی اوراپنے شوہر کے خلاف بغاوت اور سرکشی نہیں کرے گی۔

اگلا سوال یہ ہے کہ اسلام کی رو سے خاندان کا سربراہ کون ہے یا الفاظ دیگر فیصلہ کن اتھارٹی کس کو حاصل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی رو سے ایک خاندان کی چھوٹی سی وحدت بھی دراصل ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو ایک سربراہ کی محتاج ہے۔سربراہی صرف ایک حق نہیں بلکہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔گھر کی تمام ضروریات کو پورا کرنا، ہر چیز کا خیال رکھنا اور گھر کی حفاظت اور مدافعت کرنا سربراہ کی ذمہ داری ہے۔ چونکہ مرد کو پروردگار نے وہ خصوصیات دی ہیں جو سربراہی کے لئے ضروری ہیں مثلاً سخت جان ہونا،محنت ومشقت کے لئے زیادہ موزوں ہونا،معاشرے میں مقابلے کے لئے جذبات مسابقت کا ہونا۔ اس کے علاوہ خاندان پر خرچ کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے شوہر کو خاندان کا سربراہ قرار دیا ہے۔اس کیلئے قرآن مجید نے'' قوام'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔جس کے معنی محافظ ونگہبان اورضروریات مہیا کرنے والے کے ہیں۔ چنانچہ قوام ہونا مرد کا حق بھی ہے اوراس کی ذمہ داری بھی ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ قرآن مجید کے مطابق پروردگار نے مرد وعورت کو مختلف حیثیتوں میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے مثلاً اگر مرد حفاظت کے لئے زیادہ موزوں ہے تو عورت بچوں کی پرورش اورنگہداشت کیلئے زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَی النِسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَبِمَآ اَنْفَقُو مِنْ اَمْوَالِھُمْ

''مرد (شوہر کی حیثیت سے) عورتوں کے محافظ ونگہبان اوران کی ضروریات مہیا کرنے پر ذمہ دار ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر (یعنی کبھی مرد کو اور کبھی عورت کو) فضیلت بخشی ہے (چنانچہ یہاں) وجہ یہ ہے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے'' (نساء آیت 34)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

وَلَهُنَّ مِثْلُ الذِّی عَلَیْهِنَّ بِاالمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنِّ دَرَجَۃٌ

''عورتوں کے لئے دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح دستور کے مطابق ان پر ذمہ داریاں ہیں۔ ہاں مرد کے لئے ان پر (قوام کی حیثیت سے) ایک درجہ زیادہ ہے۔''

درج بالا دونوں آیات میں مزید دو نکات ہیں جن کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ کیا ہر مرد قوام ہے۔ مثلاً ایک شخص کے مر جانے سے اس کا بیٹا بھی اپنی والدہ کا قوام بن جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن مجید کے ان دونوں مقامات کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ یہاں صرف میاں بیوی ہی مراد ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں مقامات پر ساری بحث میاں بیوی کے تعلق کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ جہاں تک باقی رشتوں کا تعلق ہے ان کے متعلق قرآن مجید نے دوسرے مقامات پر بحث کی ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کیا پروردگار نے مرد کو عورت پر مطلقاً کوئی فضیلت بخشی ہے۔ کیونکہ سورۃ نساء کی آیت -34 کے ٹکڑے ''بمافضل الله بعضم علی بعض'' سے بظاہر ایسا ہی لگ رہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مرد کی عورت پر کوئی مطلق فضیلت نہیں ہے اس لئے کہ قرآن مجید یہ بات واضح کر چکا ہے کہ سوائے سربراہی کے مرد و عورت کے حقوق آپس میں ہم پلہ و ہم مرتبہ ہیں۔ درج بالا آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ ہے ''اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے''، یعنی کسی خصوصیت کے لحاظ سے کسی کا درجہ زیادہ ہے اور کسی اور خصوصیت کی وجہ سے کسی اور کا درجہ زیادہ ہے۔ اگر قرآن مجید کو یہ بات کہنی ہوتی کہ مردوں کا درجہ مطلقاً زیادہ ہے تو وہ واضح طور پر کہتا کہ ''اللہ نے مرد پر مطلق فضیلت بخشی ہے'' یہ بات ذہن میں رہنی چاہئیے کہ قرآن مجید ہر اہم اور بنیادی بات بالکل واضح طور پر کہتا ہے اور وہ اجمالی بات وہیں کہتا ہے جہاں اجمالی بات کہنا ہی موزون ہو۔ اس آیت سے پہلی آیت میں قرآن مجید نے فضیلت والی بات کو بہت واضح طریقہ سے یوں بیان کیا ہے۔

وَلَاتَتَمَنُّوامَافَضَلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِجَالِ نَصِیْبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوااللّٰه مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰه كَانَ بِكُلِّ شیءٍ عَلِیماً۔

''اور جس چیز میں اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر ترجیح دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کو حصہ ملے گا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اس میں سے جوانہوں نے کمایا اور عورتوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے
اس کے فضل میں سے حصہ مانگو' (نساء-4، آیت 32)

اگلا سوال یہ ہے کہ سربراہ ہونے کی حیثیت سے ایک شوہر اپنی بیوی پر کیا کچھ بالجبر نافذ کر سکتا ہے اور کیا کچھ نہیں کر سکتا۔
اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ گھر کی تنظیم کے سلسلے میں جتنے بھی معاملات ہیں، ان میں آخری فیصلے کا اختیار شوہر کو حاصل ہے۔ تاہم وہ اپنی بیوی کے کسی ذاتی معاملے میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ تاہم اس مختصر جواب کی تھوڑی سی تفصیل ضروری ہے۔
ہمارا دین ہم میں یہ مزاج پیدا کرنا چاہتا ہے کہ گھر کے اندر مکمل ہم آہنگی، اتفاق اور خوشی ہو۔ تمام فیصلے مشورے اور اتفاق رائے سے کئے جائیں۔ مرد وعورت ایک دوسرے کی ہر وہ ضرورت، جو پوری کر سکتے ہوں، پوری کریں۔ اور باہر کی طرف نظر بھی نہ اٹھائیں۔ اسلامی معاشرے کے برعکس، مغربی معاشرے میں ایک مرد اور ایک عورت کو خود اپنی جگہ پر اکائی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر خاندان وجود میں آ بھی جائے، تب بھی وہ نہایت ناپائیدار ہوتا ہے۔ ہر معاملے میں میاں بیوی کے درمیان جھگڑے چلتے رہتے ہیں اور بات بات پر علیحدگی تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ تاوقتیکہ مرد وعورت خود ہی فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کریں۔ دوسری طرف اسلام کی رو سے ہر خاندان ایک ننھی منی سی ریاست ہے۔ جس میں ہر کام خوش اسلوبی اور معاملہ فہمی سے ہونا چاہیے، تاہم آخری فیصلے کا اختیار کسی نہ کسی کے پاس تو ہونا چاہیئے۔ اس لئے گھر کی تنظیم کے سلسلے میں جتنے بھی معاملات ہیں، ان میں آخری فیصلے کا اختیار شوہر کو حاصل ہے۔ مثلاً کہاں رہائش اختیار کی جائے؟ بچوں کو کون سے سکول میں داخلہ دلوایا جائے۔ گھر کے اندر رشتہ داروں اور دوستوں میں سے کون کون آئے اور کون کون نہ آئے، وغیرہ وغیرہ۔ تاہم دین ہمیں یہ نصیحت کرتا ہے کہ مرد ان سب چیزوں میں اپنی بیوی کی خوشی ملحوظ رکھے۔ حضور اکرمؐ اس بارے میں اتنے حساس تھے کہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے اہم ترین موقع پر، میاں بیوی کے تعلق کے اس پہلو پر روشنی ڈالی۔
تاہم مرد اپنی بیوی کے کسی ذاتی معاملے میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ مثلاً وہ بیوی کے مال پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ شوہر اسے کوئی خاص کپڑا پہننے یا کوئی خاص کھانا کھانے پر مجبور نہیں کر سکتا، وہ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں سے ملاقات سے نہیں روک سکتا۔ وہ اسے مسجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتا۔ گویا وہ سب امور، جو عرف عام میں کسی فرد کے ذاتی معاملات کہلاتے ہیں، ان میں کوئی مرد اپنی عورت کو حکم نہیں دے سکتا۔ رسول اکرمؐ نے اس سب امور کو، مختلف مواقع پر وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔
تاہم دین کا مزاج یہ ہے کہ ان چیزوں میں بھی ایک بیوی اپنے شوہر کے جذبات واحساسات کا خیال رکھے۔ کیونکہ مرد وعورت ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے عیبوں کو چھپاتے ہیں اور ان کا وجود ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہے۔
اگلا سوال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے شوہروں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو مار پیٹ سکتے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ اسلام نے مرد کو اپنی بیوی پر ہاتھ چلانے کی کھلی اجازت دی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عام حالات میں ایک شوہر کو قطعاً یہ اجازت نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو کوئی ایذا پہنچائے ۔ بیوی سے کوئی بڑا مالی نقصان بھی ہو جائے یا بچے اس کے بے توجہی کی وجہ سے نقصان کا شکار ہو جائیں تب بھی شوہر اسے مارنے پیٹنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔البتہ صرف ایک صورت میں شوہر اپنی بیوی کے خلاف تادیبی اقدام کرسکتا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ جب ایک بیوی کھلی بغاوت پر اتر آئے ۔ وہ اپنے شوہر کی بات ماننے سے کھلم کھلا انکار کر دے اور بالکل ہی نافرمان ہو جائے ایسی صورت میں قرآن مجید مردوں کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ پہلے اپنی بیویوں کو اچھے طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کریں اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو پھر شوہر اپنا بستر الگ کرلے۔اس طرح عورت کو یہ احساس ہو جائے گا کہ اسے بغاوت اور نافرمانی کی روش چھوڑ دینی چاہیے۔اگر اس سے بھی فائدہ نہ ہو تو مرد کو یہ اجازت ہے کہ وہ احساس دلانے کی خاطر بیوی کو ہلکی ضرب بھی لگا سکتا ہے۔اس آخری بات کی مزید توضیح حضورؐ نے یوں کی ہے کہ یہ ضرب صرف احساس دلانے کی خاطر ہونی چاہیے اور چہرے یا کسی نازک مقام پر نہیں لگنی چاہیے۔ارشاد ہے:

والّتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع
واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً

''وہ عورتیں جن سے تم کو نافرمانی یا بغاوت کا اندیشہ ہو ان کو (پہلے) نصیحت کرو۔اور (اگر نہ مانیں تو) ان کو بستروں میں تنہا چھوڑ دو۔اور اگر (پھر بھی وہ نہ مانیں تو) ان کو ہلکی جسمانی سزا دو۔پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرنے لگیں تو ان پر ظلم کرنے کے راستے مت تلاش کرو'' (نساء۔4 آیت:34)

یہاں دو سوالات پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ اسلام نے شوہر کو یہ اجازت کیوں دی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دین کا منشاء یہ ہے کہ گھر کی سلطنت تباہ نہ ہونے پائے اور گھر کی بات گھر ہی میں رہے۔اسلام ہر جگہ امن وسلامتی کو پسند کرتا ہے جس طرح وہ ہر مسلمان کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ کہ وہ اپنی ریاست کا وفادار رہے گا اور ریاست کا ہر حکم مانے گا سوائے اس حکم کے جس کے ذریعے اسے گناہ کرنے کا حکم دیا جائے (مثلاً اس کو بزور شراب پلائی جائے)۔اس طرح اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ گھر کی چھوٹی سی ریاست امن ومحبت کا نمونہ بنی رہے۔یہ ٹوٹنے نہ پائے اور اگر اسے ٹوٹنے سے بچانے کیلئے شوہر کو کچھ تادیبی کاروائی بھی کرنی پڑے تو ایسا کرلے۔یہ تادیبی کاروائی گھر ٹوٹنے کی نسبت بہت کمتر برائی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اسی لئے قرآن مجید ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ اگر درج بالا تینوں کاموں سے گھر کے حالات نہ سدھریں اور میاں بیوی کے تعلقات منقطع ہونے کی نوبت آجائے تو پھر اس کے خاندان کے دوستوں، رشتہ داروں، پوری سوسائٹی اور بدرجہ آخر ریاست کو بھی حرکت میں آنا چاہیئے اور دونوں کے درمیان وسیع تر سمجھوتے اور پرامن بقائے باہمی کی خاطر دو افراد پر مشتمل ایک جیوری مقرر کرنی چاہیئے۔ جن میں ایک فرد مرد کی طرف سے ہو اور دوسرا عورت کی طرف سے۔ یہ دونوں مل کر ایک قابل عمل سمجھوتے تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تاکہ ایک نئے معاہدے کے ذریعے میں میاں بیوی مستقبل میں زندگی بسر کریں۔ ارشاد ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَماً مِن اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحاً مِنْ يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيراً۔

''اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک نمائندہ مرد کے لوگوں میں سے مقرر کرو اور ایک نمائندہ عورت کے لوگوں میں سے۔ اگر دونوں (میاں بیوی) اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا کردے گا۔ بے شک اللہ علم والا اور باخبر ہے۔'' (نساء 4، آیت 35)

گویا اسلام کا منشاء یہ ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اس اکائی کو بچایا جائے تاکہ معاشرت کی سب سے اہم بنیاد ٹوٹنے نہ پائے،

دوسرا سوال یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے بغاوت و سرکشی کی صورت میں ایک شوہر کے لئے اپنی بیوی کو ضرب لگانے کی آخری حد کیا ہے؟

یہ بات تو واضح کی جاچکی ہے کہ اس ایک معاملے کے سوا شوہر کو بیوی پر ہاتھ اٹھانے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اس معاملے میں بھی ضرب لگانے کی آخری حد یہ ہے کہ یہ محض علامتی ہونی چاہیئے۔ یہ ہلکی ہونی چاہیئے اور یہ چہرے یا کسی نازک مقام پر نہیں لگنی چاہیئے۔ مستند روایات میں حضورؐ سے یہ ہدایت نقل ہوئی ہے۔ مثلاً مشکواۃ کی روایت ہے:

''میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو تم کھاؤ، وہی انہیں بھی کھلاؤ۔ جو تم پہنو وہی انہیں بھی پہناؤ (سرکشی کی صورت میں) چہرے پر مت مارو اور اگر اس سے بطور تادیب علیحدگی چاہو تو صرف اتنی کہ بستر الگ کردو۔ مکان الگ نہ کرو۔

اسی کے متعلق حضورؐ نے یہ بھی واضح کیا کہ اگرچہ یہ اجازت تو موجود ہے مگر انبیاءؑ نے کبھی ایسا نہیں کیا اور اچھے مردوں کو ایسا نہیں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کرنا چاہیئے ۔حضوؐر کے الفاظ ہیں ''ولن یضرب خیارکم''یعنی اچھے مرد اپنی عورتوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کریں گے۔

حضوؐر کے اس ہدایت کی قرآنی بنیاد یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطابق ضرب اور دوسری ایذائیں ایک جرم اور قابل دست اندازئ ریاست ہے۔اس معاملے میں میاں بیوی سمیت کوئی استثناء نہیں ہے(ملاحظہ کیجیئے سورۃ مائدہ5،آیت نمبر45)

اسی سلسلہ میں ایک ضمنی سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا گھریلو تشدد کے خلاف ریاستی سطح پر قانون سازی ہونی چاہیئے ۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کئیمعاشروں میں خواتین پرتشدد ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔مرد بات بے بات عورتوں پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں ۔حتیٰ کہ ان کو زخمی کرتے ہیں۔اس لئے اس معاملے میں ریاستی سطح پر قانون سازی ضروری ہے۔اس سے معاشرے میں یہ شعور بڑھے گا کہ شوہر کو صرف نشوز یعنی کھلی بغاوت ہی کے سلسلے میں تادیبی اختیارات حاصل ہیں اور محض علامتی ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین کی ہر حادثاتی موت (مثلاً چولھے پھٹنے کی وجہ سے موت) کی باقاعدہ عدالتی تحقیقات کے لئے بھی قانون سازی کی جائے۔

نکاح کے ضمن میں اگلا سوال جسے قرآن مجید نے براہ راست لیا ہے وہ مہر سے متعلق ہے۔

مہر دراصل اس رقم کا نام ہے،جو کہ زندگی بھر کی کفالت کی ذمہ داری اٹھانے والے مرد کی طرف سے،اس موقع پر جب کہ ایک عورت جو کہ اس کے عقد نکاح میں آرہی ہے اور اس کا مقام تسلیم کر کے،اپنا آپ اس کے حوالے کر رہی ہے،ادا کی جاتی ہے۔ دین نے ٹوکن کے طور پر یہ رقم لازم کی ہے،تا کہ وہ اسے غیر معمولی حالات میں اپنی مرضی اور آسانی کے ساتھ استعمال کر سکے اور اس کے استعمال میں اس پر کوئی قدغن نہ ہو۔قرآن مجید نے اس کو بڑی اہمیت دی ہے اور دس مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔مہر کی رقم کا تعین نکاح کے موقع پر لازم ہے۔

مہر کی رقم کے سلسلے میں قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ اس رقم کا تعین معاشرتی اور مالی حالات کے لحاظ سے کیا جائے۔ یہ رقم اتنی ہونی چاہیئے کہ اس سے عورت کو احساس تحفظ ہو۔

باہم رضامندی سے یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ رقم نکاح کے ساتھ،فوراً ہی (مہر معجّل) شوہر اپنی بیوی کو ادا کرے گا،یا وہ اس کا حصہ بعد میں (مہر موجل) اپنی بیوی کے مطالبے پر ادا کرے گا۔ بعد میں اگر بیوی چاہے تو اس مہر کا کچھ حصہ معاف بھی کر سکتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں مہر کے متعلق یہ عام غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اس کی کوئی شرعی مقدار ہے،جو بتیس روپے دس آنے بتائی جاتی ہے۔درحقیقت ایسی کوئی مقدار دین میں نہیں ہے۔ یہ مقدار اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں علماء نے لوگوں کی آسانی کے لئے بطور تجویز بیان کر دی تھی۔اس وقت کی وہ رقم آج کے لاکھوں روپے کے برابر ہے۔اس لئے کہ اس زمانے میں ایک روپے کا چار تولے سونا آتا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر سے علیحدگی چاہے تو اسے مہر واپس کرنا ہوگا۔اصل معاملہ یوں ہے کہ بعض اوقات مہر کی رقم بڑی غیر حقیقت پسندانہ لکھ دی جاتی ہے۔مثلاً شوہر کا آبائی گھر،اس کی ساری یا نصف جائیداد وغیرہ۔ پھر جب میاں یا بیوی ایک دوسرے سے علیحدگی چاہتے ہیں تو اس غیر حقیقت پسندانہ مہر کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کو معلق رکھتا ہے۔کیونکہ علیحدگی کی صورت میں اسے اپنی ایک بڑی ملکیت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ایسی صورت میں معاملہ کو حل کرنے کیلئے قرآن مجید ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ''کچھ لو اور کچھ دو'' پر سمجھوتہ کیا جائے اور باہمی رضامندی سے ایسی غیر حقیقت پسندانہ شرطوں کو اعتدال پر لایا جائے۔

اگر نکاح ہو گیا ہے،مگر رخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی ہے تو شوہر کو مہر کا نصف حصہ اپنی بیوی کو دینا ہوگا۔

اگلی بات جس کے ضمن میں قرآن مجید نے براہ راست ہدایت دی ہے وہ یہ ہے کہ کچھ رشتہ داروں اور افراد کا آپس میں نکاح ممنوع ہے۔

جن رشتہ داروں کا آپس میں نکاح ممنوع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے رشتے ہوتے ہیں جن کی بنیاد رحم،محبت اور شفقت کے اعلیٰ ترین جذبات کی بنیاد پر ہونی چاہیئے اور ان میں نفسانی و جنسی خواہشات ومیلانات کا کوئی گزر تک نہیں ہونا چاہیئے۔ان رشتوں میں کسی قسم کی رشک ورقابت کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے۔یہ ہدایت سورہ نور آیت نمبر 23 میں دی گئی ہے اور اس کے مطابق ایک مرد کیلئے اپنی ماں،بیٹی،بہنوں،پھوپھیوں،خالاؤں،بھتیجیوں،بھانجیوں،وہ خواتین جنہوں نے اس مرد کو اپنی چھاتی سے دودھ پلایا ہو۔اس دودھ پلانے والی خاتون کی بچیاں،ساس،سوتیلی بیٹیاں،بیٹوں کی بیویاں،ان سب سے شادی کرنا ممنوع ہے۔اس کے علاوہ یہ بھی ممنوع ہے کہ دو بہنوں یا خالہ اور بھانجی اور پھوپھی اور بھتیجی کو ایک ہی فرد کے نکاح میں جمع کر دیا جائے۔ایک مسلمان مرد کے لئے کسی مشرک عورت سے شادی کرنا منع ہے البتہ ایک مسلمان مرد کسی اہل کتاب (یعنی یہودی یا عیسائی) عورت سے بھی اس صورت میں شادی کر سکتا ہے جب وہ پاک دامن ہو۔ارشاد ہے۔:

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِین اوتوا الکتٰب حلٌ
لَکُمْ وَطَعَامُکُمْ حل لھم والمحصنٰت من المومنٰت
والمحصنٰت من الذین اوتواالکتٰب من قبلکم اذ آاٰتیتموھن
اجورھن محصنین غیر مسٰفحین ولا متحذی اخدانٍ

''اب تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اور تمہاری کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اور شریف عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ میں سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ بشرط یہ کہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو۔ نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو' (مائدہ5، آیت5)

مسلمان خواتین کے لئے کسی بھی غیر مسلم مرد سے شادی کرنا منع ہے۔ ارشاد ہے۔

لاهُنَّ حلُ لهم ولاهم يحلون لهن

''نہ وہ مسلمان عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ (کفار) ان (مسلمان) عورتوں کیلئے حلال ہیں۔'' (الممتحنہ آیت 10)

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

اس موقعہ پر دو سوالات کا جواب ضروری ہے۔ ایک یہ کہ کیا یہ عدم مساوات نہیں ہے کہ مسلمان مرد تو اہل کتاب سے شادی کر سکتا ہے مگر مسلمان عورت اہل کتاب مرد سے شادی نہیں کر سکتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان تو اہل کتاب کے انبیاء اور ان کی کتابوں کی مکمل تعظیم و تصدیق کرتے ہیں۔ اس لئے کسی مسلمان مرد کی طرف سے کسی اہل کتاب عورت کی دل آزاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ اہل کتاب حضورؐ کی رسالت تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے یہ قوی اندیشہ ہے کہ اہل کتاب مرد اپنی مسلمان بیوی کے مذہبی جذبات کی پاسداری نہیں کرے گا۔

درج بالا ہدایت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا جب حضورؐ ان سب لوگوں کو براہ راست مکہ میں تیرہ برس تک دعوت دے چکے تھے۔ اس کے بعد مدینہ میں حضورؐ ایک ریاست بنا چکے تھے اور اس ریاست کو بھی بنے ہوئے سات آٹھ برس گزر چکے تھے۔ گویا اس وقت تک ان تمام لوگوں پر اسلامی دعوت کی بھرپور اتمام حجت ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک خاتون مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر بدستور غیر مسلم ہو تو اس وقت تک اس خاتون کو اپنے شوہر سے رشتہ توڑنے کی ضرورت نہیں جب تک وہ کئی سال کی کوشش کے بعد اس نتیجہ تک نہ پہنچ جائے کہ اس کے شوہر کے قبول اسلام کا کوئی امکان نہیں اور یہ کہ وہ اسلام کا سخت دشمن ہے۔

درج بالا احکام و ہدایات وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید میں بہت واضح الفاظ میں ہدایات نازل ہوئی ہیں۔ اب ہم ان چند مسائل کو لیں گے جو آج کے زمانے کے اعتبار سے بہت اہمیت اختیار کر چکے ہیں:

اس ضمن میں پہلا سوال یہ ہے کہ کہ آج کے معاشرتی حالات میں عورتیں عام طور پر احساس عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ چنانچہ کیا معاہدہ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

نکاح میں ایسی شرائط شامل کی جاسکتی ہیں جن سے ایک بیوی کوتحفظ کا احساس ہو؟ مثلاً یہ کہ شوہر اپنی بیوی کو ماہانہ ایک متعین رقم برائے ذاتی اخراجات دے گا یا اگر بیوی ملازمت کر رہی ہے تو شوہر اسے ملازمت چھوڑنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ بیوی کو علیحدہ رہنے کے لئے گھر دیا جائے گا۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے گا تو اسے اس کے ساتھ ایک متعین رقم دینی پڑے گی۔ شوہر دوسری شادی نہیں کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطابق نکاح ایک آزادانہ معاہدہ ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں ایسی تمام شرائط شامل کی جاسکتی ہیں۔ بلکہ آج کے حالات میں یہ ضروری ہے کہ اس طرح کی شرائط با قاعدہ نکاح میں شامل کی جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کہ حکومت کی طرف سے سرکاری طور پر طبع شدہ نکاح فارم میں ان تمام شرائط کے لیے با قاعدہ کالم بنائے جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بطور مثال ایک ایسا ہی معاہدہ درج کیا جائے۔

ایک نوجوان غیر شادی شدہ ڈاکٹر کی طرف سے ایک ایسی بچی کا رشتہ اس کے خاندان سے مانگا گیا جو اس وقت میڈیکل کالج میں پڑھ رہی ہے۔ لڑکی کے سامنے تمام صورتحال آزادانہ ماحول میں رکھی گئی۔ اس نے نوجوان کو دیکھا اور نوجوان نے اسے دیکھا۔ بچی کی طرف سے منظوری کے بعد درج ذیل معاہدہ طے پایا گیا جسے نکاح کے موقعہ پر نکاح نامے میں بھی درج کیا گیا اور سٹامپ پیپر بھی گواہوں کی موجودگی میں لکھا گیا۔

''ہم اس پروردگار کے اعتماد پر، جس نے انسانوں اور خصوصاً میاں بیوی کے درمیان رحمت ومحبت ڈالی۔۔۔۔۔۔۔۔'' (بچی) کی طرف اور اس کے خاندان کی طرف سے۔۔۔ (نوجوان) کا رشتہ قبول کرتے ہیں اور درج ذیل شرائط طے کرتے ہیں :

۱: حق مہر بیس تولے سونے کے زیورات کی شکل میں فوری طور پر ادا ہوگا۔ اس کے علاوہ دس مرلے کا (فلاں) پلاٹ بھی بچی کے نام منتقل کیا جائے گا۔

۲: رخصتی انشاءاللہ بچی کی ہاؤس جاب کے بعد ہوگی۔

۳: اگر بچی ملازمت کرنا چاہے یا پرائیوٹ پریکٹس کرنا چاہے تو شوہر اور اس کے خاندان کی طرف سے مکمل تعاون کیا جائے گا۔

۴: بیوی جب بھی چاہے گی اسے شوہر کی طرف سے اس کے ساتھ باقی خاندان سے الگ رہنے کے لئے مناسب مکان خوش اسلوبی سے مہیا کیا جائے گا۔

۵: بیوی ہر جائز معاملہ میں اپنے شوہر کی اطاعت کرے گی اور اس کے والدین کا عزت واحترام کرے گی۔ شوہر بھی اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے گا۔ اس کی ہر جائز بات مانے گا۔ اس پر کوئی بے جا پابندی نہیں لگائے گا اور

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

شوہر کے والدین، اس کے بیوی سے ہمیشہ شفقت و محبت کا سلوک کریں گے۔

٦: بیوی کو ہر مہینے تین ہزار روپیہ ذاتی اخراجات کے لئے دئے جائے گے۔

٧: بیوی کے خاندان والے اپنے حالات کے مطابق جو جہیز بھی مناسب سمجھیں گے، دیں گے۔ تاہم اس ضمن میں شوہر کے خاندان کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

٨: پروردگار اس جوڑی کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ تاہم خدانخواستہ شوہر کی طرف سے طلاق کی صورت میں وہ بیوی کو فوری طور پر دو سو تولے سونے کے برابر رقم ادا کرے گا۔

٩: بیوی کی طرف سے خدانخواستہ خلع مانگنے کی صورت میں کوئی شرائط نہیں ہونگی۔ یعنی بیوی پر کوئی بات ثابت کرنے کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ شوہر کی طرف اسے کوئی اضافی رقم نہیں دی جائے گی۔ البتہ بیوی کی طرف سے مہر بھی واپس نہیں کیا جائیگا۔

١٠: شوہر کو دوسری شادی کی اجازت کسی ناگزیز معاشرتی ضرورت سے مشروط ہوگی اور اس کے لئے پہلی بیوی کی آزادانہ تحریری اجازت بھی ضروری ہوگی۔

درج بالا معاہدہ محض بطور مثال درج کیا گیا۔ سب خاندان اپنے اپنے حالات کے مطابق ایسے معاہدوں کو ترتیب دے سکتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ایک خاتون اپنی شادی کے سلسلہ میں فیصلہ کن اختیار کی مالک ہے۔ اور کب وہ اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے یا پھر اس کی شادی اس کا ولی (قریب ترین ذمہ دار بزرگ مرد) کرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک شادی کے ضمن میں سب سے اچھی صورتحال یہ ہے کہ یہ رشتہ ہونے سے پہلے مرد و عورت کے خاندانوں اور خود مرد و عورت میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ اور وہ سب اس رشتہ سے راضی و مطمئن ہوں۔ تاہم اگر ایسی صورتحال نہ ہو تو قانونی طور پر عورت کی مرضی کے بغیر کوئی بھی مرد اس کا نکاح نہیں کر سکتا اور تنازعہ کی صورت میں وہ بھی اس معاملہ میں خود مختار ہے کہ جہاں چاہے اپنا نکاح کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطابق نکاح ایک آزادانہ پختہ معاہدہ ہے جو بنیادی طور پر دو ذی عقل اور معاملہ فہم مرد و عورت کے درمیان وجود میں آتا ہے۔ وہی دونوں اکٹھے زندگی گزارتے ہیں اور وہی تمام ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لازم ہے کہ اس پختہ معاہدے کی انجام دہی میں دونوں کو آزاد تسلیم کیا جائے۔

قرآن مجید نے بہت وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ عورتیں اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے میں خود مختار ہیں اور ان کے اس اختیار میں کسی کو رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے۔ ایک عام خاتون کے لئے تو یہ حق ہے ہی۔ قرآن مجید نے ایک ایسے معاملے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

میں خصوصی طور پر اس کا ذکر کیا ہے جہاں یہ اندیشہ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ خواتین کو نیا رشتہ استوار کرنے سے روکنے کی کوشش کریں گے۔ اور اسے اپنی عزت کا مسئلہ بنالیں گے۔ مثلاً ایک خاتون جسے طلاق دی جا چکی ہے یا جس کا خاوند مر چکا ہے اور خاوند کے خاندان سے سابقہ تعلق کی بناء پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ لوگ اسے نیا رشتہ استوار کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے۔ ارشاد ہے

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

"جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ((three menstrual cycle پوری کرلیں تو پھر اس بات میں رکاوٹ نہ بنو کہ وہ اپنے زیرِ تجویز شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ وہ دونوں معروف طریقے پر باہم نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا۔ اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لانیوالے ہو۔ تمہارے لئے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے" (بقرہ-2، آیت 232)

آگے ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

"تم میں سے جو لوگ مر جائیں۔ ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن روکے رکھیں۔ پھر جب یہ مدت پوری ہو جائے تو انہیں اپنی ذات کے معاملے میں اختیار ہے کہ معروف طریقے سے جو چاہیں کریں تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں "(بقرہ-2، آیت 234)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

درج بالا آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نکاح کے معاملے میں عورت کی مرضی ہی فیصلہ کن ہے۔ اگر اس معاملے میں کسی اور کی رائے فیصلہ کن ہوتی تو اتنی اہم بات کا ذکر لازماً قرآن مجید کرتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ طلاق کے ایک خاص معاملہ میں بھی قرآن مجید نکاح کرنے کا حق واضح طور پر عورت ہی کو دیتا ہے۔ اس خاص معاملے کی تفصیل آگے آئے گی۔ ارشاد ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهُمَا لِقَومٍ يَعْلَمُون۔

''پھر اگر وہ مرد (ان دو طلاقوں کے بعد) اس عورت کو طلاق دے تو اس کے بعد وہ عورت اس کیلئے جائز نہیں ہے۔ آنکہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) اسے طلاق دے دے تو پھر ان دونوں (یعنی پہلے شوہر اور اس مطلقہ خاتون) پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ رجوع کر لیں۔ (یعنی آپس میں ایک دفعہ پھر نکاح کر لیں)۔ بشرطیکہ وہ توقع رکھتے ہوں کہ اللہ کے حدود پر قائم رہ سکتے ہیں۔'' (بقرۃ-2، آیت-230)

قرآن مجید کے اس واضح بیان کے بعد جب ہم ذخیرہ روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمیں دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں۔ وہ روایات بھی جن میں حضورؐ نے واضح طور پر عورت کو اختیار دیا کہ وہ اپنی شادی کے سلسلہ میں خود مختار ہے اور ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے کچھ مختلف معنی نکلتے ہیں۔ پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے۔ اس کے مطابق

"حضرت ابوھریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: بیوہ عورت کا نکاح اس سے مشورہ لئے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس سے اجازت کے کیا معنی؟ (یعنی اگر کنواری نوجوان لڑکی شرم وحیا کی وجہ سے زبان سے ہاں کا لفظ نہ نکال سکے تو؟) آپؐ نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا (ہاں کہنے کے مترادت ہے)۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

درج بالا حدیث سورۃ بقرہ آیات 232 اور 234 کی بالکل واضح تشریح کر رہی ہے۔ اور واضح طور پر بتا رہی ہے کہ بیوہ عورت اور کنواری دونوں کی اجازت ان کے نکاح کے معاملے میں فیصلہ کن ہے۔

دوسری حدیث صحیح مسلم کی ہے۔ یہ روایت یوں ہے۔

"شوہر دیدہ عورت اپنے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے کہ خود فیصلہ کرے اور کنواری سے بھی اجازت لینی ضروری ہے (ایک اور راویت کے الفاظ ہیں: کنواری سے اس کا والد اجازت لے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے:) (صحیح مسلم کتاب النکاح)

گویا ایک نو جوان کنواری بچی کی اپنی کوئی ترجیح نہ ہو۔ بالفاظ دیگر وہ شرم وحیا کا پیکر ہو۔ تب بھی یہ لازم ہے کہ اس سے اجازت لی جائے اور اسی کی بات فیصلہ کن ہوگی۔

تیسری روایت نسائی اور مند احمد کی ہے اس روایت کے مطابق

"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک لڑکی نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسولؐ میرے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ میرا بیاہ صرف اس لئے کر دیا ہے کہ میرے ذریعے سے اس سے دولت نکالے۔ آپؐ نے نکاح (کو برقرار رکھنے یا منسوخ کرنے) کا حق لڑکی کو دیا۔ لڑکی نے کہا: میرے والد نے جو کچھ کیا میں اُسے جائز قرار دیتی ہوں۔ میری خواہش صرف یہ تھی کہ عورتیں جان لیں کہ اس معاملے میں باپوں کو اختیار حاصل نہیں ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد: کتاب النکاح)

یہ حدیث اس بارے میں بہت واضح ہے کہ فیصلہ کن اختیار باپ کا نہیں بلکہ خود لڑکی کا ہے۔

''ایک لڑکی حضورؐ خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: میرے باپ نے ''میرا نکاح ایک مرد سے کر دیا ہے اور میں اُسے ناپسند کرتی ہوں۔ آپؐ نے باپ سے فرمایا کہ تمہیں نکاح کا اختیار نہیں ہے پھر لڑکی سے فرمایا: جاؤ جس سے تمہارا جی چاہے نکاح کرلو''۔ (نصب الرایہ۔ کتاب النکاح)

اس موضوع پر مزید روایات بھی موجود ہیں۔ مگر طوالت اور تکرار کی وجہ سے ان تعرض نہیں کیا جا رہا۔

اب ہم ان روایات کو لیتے ہیں جن سے قرآن مجید وحدیث کے درجہ بالا حوالوں سے مختلف بلکہ متضاد معنی نکلتے ہیں۔

پہلی روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ کی ہے اس روایت کے مطابق:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

''رسول اللہؐ نے فرمایا: ولی کے بغیر نکاح نہیں۔'' (ابوداؤد۔ابن ماجہ۔کتاب النکاح)

اگر اس روایت کو اپنے ظاہری اور لفظی معنوں میں لیا جائے تو یہ قرآن کی تمام تصریحات اور بکثرت احادیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے مطابق عورت تو کیا ایک مرد کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اس کا ولی اس کے نکاح کی منظوری دے۔ بصورت دیگر نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان معنوں میں تو یہ روایت قطعاً ناقابل قبول ہے۔

البتہ اس روایت کو ترغیب اور حسن معاشرت کے لحاظ سے ایک نصیحت کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے حضورؐ نے فرمایا: ''عہد کی پاسداری کے بغیر کوئی اسلام نہیں''۔ اس روایت سے یہ معنی نہیں نکلتے کہ عہد ی خلاف ورزی کرنے والا خارج از اسلام ہے۔ بلکہ اس طرز بیان سے اصل مقصود یہ تنبیہ ہے کہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیئے۔ درج بالا روایت بھی اسی نوعیت کی نصیحت ہے۔ کہ اصل نکاح کی اصل روح تو اسی نکاح میں ہے جس میں شوہر اور بیوی اور دونوں خاندانوں کے بزرگوں کی رضامندی شامل ہو۔

دوسری روایت ابوداؤد و ترمذی کی ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

> ''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے۔ اس کا باطل ہے۔ پس اگر جھگڑا ہو تو جس عورت کا ولی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہے۔''
> (ابوداؤ، ترمذی، کتاب النکاح)

واضح رہے کہ یہ روایت خود ابوداؤد اور ترمذی کے مطابق ایک کمزور روایت ہے۔ یہ حدیث زہری سے روایت ہوئی ہے اور جب خود زہری سے اس کی بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے اس حدیث سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ (کتاب الفقہ علیٰ مذاھب الاربعہ جلد چہارم صفحہ -89) یہ حدیث اپنے ظاہری معنی میں قرآن مجید کی واضح ہدایت کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے اس سے کوئی دلیل نہیں لائی جا سکتی۔

تیسری روایت بیھقی کی ہے۔ اس کے لئے الفاظ یہ ہیں۔

> ''ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ایک عورت دوسری عورت کی نکاح نہ کرے۔ اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔'' (السنن الکبریٰ للبیھقی)

اس روایت کا پہلا حصہ عقل اور دوسرا خلاف قرآن ہے۔ پہلا حصہ اس لحاظ سے خلاف عقل ہے کہ اگر ایک بیوہ عورت کی صرف لڑکیاں ہوں اور اس کے نزدیکی رشتہ دار نہ ہوں تو بھلا وہ اپنی بچیوں کی شادی کیسے کرے گی؟ رہا دوسرا حصہ تو اس بارے میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

قرآن مجید کی صاف ہدایت ہے کہ ''اس بات میں رکاوٹ نہ بنو کہ وہ عورتیں اپنے زیرِ تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ دونوں معروف طریقہ پر باہم نکاح کرنے راضی ہوں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا'' (بقرہ آیت: 232)

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا باپ دادا اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا اسلام کے احکام کے منافی ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی صریح ہدایت کے مطابق بلوغ کے بعد ہی نکاح کی عمر شروع ہوتی ہے۔ سورۃ نساء میں یتیموں کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے ارشاد ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔

''اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ حدِ انصاف سے تجاوز کر کے اس خوف سے ان کے مال جلدی جلدی کھا جاؤ۔ کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں گے۔'' (نساء -4، آیت-6)

تاہم اس ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ بعض صحیح روایات کے مطابق نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔ اگر ایسا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نابالغ لڑکی کا نکاح بھی اس کے والدین کر سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سترہ سال اور رخصتی کے وقت انیس برس کی تھی۔ اس موضوع پر سرگودھا کے ایک جید عالم دین جناب حکیم نیاز احمد نے تحقیق کے بعد اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''تحقیق عمر عائشہ صدیقہؓ'' شائع کی ہے جو ''مشکورا کیڈمی F-89 بلاک نمبر-2 پی ای سی ایچ ایس کراچی-29 کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس عظیم تحقیقی کاوش کا خلاصہ جناب خالد مسعود نے ''تدبر'' جولائی 1984ء میں پیش کیا ہے۔ اگر چہ یہ بہت مشکل اور ٹیکنکل اور ثقیل بحث ہے۔ تاہم چونکہ یہ آج کے حوالے سے بہت اہم ہے اس لئے اسے ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے پہلے حصہ میں ان تمام روایات پر جرح کی ہے جو ام المومنین کو کم عمر بتاتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

روایت جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ، سب نے بیان کی ہے۔ وہ تزوج عائشہ کی یہ روایت ہے کہ:

نکح النبی عائشۃ وھی بنت سنین وبنیٰ لھاوھی بنت تسع سنین ومات عنھا وھی بنت ثانی عشر

''آنحضرتؐ نے عائشہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب وہ چھ برس کی تھیں۔ ان کی رخصتی کرائی جب وہ نو برس کی تھیں اور وہ اٹھارہ برس کی تھیں جب حضورؐ کا انتقال ہوگیا۔''

یہ ایک ایسی روایت ہے جس کے واحد راوی تمام معتبر کتب حدیث میں ہشام بن عروہؒ ہیں۔ جو اپنے والد عروہ بن الزبیرؓ سے اسے روایت کرتے ہیں۔ نہایت فاضلانہ بحث کے بعد مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس نادر روایت کا ۱۴۵ھ سے پہلے کوئی راوی نہ تھا۔ اسی لئے وہ تمام کتب حدیث جو اس سے قبل مرتب ہوئیں اس روایت سے خالی ہیں۔ ہشام بن عمرؒ کی ساری عمر مدینہ میں گزری لیکن وہاں کے حفاظ حدیث نے ان سے یہ روایت بیان نہیں کی اس کے برعکس گیارہ حفاظ حدیث جو تمام تر عراقی ہیں، ہشام سے اس روایت کے ذمہ دار ہیں اور انہی کی روایت کتب حدیث میں نقل ہوئی ہے۔ ہشام نے عراق کا ایک سفر ۱۴۵ھ میں ۸۴ برس کی عمر میں کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت وہ یہ روایت زبان پر لائے جسے عراقیوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس وقت اس روایت کی غلطی پر گرفت کرنے والے یا متبادل معلومات فراہم کرنے والے دنیا میں موجود نہ تھے۔ اس لیے عمر عائشہؓ کے بارے میں ہشام کے بیان کو حرف آخر تسلیم کرلیا گیا اور جب اس روایت نے صحاح میں راہ پالی تو گویا اس کو قبول عام حاصل ہوگیا۔ اس سے الگ ہوکر تحقیق کی کسی نے زحمت گوارا نہ کی۔ اس طرح کی روایتیں بظاہر ہشام کی روایت کی شاہد معلوم ہوتی ہیں لیکن جرح وتعدیل سے کام لیا جائے تو ثابت ہوجاتا ہے۔ کہ یہ تمام اسناد تدلیس کا شاہکار ہیں۔ فاضل مصنف نے تمام کتب حدیث کی ایک ایک سند پر بحث کرکے دکھایا ہے کہ ان میں انقطاع اور تدلیس پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض راوی بالکل غیر ثقہ، کذاب اور وضاع ہیں۔

فاضل مصنف نے ان تمام روایات کو بھی پرکھا ہے جن سے حضرت عائشہؓ کی کم عمری کا تاثر ملتا ہے۔ مثلاً صحاح میں حضرت عائشہؓ کا یہ بیان کہ میرے ساتھ گڑیاں کھیلنے کے لئے اڑوس کی پڑوس چھوکریاں آجاتی تھیں۔ مصنف کی تحقیق میں یہ روایت بھی ہشام ہی سے مروی ہے۔ ایک مستقل روایت ہے جس میں حضرت عائشہؓ کی مکی زندگی کے اس دور کا بیان تھا۔ جب وہ فی الواقع کم عمر کی تھیں۔ لیکن اس تزوج والی حدیث کے ساتھ مربوط کردیا گیا تاکہ اس کا بیان حقیقی نظر آئے۔ اگر یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ کی یہ سہیلیاں غیر معروف نہ ہوتیں بلکہ تاریخ کا ایک حصہ بنتیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

عید کے موقع پر دو لونڈیوں کے جنگ بعاث کے گانے گانے اور حضرت عائشہؓ کے حبشیوں کے جنگی کرتب دیکھنے کی روایات کے بارے میں مصنف کی رائے یہ ہے کہ ان سے ام المومنین کا بچپن کا کھلنڈرا پن ثابت ہی نہیں ہوتا۔ نیز راویوں نے ان میں تلفیق کی ہے۔ یعنی مختلف موقعوں کی باتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ جس سے ان واقعات پر ایک ایسا رنگ چڑھ گیا ہے جو ان کی اصل ماہیت کو واضح نہیں ہونے دیتا۔ مصنف نے اس بات کے بکثرت شواہد پیش کیے ہیں کہ بعض راویوں نے اپنی طرف سے اصل روایات پر اضافے کر کے ان کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک راوی عبدالرزاق کو خاص طور پر ذمہ دار گردانا ہے۔ انہی عبدالرزاق کو فاضل مصنف نے واقعہ افک کی روایت میں ان جملوں کے اضافے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کو کم عمر، کم عقل، غافل اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرتے ہیں۔

تزوج عائشہؓ کی روایت میں ضعف کے پہلو بیان کرنے کے باوجود فاضل مصنف نے حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ ہشام کی روایت میں نکاح اور رخصتی کی عمر میں چھ اور نو کے عدد کے ساتھ عشرہ یا عشرین یعنی دہائی کے ہندسے بھی رہے ہوں گے۔ یعنی عمر بوقت نکاح ۱۶ یا ۲۶ اور بوقت رخصتی ۱۹ یا ۲۹ برس بیان کی گئی ہوگی۔ لیکن نقل کرتے وقت دہائی کے یہ ہندسے لکھنے سے رہ گئے۔ بعد میں اس غلطی پر اور ردے چڑھادئے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ اور ان کی کم عمری لازم وملزوم بن گئی۔

کتاب کے دوسرے حصے میں فاضل مصنف نے وہ قرآئن جمع کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رخصتی کے وقت ام المومنین کی عمر ۲۹ سال یا کم از کم ۱۹ سال تھی۔ اگرچہ خود مصنف یہ رائے رکھتے ہیں کہ عمر کا تعین ہمیں نہیں کرنا چاہیئے ۔ یہ ثابت کرنا کافی ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ سن رشد کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اس کے قرائن وشواہد درج زیل ہیں:

ا: سیرت ابن ہشام میں محمد ابن اسحاق، جو ہشام بن عروہ کے ہم عصر ہیں کی روایت سے قبول اسلام میں سبقت کرنے والوں کی فہرست دی گئی ہے۔ اس کے مطابق حضرت عائشہؓ نبوت کے پہلے سال میں اپنی بہن اسماءؓ کے ساتھ ایمان لائیں۔ قسطلانی کی مواہب لدنیہ، زرقانی کی شرح مواہیب اور حیات سید العرب میں بھی ان کو سابق الایمان افراد میں شمار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ 1ء نبوی میں یہ اسلام لانا سن شعور میں ہونا چاہیئے۔ اگر دودھ پیتی بچی تھیں تو ایمان لانے کی مکلّف نہ تھیں۔

ب: سورۃ قمر کی آیت بل الساعة موعدهم کے بارے میں ان کی روایت موجود ہے کہ اس کا نزول مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ سورۃ قمر کا زمانہ نزول ۴ء نبوی ہے گویا اس وقت وہ عمر کے اس دور میں تھیں جس میں آدمی چیزوں میں امتیاز کرنے کے قابل ہوتا ہے اور ان کو یاد بھی رکھ سکتا ہے۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ج: صحیح بخاری میں ہجرت حبشہ کی روایت حضرت عائشہؓ سے ہے۔اس روایت میں وہ اسلام کے تیرہ سالہ دور پر جامع تبصرہ کرتی اور چشم دید واقعات بیان کرتی ہیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جس ہجرت حبشہ کا ذکر اس روایت میں ہے وہ سنہ ۵ نبوی میں پیش آئی ہے۔ظاہر ہے کہ ایک عاقل و بالغ آدمی ہی اپنے مشاہدات اس تفصیل سے بیان کر سکتا ہے۔لہٰذا سنہ ۵ نبوی میں ام المومنین کی عمر ایسی ہونی چاہیئے جس میں آدمی معاملات سمجھتا اور گہرے مشاہدہ پر مبنی رائے دینے کے قابل ہوتا ہے۔

د: حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضورؐ کو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ آپ کو گھر سنبھالنے کے لئے کوئی خاتون موجود ہوں ۔اس مسئلہ کے حل کے لئے حضرت خولہؓ بنت حکیم نے آپ کے لئے دو رشتے تجویز کئے ۔ایک حضرت سودہ کا اور دوسرا حضرت عائشہؓ کا۔اس وقت اگر حضرت عائشہؓ چند برس کی بچی ہوتیں تو خولہ کی یہ تجویز انتہائی غیر موزوں ہوتی۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو خانگی ذمہ داریاں اٹھانے والی بیوی کی ضرورت تھی نہ کہ گڑیوں سے کھیلنے والی ایک بچی کی۔خولہؓ کی تجویز جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کی گئی تو اس کے جواب میں انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ عائشہ حضورؐ کے بھتیجی کے حکم میں ہیں ۔ یہ نکاح کے لئے کیسے موزوں ہو سکتی ہیں۔اگر حضرت عائشہؓ اس قدر بچی ہوتیں تو حضرت ابوبکرؓ کا معقول عذر یہ ہوتا کہ آنحضرتؐ کے گھر کی ذمہ داریاں یہ بچی کیسے سنبھال سکتی ہے۔

ھ: مسند احمد میں حضر عائشہؓ کے نکاح کی تجویز کا مفصل بیان ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے حضرت عائشہؓ کا نکاح جبیر بن مطعم بن عدی سے ہو چکا تھا۔جبیر اسلام کا سخت دشمن تھا۔خلاف عقیدہ کی بنا پر مطعم بن عدی لڑکی کی رخصتی کروانے سے گریز کر رہے تھے جب خولہؓ نے آنحضرتؐ کے لئے حضرت عائشہ کا رشتہ تجویز کیا۔تو حضرت ابوبکرؓ مطعم کے پاس گئے اور رخصتی کے بارے میں دوٹوک فیصلہ کرنے کو کہا اس خاندان کو اسلام سے جو کد تھی اس کی بنا پر انہوں نے معذوری ظاہر کی چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حسن تدبیر سے جبیر سے طلاق دلوائی۔اس طرح حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے نکاح کے لئے آزاد ہو گئیں،اس زمانے میں جبیر جوان آدمی تھا اور اسلام کے خلاف سازشوں میں حصہ لیتا تھا۔نیز وہ رئیس مکہ کا بیٹا تھا جس کے لئے جوان رشتوں کی کمی نہیں تھی۔ایسا کوئی سبب موجود نہیں کہ وہ ایک چند سالہ بچی کے ساتھ نکاح کے لئے آمادہ ہو گیا ہو۔جس کی بلوغت کے انتظار میں اسے مزید دس گیارہ برس تجرد کی زندگی گزارنی پڑی۔لہٰذا جبیر کا نکاح بھی حضرت عائشہؓ سے بلوغت کے بعد ہی ہوا ہو گا جو عرب کا معروف طریقہ تھا۔

و: طبقات ابن سعد میں ہجرت مدینہ کا واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان ہوا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کہ مدینہ آنے کے بعد جب کچھ عرصے تک آنخضرتؐ نے رخصتی نہیں لی تو حضرت ابوبکرؓ نے خود پوچھا کہ رخصتی لینے میں کیا امر مانع ہے۔آنخضرتؐ نے جواب میں نے یہ نہیں کہا کہ میں بچی کی بلوغت کا انتظار کرر ہا ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ میرے پاس مہر میں دینے کے لئے رقم نہیں ہے۔گویا حضرت عائشہؓ کے بچپنے کا کوئی مسئلہ اس وقت نہ تھا۔

ز: کتب حدیث میں یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ سنہ ا میں جب بہت مہاجرین بیمار پڑ گئے تو حضرت عائشہؓ ان میں سے بعض کی عیادت کو گئیں۔واپس آ کرانھوں نے آنخضرتؐ کے سامنے ان کی حالت کی صحیح تصویر کشی کی اوران کی زبانوں سے جوحسب حال اشعار سنے تھے وہ بھی سنائے۔ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کسی نوسالہ بچی کے بس میں نہیں ہوتا۔

ح: بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ غزوہ بدر واحد میں موقع جنگ پر موجود تھیں۔اور سخت ترین حالات میں انہوں نے زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت سرانجام دی۔ان غزوات میں نابالغ لڑکوں کوتو شرکت سے روک دیا گیا تھا۔آخر کیا سبب تھا کہ حضرت عائشہؓ کی کم سنی اس مین رکاوٹ نہ بنی۔اورانہوں نے کام بھی وہ کئے جو بڑوں کے کرنے کے تھے۔لہٰذا کم سنی کا قصہ ہی خلافِ حقیقت ہے۔

ط: آپؓ انساب کی ماہر تھیں جوحضرت ابوبکرؓ کا خاص فن تھا۔نیز آپ کو اشعار بکثرت یاد تھے۔جن کو وہ برمحل استعمال کرتی تھیں۔انساب اوراشعار میں اس مہارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں اپنے والد سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا بھرپور موقع میسر آیا ہو۔اگر وہ گڑیا کھیلتی آنخضرتؐ کے گھر آ گئی تھیں تو یہ فنی کمال انہیں کہاں سے حاصل ہو گیا اوراس تربیت کا زمانہ کون سا ہے۔

ی: احکام دین کی مصلحتوں،حکمتوں اوران کے ارتقا سے جس قدر باخبر آپ ہیں اتنا باخبر کوئی نہیں۔ان کی فقیہا نہ آرا سے کتب حدیث بھری ہوئی ہیں۔کیا یہ فکری گہرائی اور گیرائی ایک کم سن بچی کی ہوسکتی ہے۔ماننا پڑے گا کہ آنخضرتؐ کے ساتھ رفاقت کے دور سے پہلے حضرت عائشہؓ ذہنی وفکری اعتبار سے نہایت پختہ ہو چکی تھیں۔اور عمر کے اس حصہ میں تھیں جب ان کی فکری صلاحیتیں عروج پر تھیں۔اس لیے وہ ہر معاملہ کو اس کے صحیح سیاق وسباق میں سمجھنے کے قابل ہوئیں اوراپنی صائب آراء سے اُمت کو فائدہ پہنچایا۔

اس فاضلانہ تصنیف میں علم حدیث سے متعلق بعض اہم مباحث بھی ملتے ہیں اس میں ایک قابل قدر بحث میں روایت حدیث کے اصول بیان ہوئے ہیں۔مصنف کے نزدیک تزوج عائشہؓ کے بارے میں ہشام کی روایت ان اصولوں پر پوری نہیں اترتی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مصنف نے صدر اول میں علم وحدیث کے ارتقاء کے ادوار بھی متعین کئے ہیں ۔ان کی تحقیق کے مطابق تابعین اور تبع تابعینکے زمانے میں روایات کو پرکھنے کا رجحان تو پایا جا تا تھا لیکن نقد حدیث با قاعدہ فن ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔اس لیے اس دور میں روایات میں بکثرت تلفیق ہوئی۔یعنی مختلف روایتیں باہم گڈ مڈ ہوگئیں۔نقد حدیث کا فن نہ ہونے کے باعث حدیث کی ابتدائی کتابوں مثلاً موطا امام مالکؒ اور مسند امام ابی حنیفہؒ میں مرسل روایات بکثرت موجود ہیں اور ان ائمہ نے مرسلات ثقہ کی صحت کو تسلیم کرلیا۔نقد حدیث کا فن ۱۸۰ھ کے بعد وجود میں آیا اور صحاح کی تدوین میں اس سے کام لیا گیا لیکن اس سے پہلے کی روایات میں جو تلفیق ہوچکی تھی وہ ثقہ کی روایت کی حیثیت سے صحاح میں بھی برقرار رہی۔

زیر نظر کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ ایک ذہین قاری اس سے تحقیق حدیث کا طریق کار بھی سیکھ سکتا ہے۔ام المومنین کی عمر کی تحقیق کی خاطر مصنف نے کس طرح ذخیرہ حدیث کو کھنگالا، راویوں کی جرح وتعدیل کے لئے کون سے وسائل اختیار کئے۔روایتوں کے اصل مضمون تک کسی طرح رسائی حاصل کی۔راویوں کے اضافوں کا سراغ کیسے لگایا اور کس طرح ان راویوں کا تعین کیا جوان اضافوں کا باعث بنے، یہ معلومات کتاب کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہیں جس سے تحقیق حدیث کی عملی تربیت ہوتی ہے۔

فاضل مصنف اس گراں قدر تصنیف پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔انہوں نے ام المومنین کی حیثیت ہی کو واضح نہیں کیا بلکہ دراصل ان خلاف واقعہ باتوں کی بیخ کنی کی ہے جن کو دشمنان اسلام نے رسول اللہ ﷺ پر طعن کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔اس دور میں ایسی کتاب کی ضرورت تھی جسے جناب حکیم نیاز احمد صاحب نے پورا کردیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

اسی ضمن میں ایک اور سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات بعض خاندانوں میں بچوں کے متعلق کمسنی میں ہی ایک وقول وقرار طے پا جاتا ہے۔تو کیا بڑے ہوکر ایسے بچوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چونکہ نکاح ایک بالغ مرد اور ایک بالغ عورت کے درمیان آزادانہ معاہدہ ہے۔اس لئے ان کے متعلق کسی اور کا قول قرار ان کو پابند نہیں کرتا۔وہ خود اس کا احترام کریں اور قبول کریں تو الگ بات ہے۔تاہم قانونی طور پر وہ اس کے پابند نہیں۔چونکہ اس غلط رواج کے مفاسد لوگوں نے اپنے تجربات سے دیکھ لئے ہیں اس لئے اب یہ طریقہ آہستہ آہستہ ختم ہورہا ہے۔آج کے حالات میں یہ ضروری ہے کہ بچپن کا نکاح اور منگنی دونوں کو ریاست کی سطح پر غیر قانونی قرار دیا جائے۔

چوتھا سوال یہ کہ کہ کیا میاں بیوی کے اس رشتے میں بیوی وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کرسکتی ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام حالات میں اسے یہ اجازت نہیں۔یہ اس معاہدے کی بنیادی روح کے خلاف ہے جو مرد وعورت کے درمیان ہوا ہے۔یہ دونوں ایک دوسرے کے پاس سکون تبھی حاصل کرسکتے ہیں جب ان کے درمیان مضبوط جنسی تعلق ہو۔قرآن مجید کے مطابق ایک بیوی ایک بیوی اپنے شوہر کے لئے قانتہ یعنی فرمانبردار ہونی چاہئیے۔اسی لئے صحیح بخاری کی ایک روایت کے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مطابق حضورؐ نے فرمایا:

''اگر عورت مرد کی خواہش پوری نہ کرنے کے ارادے سے ایک رات بھی اس سے احتراز کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ شوہر کی طرف ملتفت ہو جائے''۔

ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا:

''مومن کے لئے خوفِ خدا کے علاوہ ایک اچھی بیوی سے بہتر کوئی نعمت نہیں۔ جو اس کی اطاعت کرتی ہے۔ اس کا مسکرا کر استقبال کرتی ہے۔ اگر وہ کچھ طلب کرے تو اس کو انکار میں جواب نہیں دیتی اور اس کی عدم موجودگی میں اپنی آبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔''

اگر عورت کی طبیعت ٹھیک نہ ہو۔ وہ بیمار ہو یا اُسے کوئی نفسیاتی مسئلہ درپیش ہو تو وہ بالکل الگ بات ہے۔ ایسے حالات میں اسلام مرد کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی ان تمام کیفیات کا خیال رکھے۔ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور اسے تنگ نہ کرے۔ گویا یہ ان دونوں کی زندگی کا ایسا پہلو ہے جس میں دونوں کو ایک دوسرے کو خیال رکھنا ہے اور ان دونوں کے لئے حد درجہ پرائیوٹ ہے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ اول بدل یا وٹے سٹے کی شادی (جس کو عربی میں نکاح شغار کہا جاتا ہے) کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اپنی حقیقت میں ایک دھوکہ ہے۔ جس سے قرآن مجید نے واضح الفاظ میں منع کیا ہے اور اسی لئے رسول اللہؐ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔ اس کی ہر صورت ناجائز ہے۔ اس سے ہر کسی کو احتراز کرنا چاہیئے اور ریاستی سطح پر اس کے خلاف قانون سازی ہونی چاہیئے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ کیا کسی خاتون کی قرآن مجید سے شادی کروائی جا سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے رسوم ورواج اسلام کے لئے قطعاً اجنبی ہیں۔ بلکہ یہ بدترین جرم ہے۔ نکاح تو قرآن کے مطابق صرف مرد و عورت کے درمیان ہی ممکن ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی چیز سے مرد و عورت کا نکاح ممکن نہیں۔

اگلا سوال یہ ہے کہ کیا اسلام میں مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کا حق ہے اور اگر ہے تو اس کی حکمت کیا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں؟

قرآن مجید کے مطابق ایک مرد کے لیے یہی بہتر طریقہ ہے کہ وہ صرف ایک عورت سے شادی کرے۔ اسی لیے پروردگار نے دنیا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

میں مردوں اورعورتوں کی تعداد تقریباً برابر رکھی ہے۔ خدا نے آدم کے لیے ایک ہی بیوی پیدا کی۔ یہ بات بھی عین فطرت کے مطابق ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت مل کر اپنا گھر بنائیں۔ ارشاد ہے:

هُوَالَّذِی خَلَقَکُم مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَازَوجَهَالِيَسْكُنَّ الِيهَا فَلَمَّاتَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمَلاً خَفِيفافَمَرَّت بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقُلَتْ دَعَوَااللهَ رَبَّهُمالِئِن اٰتَيْتَنَاصَالِحًالَّنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ۔

’’ وہ اللہ ہی جس نے تم (مرد و عورت) کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے ان کا جوڑ ابنایا۔ تا کہ اس (مرد و عورت) میں سے ہر ایک دوسرے کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب شوہر نے بیوی سے قربت ی تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی پروردگار سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح وسالم اور نیک اولاد دے دی تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے‘‘ (اعراف-7، آیت-189)

تاہم اگر معاشرتی صورت حال کچھ ایسی ہوجائے مثلاً جنگ کے نتیجے میں بے شمار بیوائیں اور یتیم بچے معاشرے میں بے سہارا ہو جائیں یا کسی مرد کے ہاں اس کے بیوی سے اولاد ہی نہ ہو تو ایسے حالات میں مرد، پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرسکتا ہے۔ لیکن ان حالات میں قرآن مجید نے دو شرائط لگائیں۔ ایک یہ کہ مرد اپنی بیویوں کے درمیان انصاف کر سکے اور دوسری یہ کہ چار کی تعداد سے زیادہ شادیاں نہیں کی جاسکتیں۔

قرآن مجید میں جس مقام پر یہ اجازت آئی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ریاست مدینہ پر قریش کے مشرکین کی طرف سے دوسرے حملے جسے جنگ احد کہا جاتا ہے کے نتیجے میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ اور بہت سے بچے بچیاں یتیم ہوگئیں۔ چنانچہ مسئلہ پیش آ گیا کہ یہ یتیم بچے بغیر باپ کے پرورش پاتے رہیں۔ تو ان کی حق تلفی اور محرومی کا اندیشہ ہے کیونکہ ایک نوجوان عام طور پر بچوں والی بیوی سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس لیے قرآن مجید نے لوگوں کو یہ مسئلہ اس طریقہ سے حل کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کی:

وَاِنْ خِفْتُم اَلَّاتُقْسِطُوا فِی الْيَتٰمٰی فَانْكِحُوامَاطَابَ لَكُم مِنَ النِساۤءِ مَثْنىٰ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُم اَلَّاتَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً اَوْ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنیٰ اَلَّا تَعُولُوا۔

''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (جنگ احد میں شہید ہونے والوں) کے معاملے میں انصاف نہ کرسکو گے تو (ان بیوہ) عورتوں میں سے جو تمہارے لیے جائز ہوں ان میں سے دو، تین، یا چار تک نکاح کرلو۔ اور اگر ڈر ہو کہ ان کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو''

(نساء۔4 آیت:3)

آگے ارشاد ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا۔

''بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرزِ عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''

(نسا-4، آیت 129)

گویا ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت تو ہے مگر یہ کوئی کھلا لائسنس نہیں کہ جب چاہا ایک بیوی گھر میں لا کر بسا دی۔ بلکہ اس ضمن میں دو شرائط بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ ایسا صرف ناگزیر معاشرتی حالات میں کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری یہ کہ سب بیویوں کے درمیان حتی الامکان عدل اور انصاف لازم ہے۔

یہاں آج کے حالات کے لحاظ سے ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ موجودہ مسلمان معاشروں میں اس اجازت سے اس کی روح کے خلاف غلط فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ لوگ بغیر کسی مناسب وجہ کے ایک سے زیادہ شادیاں کر لیتے ہیں اور ایسا کرنے کے بعد دونوں بیویوں کے درمیان عدل سے کام بھی نہیں لیتے بلکہ عموماً حق تلفی سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے حالات میں کیا ایک مسلمان ریاست کو یہ اختیار ہے کہ وہ معاشرے کو ظلم و ستم سے بچانے اور عورتوں کے حقوق کی خاطر مناسب قانون سازی کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مسلمان ریاست کو ہر وہ قانون سازی کرنے کا اختیار ہے جس کے ذریعے وہ ظلم و بے انصافی کو روک

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

سکتی ہو۔ معاشرے میں عدل کا قیام اور بے انصافی کا خاتمہ ایک مسلمان حکومت کے لئے فرض اولین ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں کئی مقامات پر بہت واضح الفاظ میں آئی ہے۔ (مثلاً سورہ نساء آیت-54 اور سورہ حج آیت-41)۔ چنانچہ آج کے حالات میں یہ ضروری ہے کہ ایسی قانون سازی کی جائے جس کے مطابق جب ایک مرد جب دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنا چاہے تو عدالت سے اس کی پیشگی اجازت لے۔ تاکہ وہ عدالت میں یہ ثابت کرے کہ اس کی ناگزیر معاشرتی حالات کے پیش نظر اس کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ اس موقعہ پر عدالت ایک باقاعدہ آرڈر کے ذریعے اسے اس بات کا پابند کرے کہ وہ عملی طور پر کس طرح سب بیویوں کے درمیان تمام حقوق کے ضمن میں انصاف سے کام لے گا۔ اور اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرے گا تو اسے سزا دی جائے گی اور اسے یہ حقوق دینے پر مجبور کیا جائیگا۔

اس کے ساتھ ساتھ خواتین میں یہ شعور بیدار کرنا ضروری ہے کہ وہ معاہدہ نکاح میں اس شرط کو شامل کرسکتی ہیں کہ خاوند مزید شادیاں نہیں کرے گا یا پھر مزید شادیوں کی صورت میں اس پر کچھ خاص پابندیاں عائد ہونگی۔

یہاں ایک سوال یہ بھی ذہن میں اٹھ سکتا ہے کہ کہ اگر مرد کو مخصوص حالات میں چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو عورت کو کیوں یہ اجازت نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مرد و عورت کے اس رشتے میں ایک چھوٹی سی مملکت کا سربراہ مرد ہے۔ جس طرح کسی ریاست کے ایک سے زیادہ سربراہ نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح ایک گھر میں دو خاوند نہیں ہوسکتے۔ جہاں تک بعض مخصوص صورتوں کا تعلق ہے مثلاً یہ کہ خاوند azoospermic ہے۔ وہاں بیوی چاہے تو اس سے علیحدگی اختیار کرسکتی ہے اور ایسے مرد کے لئے بھی یہ بہت مناسب ہے کہ وہ کسی بچوں والی بیوہ سے شادی کرلے۔ تاہم یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ عورت کے دل میں قدرت نے وفاداری، ہمدردی اور قربانی کا ایسا عظیم جذبہ رکھا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ عموماً ایسے مرد کو کبھی چھوڑتی نہیں بلکہ اس کی خدمت میں اسے اطمینان قلب اور خوشی ملتی ہے۔

اسلام کے مطابق میاں بیوی کا رشتہ مقدس اور بہت اہمیت کا حامل رشتہ ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ یہ رشتہ ہر ممکن حد تک برقرار رہے۔ تاہم بعض اوقات ایسی صورت حال جنم لیتی ہے جہاں شوہر اور بیوی کا نباہ ممکن نہیں رہتا۔ مثلا ً کوشش کے باوجود طبیعتیں آپس میں نہیں ملتیں اور اس بنا پر اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں۔ دونوں طرف ایک دوسرے کی حق تلفی کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ اس طرح کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، جن میں علیحدگی ناگزیر ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اسلام یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک اصول اور ضابطے کے مطابق میاں بیوی اس بندھن سے آزاد ہوجائیں۔ تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہمارے دین میں طلاق، حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اس کے بعد اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں طلاق کا عملی طریقہ کیا ہے؟

قرآن مجید میں طلاق کے احکام بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم پہلے ان کا ایک خلاصہ بیان کریں گے اور اس کے بعد چند متعلقہ آیات قرآنی اور چند روایات کے ذریعہ وضاحت کریں گے۔

اگر ایک مرد اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ حیض کے اندر طلاق نہ دے، بلکہ ان ایام کے گزرنے کے بعد، جبکہ ابھی اس نے اپنی بیوی سے خلوت نہ کی ہو، اپنی بیوی کو ایک طلاق دے۔ اس طلاق کے بعد عورت، مزید تین دفعہ حیض آنے تک ، اپنے شوہر کے گھر ہی میں ٹھہری رہے گی۔ اس دوران میں مرد، عورت کی تمام ضروریات کا مکمل خیال رکھے گا۔ اس دوران میں (جو اندازاً تین مہینے بنتی ہے) مرد اگر اپنی اس طلاق سے رجوع کرنا (لوٹنا) چاہے تو رجوع کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی سے اپنا منقطع تعلق بحال کرلے اور یہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے دوبارہ زندگی گزارنے لگ جائیں۔

اگر تین حیض کی اس مدت کے دوران میں شوہر نے بیوی سے رجوع نہ کیا تو اس مدت کے گزرنے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجائیں گے۔ اس علیحدگی کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے بعد، کسی وقت بھی، اگر یہ دونوں میاں بیوی بننا چاہیں تو اپنی آزادانہ مرضی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔

اگر دوسری دفعہ پھر کبھی زندگی میں شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرلے تو وہ اسی طرح طلاق دے گا اور اسی طرح اسے جدا کرے گا۔

لیکن اگر وہ تیسری مرتبہ پھر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے بعد یہ دونوں آپس میں نکاح نہیں کرسکتے۔ لیکن اس تیسری طلاق کے بعد اگر عورت کہیں اور نکاح کرلے اور اس کا وہ شوہر اتفاق سے مرجائے یا اسے طلاق دے دے تو وہ ایک دفعہ پھر پہلے والے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے۔ اس مسئلے کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

مرد کے برعکس، اگر بیوی اپنے شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے تو وہ اپنے خاوند سے ایک طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ اگر خاوند اس کا یہ مطالبہ نہ مانے تو عورت عدالت کے ذریعے سے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ عدالت کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ یہ دیکھے کہ عورت، واقعتاً اپنی آزادانہ مرضی سے طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے۔ عدالت اس کھوج میں نہیں پڑے گی کہ عورت کیوں طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس صورت میں عدالت شوہر کو یہ حکم دے گی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ اس طرح میاں بیوی علیحدہ ہوجائیں گے۔

بعد میں اگر یہ دونوں چاہیں تو آپس میں اپنی آزادانہ مرضی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔ اگر دوسری دفعہ بھی علحدگی ہوگئی تو پھر یہ نکاح کرسکتے ہیں لیکن اگر تیسری دفعہ بھی علیحدگی ہوگئی تو اس کے بعد یہ دونوں آپس میں نکاح نہیں کرسکتے۔ اب صرف ایک ہی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

صورت ہے جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ گویا شوہر طلاق دیتا ہے اور عورت طلاق لیتی ہے۔قرآن مجید کا یہ قانون، قانون طلاق سورۃ بقرہ آیت 228,229,231,236,237,141 سورۃ احزاب آیت -49 ،سورۃ طلاق آیت 14,6 اور سورہ نساء آیت 21,19 میں بیان ہوا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ،

''مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں گی اور اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحموں میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔ان کا شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہو تو وہ اس عدت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کے دوران میں انہیں پھر زوجیت میں واپس لے لینے کے حقدار ہیں۔عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔البتہ (شوہر کی حیثیت سے) مردوں کوان پرایک درجہ حاصل ہےاورسب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم ودانا موجود ہے۔ یہ طلاق (جس کے بعد عدت کے دوران میں مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے) دومرتبہ ہے۔ پھر یا تو دستور کے مطابق عورت کو روک لیا جائے یا احسان کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔ اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔البتہ یہ صورت مستثنٰی ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔پھر اگر (دوبارہ طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔الاّ یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے۔تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت خیال کریں کہ حدود الٰہی پر قائم رہیں گے، تو ان کے لئے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کی ہدایت کے لئے واضح کر رہا ہے جو (اس کی حدود کو توڑنے کا انجام جانتے ہیں) اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آ جائے تو یا بھلے طریقے سے ان کو روک دو یا بھلے طریقے سے انہیں رخصت کر دو۔ محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکے رکھنا۔ اسلئے کہ یہ زیادتی ہے۔اور جو ایسا کرے گا وہ درحقیقت آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا۔'' (بقرہ -2 ،آیت 228-231)

مزید ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَاالنَّبِىُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُواالْعِدَّةَ وَاتَّقُواللّٰهَ رَبَّكُمْ لَاتُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَايُخْرُجْنَ اِلَّااَنْ يَّأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِيِّنةوَتِلكَ حُدُودُاللهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَاللهِ فَقَدظَلَمَ نَفسهٗ لَاتَدْرِى لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعدَذٰلِكَ اَمْرًا۔

''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے حساب سے طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں الاّ یہ کہ وہ کسی کھلی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

بدکاری (یعنی زنا) کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کے مقرر کیئے ہوئے حدود ہیں اور جو اللہ کے حدود سے تجاوز کریں گے تو انہوں نے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ تم نہیں جانتے شاید اللہ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے'' (طلاق-65، آیت 1)

قانون طلاق کی درج بالا تصریح کے بعد اب ہم اس ضمن میں پیدا ہونے والے چند سوالات کا جائزہ لیں گے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اگر کسی طہر (یعنی وہ ایام جن میں عورت ماہواری کے ایام میں نہیں ہوتی) میں جب کہ عورت اور مرد کے درمیان صحبت ہو چکی ہو، کوئی مرد طلاق دے دے تو اس کے بارے میں دین کی ہدایت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق عدت کا حساب ضروری ہے۔ چونکہ ایسی حالت میں عدت کا صحیح حساب رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ معلوم نہیں عورت حاملہ ہو جائے یا نہ ہو جائے۔ اس لئے ایسی طلاق کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایسے فرد کو چاہیئے کہ عورت کے ایام ماہواری کا انتظار کرے۔ جب عورت اس سے پاک ہو جائے، تب وہ طلاق دے۔ اسی لئے ایسے موقعہ کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا: اس مرد کو چاہیئے کہ اپنی عورت کو ایسی حالت میں طلاق نہ دے کہ اس نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو'' (مسلم کتاب الطلاق)

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا عورت کو حالت حیض میں طلاق دی جا سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام ہر ممکن حد تک طلاق روکنا چاہتا ہے اور گھر کو ٹوٹنے سے بچانا چاہتا ہے۔ اسی لئے پروردگار نے صحیح طریقہ سے طلاق دینے، عدت کو ٹھیک ٹھیک شمار کرنے اور عدت کے دوران میں شوہر اور بیوی کو ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے۔ ''تم نہیں جانتے۔ شاید اللہ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے'' چونکہ ایام حیض میں مرد عورت کے درمیان ایک نوعیت کی دوری پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ یہ دن گزرنے کے بعد آدمی طلاق دینے کا فیصلہ ترک کر دے۔ چنانچہ حضورؐ نے قرآن مجید کی ہدایت کی روشنی میں مسلمانوں کو ایام حیض میں طلاق دینے سے روکا۔ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایام حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو آپؐ نے فرمایا: ''اس سے کہو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کریں اور پھر اسے طہر یا حمل کے واضح ہو جانے کے بعد طلاق دے''

درج بالا دونوں صورتوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طلاق کو شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس طلاق کو شمار کرنا ہی مقصود ہے تو پھر رجوع کا حکم دینے کے کیا معنی؟ رجوع کا حکم تو صرف اسی صورت میں کوئی معنی رکھتا ہے جب اسے شمار نہ کیا جائے۔ اوپر ہم نے جو روایات نقل کی ہیں ان سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ تاہم اس کی مخالفت میں دو دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یونس کہتے ہیں: ''میں نے ابن عمر سے پوچھا:

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کیا آپ نے یہ طلاق شمار کی؟ انہوں نے جواب دیا: بھئی اس میں کیا رکاوٹ تھی۔ کیا ابن عمر شمار نہیں کرسکتا تھا یا احمق تھا؟ تاہم اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی بات حضورؐ نے خود نہیں فرمائی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ''المغنی، لابن قدامہ: کتاب الطلاق'' کے مطابق حضورؐ نے ابن عمر کو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو ابن عمر نے حضورؐ سے پوچھا: یارسول اللہؐ اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں، تب آپؐ کیا فرماتے؟ نبیؐ نے فرمایا: اس صورت میں تم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی ہوتی اور تمہاری بیوی تم پر حرام ہوگئی ہوتی'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت صحیح مسلم کی ابن عباسؓ والی روایت کے بالکل خلاف ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

اگلا سوال یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی بیوی سے جھگڑے کے وقت شدید غصے میں آکر طلاق کا لفظ تین مرتبہ یا اس سے زیادہ مرتبہ منہ سے نکال لیتے ہیں اور پھر فوراً پشیمان ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں کوئی پختہ ارادہ شامل نہیں تھا۔ یہ بات سوچ سمجھ کر کہی گئی تھی۔ کیا اس طرح طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

آج کے حالات میں یہ مسئلہ بہت اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ اس لیے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں گھرانے اس مسئلہ کی وجہ ایک بڑے اضطراب اور کرب میں مبتلا ہیں کیونکہ قرآن وسنت میں اس طرح کی صورت حال کے بارے میں دوٹوک ہدایت نہیں آئی۔ اس لیے اس مسئلے سے ہمیں اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔

اس ضمن میں راقم الحروف کا موقف یہ ہے کہ شدید غصے کے عالم میں جو لوگ تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق کا لفظ منہ سے نکالیں اور پھر پشیمان ہوجائیں، ایسے لوگوں پر ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اس موقف کے دلائل مختصراً یہ ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اہم اصول ہے کہ دین کی بنیاد آسانی پر ہے، تنگی پر نہیں۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر
اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں۔ (بقرہ۔2، آیت 185)

وما جعل علیکم فی الدین من حرج
اللہ نے تم دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی (الحج۔ آیت 78)

اس نوعیت کی کئی آیات قرآن میں آئی ہیں کہ اللہ ہر شخص کو اس کی بساط کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے۔ پروردگار انسان کو تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اور یہ کہ اللہ انسان پر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (مثلاً سورہ مائدہ آیت 6-، سورہ نساء آیت 28- اور کئی دوسری آیات)

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

چونکہ طلاق کا معاملہ نہایت سنجیدہ اور نازک معاملہ ہے جس میں مرد عورت ان کے بچوں اور مرد وعورت کے خاندانوں کے لئے گوناگوں پیچیدہ مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔اس لئے اس بارے میں ہرنئی قانون سازی کے لئے بنیادانسانوں کے لئے آسانی کے اصول پر ہونی چاہیے۔طلاق کا وہ قانون جوخدا نے ہمیں دیا ہے وہ بجائے خوداسی اصول کوملحوظ رکھ کر دیا گیا ہے۔اب اس کی بنیاد پر ہونے والی تفصیلی قانون سازی اور عدالتی فیصلے بھی اسی اصول کوملحوظ رکھ کر کئے جانے چاہئیں۔ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کے لئے خواہ مخواہ تنگی پیدا ہو۔اسی بات کورسول اللہؐ نے اس طریقہ سے بیان کیا ہے۔کہ دین آسان ہے' اور یہ کہ ''لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو، لوگوں کومشکلات میں مت ڈالو' (صحیح بخاری)

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجیداوراس کی اتباع میں صحیح ترین روایات سے جوکچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ طلاق ایک نہات سنجیدہ معاملہ ہےاور یہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے والی چیز ہے۔یہ وقتی اثرات کےتحت فیصلہ کرنے والی چیز نہیں۔

قرآن مجید کے مطابق دنیا میں میاں بیوی کے درمیان نباہ پروردگار کو بہت پسند ہے۔انہیں ایک دوسرے کے لئے لباس قرار دیا گیا ہے (بقری آیت ۱۸۷)۔شوہر سے کہا گیا ہے کہ اگراس کو بیوی کے اندر کمزوریاں نظر آئیں تب بھی اس کے ساتھ گزارہ کرے سورہ نساء آیت ۱۹)۔اگر کہیں میاں بیوی کے درمیان تنازعہ بہت زیادہ ہوجائے تو دونوں خاندانوں کی طرف سے ایک ایک نمائندہ مقرر کرکے صلح صفائی کرائی جائے (نساء آیت ۳۵)۔اگر نوبت طلاق تک پہنچ جائے تو مرد کو ہدایت ہے کہ وہ عدت کا حساب بالکل صحیح رکھے (سورہ طلاق آیت ۱) اور طلاق دینے کے بعد بھی نہ مرد کو چاہیئے کہ وہ عورت کوگھر سے نکال دے اور نہ عورت ہی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر چلی جائے۔شوہر اور بیوی کو یکجا، ایک ہی گھر میں رہنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اگر صلح صفائی کی کوئی صورت ہوتو یہ اکٹھا رہنا اس میں مددگار ثابت ہوجائے۔اسی آیت کی مزید تشریح کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا کہ جائز چیزوں میں سے طلاق اللہ کوسب سے زیادہ ناپسند ہے (ابوداؤد۔کتاب الطلاق)

اسی لئے حضورؐ نے ماہواری کے ایام میں طلاق دینے سے روکا ہے۔ماہواری کے ایام چونکہ مرد اور عورت جنسی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ رہتے ہیں اس لئے آپس میں محبت کے وہ جذبات نہیں رہتے اور اس بات کا امکان ہے کہ ماہواری کے دن گزرنے کے بعد آدمی طلاق دینے کا فیصلہ ترک کردے۔(مسلم۔کتاب الطلاق)۔حضورؐ نے ایسے وقت (طہر) میں بھی طلاق دینے سے روکا ہے جب میاں بیوی نے آپس میں ملاقات کی ہو کیونکہ ایسی صورت میں عدت کی مدت کا صحیح تعین نہیں کیا جاسکتا۔حضورؐ کے پاس جب ایسا کوئی معاملہ آیا تو آپؐ نے مرد کو ہدایت کی کہ وہ رجوع کرے (یعنی طلاق کا فیصلہ واپس لے لے) اور بعد میں مناسب وقت پر فیصلہ کرے (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، ابوداؤد کتاب الطلاق)

صرف یہی نہیں بلکہ قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ مطلقہ عورت کوانتہائی حسن وخوبی سے کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے (بقرہ آیت

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

241)اور یہ کہ جب خاوند عدت کے آخر میں اپنی بیوی سے رجوع کرنے یا اسے رخصت کر دینے کا فیصلہ کر لے تو اسے اس فیصلے پر دو ذمہ دار افراد کو گواہ بنا لینا چاہیئے ۔

صرف یہی نہیں جب ایک دفعہ طلاق ہو جائے اور عدت کے درمیان میں بھی رجوع نہ ہو تو قرآن مجید دوسری دفعہ اسی مرد اور خاتون کو دوبارہ میاں بیوی بننے کی اجازت دیتا ہے۔ تا کہ کسی طرح یہ خاندان پھر اکٹھا ہو جائے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اگر دوسری دفعہ بھی طلاق ہو جائے اور عدت میں پھر رجوع نہ ہو تو قرآن مجید تیسری دفعہ پھر ان کے نکاح کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔ البتہ اگر تیسری مرتبہ طلاق ہو جائے تب براہ راست ایک دفعہ پھر نکاح کرنے پر پابندی لگ جاتی ہے۔

درج بالا احکام وہدایات اور قوانین پڑھنے بلکہ بار بار غور کرنے کے لائق ہیں اور اس کی روشنی میں فیصلہ کیجئے کہ اس معاملہ میں ہمارے دین کی روح کیا ہے۔

کیا ہمارے دین کی روح یہ ہے کہ وہ اس بات پر تلا بیٹھا ہے کہ کس طریقہ سے کسی مرد کے منہ سے تین طلاقوں کی بات نکلے اور وہ فوری طور پر خاندان کا تیا پانچا کر دے اور یا پھر اس کے برعکس وہ ان کو زیادہ سے زیادہ رعایت دے کر بار بار ملنے کا موقع دیتا ہے؟ ایسے موقع پر ہر راست فکر انسان کا ضمیر یہ پکار اٹھے گا کہ یقیناً دین کی روح یہی ہے کہ ایسی غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دی جائے اور انہیں اصلاح احوال کا موقع دیا جائے۔

ایک تیسرا عامل بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ طلاق کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ انسان اپنے پورے شعور کے ساتھ اپنے اس ارادے کا اظہار کرے۔ اگر شعور میں ذرا برابر بھی کمی ہوگی اور انسان جذبات میں اپنے آپے سے باہر ہو گیا ہو تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی اصول کی وجہ سے نبیؐ نے فرمایا کہ نابالغ پاگل اور دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور نہ ایسے لوگوں کی طلاق واقع ہوتی ہے جنہوں نے نشے کی حالت میں طلاق دی ہو۔ یا جنہیں طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ہو۔ بالکل اسی اصول پر اگر شدید اور فوری غصے کا تجزیہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنے شعور میں نہیں ہوتا اور اسے اپنے اوپر پورا اختیار نہیں رہتا وہ ہذیان بکنے لگتا ہے اور اس عالم میں اس کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جنہیں عام وہ عام حالات میں کبھی نہیں کہتا۔ چنانچہ ایسے ہی شدید اور فوری غصے میں اگر انسان کے منہ سے طلاق کے الفاظ زیادہ مرتبہ نکل جائیں تو اسے رعایت دینی چاہیئے ۔ ویسے بھی آج کل خاندانوں میں نفسیاتی مسائل اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ ایک مستقل اضطراب و بےچینی کی کیفیت رہتی ہے اس لیے اب تو اس رعایت کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

درج بالا تینوں دلائل کی بنیاد پر راقم الحروف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شدید اور فوری غصے میں دی گئی طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائے گا گویا ایسا فرد ایک موقع کھو دے گا۔ تاہم اس کے پاس رجوع کا ایک موقع ابھی باقی رہے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے فرد کو

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

چاہیے کہ وہ بطور اظہار ندامت فقراء ومساکین کو صدقہ دے اور آیندہ کے لئے یہ عہد کرے کہ اپنے آپ کو اس طرح کی کیفیت سے بچائے گا (ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ایسے افراد میں سے ننانوے فیصد آیندہ کے لئے مکمل طور پر محتاط ہو جاتے ہیں اور پھر ایسے الفاظ کبھی زبان پر نہیں لاتے)

درج بالا ساری بحث کی مخالفت میں دو باتیں کہی جاسکتی ہیں ایک یہ کہ طلاق تو غصے میں ہی دی جاتی ہے، ٹھنڈے پیٹوں تو کوئی بھی طلاق نہیں دیتا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ درج بالا بحث میں دوسری دلیل کو ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اعتبار سے طلاق اسی صورت میں دی جانی چاہیے جب مرد بالکل ٹھنڈے سوچ بچار کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان ہم آہنگی پیدا نہیں ہوسکی۔ اس صورت میں بھی قرآن مجید اسے صلح صفائی کے مزید مواقع دیتا ہے۔ گویا اس بات کی کوئی دینی بنیاد نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اعلان کیا تھا کہ اگر آیندہ کسی فرد نے اکٹھی تین طلاقیں دیں تو وہ اسے سزا بھی دیں گے اور اس پر تینوں طلاقیں نافذ کر دیں گے۔

اس ضمن میں چند امور اچھی طرح سمجھ لینے چاہییں۔ پہلی بات یہ کہ حضرت عمرؓ ایک حکمران تھے۔ حکمران کو وقتی مسائل سے نپٹنے کی خاطر کئی قوانین بنانے پڑتے ہیں۔ مگر ان قوانین کی حیثیت محض وقتی ہی ہوتی ہے، وہ ہمیشہ کے لئے ایک غیر متبدل حکم نہیں بن جاتے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی چیز تو صرف قرآن وسنت ہے۔ چنانچہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس وقت وہ کیا حالات تھے جن میں حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ دیا تھا۔ معاملہ یہ تھا کہ حضورؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور کے کافی عرصے میں جب ایک فرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا اور پھر جب یہ بیان دیتا کہ اس کی نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی تو اس پر ایک طلاق نافذ کر کے اسے رجوع کا حق دے دیا جاتا۔ لیکن پے درپے کئی واقعات کے بعد حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ لوگ اس رعایت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کے ذریعے سے خواتین کی حق تلفی کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ وہ تین طلاقیں دے کر عورت کو گھر سے باہر نکال دیتے اسے ایک صدمے سے دوچار کر دیتے اور جب وہ نئی زندگی اپنانے کے بارے میں سوچنے لگتیں ہیں تو جھٹ سے عدالت میں پہنچ کر کہہ دیتے کہ ان کی نیت ایک ہی طلاق دینے کی تھی۔ اس طرح وہ عورت کو معلق رکھ کر دوہرے عذاب میں مبتلا کر دیتے۔ چنانچہ عورتوں کو اس مصیبت سے بچانے کی خاطر حضرت عمرؓ نے اپنے وقت کے لحاظ سے ایک انتظامی فیصلہ کر دیا۔ ایسے انتظامی فیصلے کرنے کا اختیار ہر مسلمان حکومت کو حاصل ہے۔ مثلاً ولیمہ کرنا سنت ہے لیکن اگر کسی ولیمہ کو نمود ونمایش اور غریبوں کے لئے زحمت بنایا جارہا ہو تو ریاست اس کی بعض صورتوں پر پابندی لگا سکتی ہے۔ تاہم وہ ریاست کا ایک وقتی فیصلہ ہوگا۔ حالات بدل جانے پر وہ جب چاہے اسے تبدیل کر سکتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے درج بالا فیصلے کا کوئی تعلق غصے والی بات سے نہیں ہے۔ یہ واقعہ جہاں جہاں بھی نقل ہوا ہے وہاں غصے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا کہ قرآن مجید، صحیح روایات اور پورے دور صحابہ میں غصے والی طلاق کے بارے میں کوئی ہدایت یا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔اس لیے فوری غصے والی طلاق پر یہ فیصلہ لاگو ہی نہیں ہوتا۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے خواتین کو ظلم سے بچانے کے لئے یہ قانون سازی کی تھی۔ جب کہ آج خواتین کو مصیبت سے بچانے کے لئے اس کے برعکس قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اس وقت لوگ طلاق کا قانون جانتے تھے اور بعض لوگ قانون کے الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کہ آج لوگ دین کا قانون طلاق جانتے ہی نہیں۔ نتیجتاً وہ اپنے آپ کو اور اپنے پورے خاندان کو ایک بڑی تکلیف میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ چنانچہ آج کے حالات میں حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہمارے لئے نظیر نہیں بن سکتا۔

درج بالا بحث کی روشنی میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ شدید اور فوری غصے میں، جس کے بعد انسان کو پشیمانی ہو، طلاق کا لفظ جتنی مرتبہ بھی استعمال کیا جائے اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ اگر سوچ سمجھ کر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دی جائیں تو انہیں ایک طلاق شمار کیا جائے یا اس کے بارے میں یہ سمجھ لیا جائے کہ اس فرد نے تینوں طلاقوں کا حق، جو اسے ساری زندگی کے لئے ایک عورت کے بارے میں ملا تھا، ایک ہی دفعہ اکٹھے استعمال کر کے اپنی بیوی کو اپنے آپ سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ کر لیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ تاہم ہم اسے اپنی بساط بھر آسان بنا کر اس کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کریں گے۔

درج بالا صفحات میں ہم نے دیکھا کہ پروردگار نے ہمیں طلاق دینے کا ایک خاص طریقہ کار سمجھایا۔ اب اگر کوئی انسان اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ ایک بڑا گناہ اور اللہ کے احکام سے روگردانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ایک آدمی ایسا کر گزرے تو پھر کیا کیا جائے؟ اس صورت کو پروردگار نے ریاست اور سوسائٹی پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے حالات کے اعتبار سے اس کا حل نکالے۔ وہ چاہے تو اس کو ایک ہی طلاق قرار دے۔ چاہے تو اس کے مرتکب کو سزا بھی دے اور چاہے تو اس کو تینعلیحدہ علیحدہ اوقات میں طلاق دینے کا قائم مقام سمجھ کر ان کو نافذ کر دے اور بیوی کو شوہر سے مستقل طور پر جدا کر دے۔

ظاہر ہے کہ اس ضمن میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت خاندان اور معاشرے کے مفادات کو مدنظر رکھنا ہوگا اور خصوصاً خواتین کی حالت زار کو سامنے رکھنا ہوگا۔ کہ ان کی حق تلفی نہ ہونے پائے اور ان کو بے جا تنگ نہ کیا جائے۔ چونکہ پروردگار نے اس مسئلے میں امت کے اجتماعی نظم کو آزاد چھوڑ دیا ہے اس لیے اس ضمن میں خود حضورؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں حالات کی تبدیلی کے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ساتھ انتظامی حکم بدلتا رہا ہے۔ابوداؤ داور صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے کر علیحدگی اختیار کر لی تو نبیؐ نے اسے بلایا اور فرمایا: اپنی بیوی کو لوٹاؤ۔اس پر اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ میں اسے تین طلاقیں دے چکا ہوں۔آپؐ نے فرمایا: میں جانتا ہوں۔تم اسے لوٹاؤ۔اس کے بعد آپؐ نے سورۃ طلاق کی آیت پڑھی۔

گویا آپؐ نے اسے بتایا کہ طلاق دینے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔اس طرح جب ایک مرتبہ حضورؐ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپؐ شدید غصے کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میری موجودگی ہی میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔حضورؐ کا یہ غصہ دیکھ کر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو میں اس قتل کر دوں''

خود حضورؐ کی حیات میں ہی آپؐ نے اس سے مختلف طریقہ بھی اپنایا۔مسند احمد، ترمذی اور ابوداؤد میں ایک صحابی رکانہ بنعبد یزید کا جو واقعہ بیان ہوا ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ تین طلاق کا لفظ استعمال کیا تھا لیکن حضورؐ سے انہوں نے حلفیہ کہا کہ ان کا ارادہ صرف ایک ہی طلاق دینے کا تھا۔چنانچہ حضورؐ سے ان پر ایک ہی طلاق نافذ کر دی۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے حالات کے اعتبار سے مختلف قانون سازی کی۔انہوں نے دیکھا کہ کہ لوگ خواتین کی حق تلفی کر رہے ہیں۔وہ یوں کہ پہلے تین طلاقیں دے کر عورت کو یہ تاثر دے دیتے کہ مکمل علیحدگی میں آ گئی ہے۔پھر جب خاتون کسی اور سے شادی کا پروگرام بنالیتی (واضح رہے کہ یہ امر کتب احادیث میں اور تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے کہ اس زمانے میں عورتوں کے لئے طلاق کے بعد یا شوہر کی موت کے بعد دوسری شادی کرنا نہایت آسان تھا۔اور عام طریقہ یہی تھا کہ تقریباً سبھی عورتیں عدت کے فوراً بعد دوسری شادی کر لیتی تھیں)۔تو پہلا خاوند عدالت میں پہنچ کر کہہ دیتا کہ اس کی نیت تو ایک ہی طلاق دینے کی تھی۔اس طرح ایک نئی عدالتی کاروائی شروع ہو جاتی تھی۔جو عورت کے لئے نقصان ثابت ہوتی تھی۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو اس مصیبت سے بچانے کی خاطر یہ قانون بنایا کہ اگر کسی نے ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیں تو یہ تینوں طلاقیں فوری طور پر نافذ کر دی جائیں گی۔اور خواتین کو عدت کے فوراً بعد نیا گھر بسانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔صحیح مسلم کی روایت ہے:

> ''ابن عباسؓ نے کہا کہ طلاق کے متعلق حضورؐ کے زمانے میں، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پورے عہد خلافت میں اور پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے پہلے دو برس میں یہ قاعدہ تحا کہ جب کوئی ایک ہی بار تین طلاقیں دیتا تھا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ لوگ ایک ایسے معاملے میں جلدی مچا رہے ہیں جس میں انہیں احتیاط اور تحمل سے کام لینا چاہیئے۔تو کیوں نہ ہم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ان پر یہی (تین طلاقیں) نافذ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے (تین طلاقیں) نافذ کر دیں‘‘

صحیح مسلم کا یہ بیان اس معاملے کے بارے میں معتبر ترین ہے۔ اس روایت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ چونکہ اس معاملہ میں شریعت نے خود کوئی قانون سازی نہیں کی۔ اس لئے حضرت عمرؓ آزاد تھے کہ اس معاملے میں دور نبیؐ اور عہد صدیقیؓ سے مختلف حکم جاری کریں۔

چنانچہ اب ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ آج کے حالات میں معاشرے، خاندان اور خصوصاً خواتین کے حق میں کونسی قانون سازی مفید رہے گی۔ آج صورت حال یہ ہے کہ لوگ عموماً طلاق کے طریق کار سے ناواقف ہیں۔ اسی لئے طلاق کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ تین دفعہ طلاق کا لفظ منہ سے نکالے بغیر طلاق ہی نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاشرے میں عمومی اضطراب، بے چینی اور یاسیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ لوگ معمولی رنجش کی بنا پر طلاق کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ معاملہ ہے کہ مسلمان معاشروں میں مطلقہ خواتین کی دوسری شادی تقریباً ناممکن بن گئی ہے اور طلاق کا لفظ خواتین کے لئے ایک بڑی گالی بن گیا ہے۔ اس لئے آج کے حالات میں ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ہم ایک دفعہ پھر اس حکم کو جاری کریں جو دور نبیؐ میں تھا۔ یعنی یہ کہ ایک ہی وقت میں خواہ جتنی مرتبہ طلاق دی جائے۔ اُسے ایک ہی طلاق مانا اور سمجھا جائے۔ چنانچہ یہ لازم ہے کہ ریاستی سطح پر یہ قانون نافذ کر دیا جائے اور تمام عدالتی فیصلے اس کے مطابق کئے جائیں۔

اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ طلاق دیتے وقت ہزار دو ہزار تک کا لفظ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا کیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرنا گناہ اور پروردگار کے حکم سے روگردانی ہے۔ ایسے لغو الفاظ منہ سے نکالنے پر سزا دینی چاہیئے۔ تاہم قانونی اعتبار سے اسے ایک طلاق سمجھا جائے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ خلع سے کیا مراد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے سورہ بقرہ میں عورتوں کو طلاق لینے کا حق دیا ہے۔ اس ضمن میں آیات نمبر-228 تا 231 کا حوالہ پہلے ہی دیا جا چکا ہے۔ اس حق کو بعض روایات میں خلع بھی کہا گیا ہے۔ اگر عورت اس نتیجے تک پہنچ جائے کہ مرد کے ساتھ اس کا نباہ ممکن نہیں ہے تو وہ اپنے خاوند سے مطالبہ کرے کہ وہ اُسے طلاق دے دے۔ ایسی صورت میں خاوند کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے گا۔ تاہم وہ یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو جو کچھ دیا تھا اُس میں سے کچھ حصہ اسے واپس دیا جائے۔ خلع کا فیصلہ گھر کے اندر طے ہونا سب سے پسندیدہ ہے۔ اور اگر عورت سارے مہر سے دستبرداری کا فیصلہ کر لے تب تو اس معاملے میں کوئی دوسرا تنازعہ رہ ہی نہیں جاتا۔ تاہم کسی بھی تنازعے کی صورت میں عورت

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت میں چلی جائے۔اس موقعہ پر عدالت کے کرنے کے کام دو ہیں۔ایک یہ کہ فریقین کو اتنا وقت دے جس میں صلح کی کوشش کی جا سکے اور دوسرا یہ کہ شوہر نے بیوی کو جو کچھ دے رکھا تھا۔اس کے متعلق تمام حالات اور مرد و عورت کے مستقبل کو سامنے رکھ کر انصاف کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ مرد کو واپس کیا کچھ ملنا چاہیئے۔

خلع کے ضمن میں مزید دو اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ کیا عورت کے لئے یہ لازم ہے کہ خلع لیتے وقت وہ کوئی وجہ بتائے؟ مثلاً یہ کہ شوہر پر ظلم، بے انصافی، نامردی یا بدکاری کا الزام لگائے اور جب وہ اس الزام کو ثابت کرے تب اس کو خلع مل سکے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی رو سے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔احادیث کی کتابوں میں ایسے کئی واقعات آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ کے پاس خلع کا کوئی مقدمہ آیا۔آپؐ نے معمول کی چھان بین کی، صلح صفائی کی کوشش کی اور جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ عورت مرد کی بیوی بن کر نہیں رہنا چاہتی تو دونوں کے درمیان تفریق کرادی۔وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ عورت کیلئے مرد پر کوئی برا الزام ثابت کرنا ضروری ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کے مطابق جب میاں بیوی اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں تب ان کے درمیان تفریق کرادی جائے۔گویا پہلے یہ ثابت کر دیا جائے کہ شوہر نے اللہ کی حدود کو توڑا ہے۔یہ درحقیقت ایک غلط فہمی ہے۔قرآن مجید نے قطعاً ایسا نہیں کہا۔اس کے برعکس قرآن مجید کا فرمان یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے تعلقات کی نوعیت یہ ہو چکی ہے کہ یہ اندیشہ ہے کہ مستقبل میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معاملے میں پروردگار کے حکم کا خیال نہیں کر سکیں گی یعنی مرد بیوی پر ظلم کرے گا اور بیوی مرد کے خلاف سرکشی کا رویہ اختیار کرے گی۔تو دونوں کے درمیان علیحدگیکسی بھی فریق کی طرف سے ہو سکتی ہے۔گویا قرآن مجید ماضی کی نہیں بلکہ مستقبل کی بات کر رہا ہے۔مناسب ہوگا کہ سورۃ بقرہ آیت-29 کا ترجمہ ایک دفعہ پھر پڑھ لیا جائے۔ارشاد ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌ بِمعروفٍ اَوۡتَسۡرِيۡحٌ بِاحسانٍ وَلَا يَحِلُّ
لَكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوا مِمَّا اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شيئًا اِلَّآ اَنۡ يَّخَافَآ
اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَاللهِ فَاِن خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَاللهِ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيهِمَا فِيمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ تِلۡكَ حُدُودُاللهِ فَلَا تعتدُوهَا وَمَنۡ يَّتَعَدَّ
حُدُودَاللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔

"(اے مردو!) تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ جو کچھ تم بیویوں کو دے چکے ہو۔اس کی میں سے کچھ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

بھی واپس نہ لو۔ سوائے اس کے کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ تو ایسی صورت میں جب کہ تم کو خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے۔(یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے) کوئی ہرج نہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر نکاح سے آزاد ہو جائے"بقرہ-2 آیت 229)

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب بیوی کی طرف سے یا عدالت کی طرف سے مرد کو کہا جائے کہ وہ طلاق دے تو کیا وہ طلاق دینے سے انکار کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ طلاق دینے سے انکار کر دے اور عدالتی حکم ماننے سے انکار کر دے تو نہ صرف یہ کہ عدالت تفریق کی ڈگری جاری کر دے گی بلکہ وہ عدالتی حکم کو نہ ماننے کی پاداش میں مرد کو سزا بھی دے سکتی ہے۔ اگر درج بالا آیت کو ایک دفعہ پھر پڑھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کچھ واپس دے کر نکاح سے آزادی حاصل کرنا عورت کا نا قابل تنسیخ حق ہے۔

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ریاست کی سطح پر قانون سازی کے ذریعہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ خلع حاصل کرنے کے لئے کوئی الزام ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات بھی واضح ہونی چاہیئے کہ عدالت دو تین مہینے کے اندر اندر خلع کرائے گی۔ تا کہ عورت اپنی نئی زندگی جلد از جلد شروع کر سکے۔

ایک اور سوال یہ کہ کیا نکاح کے معاہدے میں عورت کو حق طلاق تفویض کیا جا سکتا ہے؟

حق طلاق تفویض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خاتون کو بھی یہ حق مل جائے کہ وہ بھی جب چاہے اپنے خاوند کو طلاق دے سکے۔ اس ضمن میں عام رائے یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس ہماری رائے یہ ہے کہ یہ بات قرآن مجید کے تصور نکاح کے منافی ہے۔ اس سوال کے ضمن میں یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ اس ایک معاملے کے سوا تمام اہم مسائل پر ہمارا نقطہ نظر خواتین کے حقوق کے حق میں ہے۔ لیکن اس مسئلے میں جہاں عام رائے بظاہر خواتین کے حقوق کے حق میں ہے، ہماری رائے اس سے مختلف ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے اصل رہنما کتاب قرآن مجید ہے۔ چونکہ باقی تمام معاملات میں ہم پوری صداقت کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید نے وہ تمام حقوق عورتوں کو دئے ہیں، جن سے آج مسلم معاشروں میں انکار کیا جا رہا ہے۔ اس لئے ہم نے وہی رائے ظاہر کی ہے جو قرآن کے مطالعے سے ہم پر واضح ہوئی ہے۔ لیکن اس خاص معاملے میں قرآن مجید کی ہدایت اس سے بہت مختلف ہے۔ جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے ہم یہ معاملہ واضح کر رہے ہیں۔

قرآن مجید کے مطابق نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ گویا وہی نکاح کرتا ہے اور وہی طلاق دے سکتا ہے جبکہ عورت نکاح میں آتی ہے اور اگر چاہے تو طلاق لے سکتی ہے۔ ایک خاص معاملے میں مہر کا قانون بیان کرتے ہوئے قرآن مجید یہ واضح

www.javedahmedghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کرتا ہے کہ عقدۃ نکاح یعنی نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ اگر نکاح ہوگیا ہے، مہر مقرر ہوگیا ہے، ابھی رخصتی نہیں ہوئی اور طلاق ہوگئی ہے تو مرد کو نصف مہر دینا ہوگا۔ ارشاد ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْيَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

''اور تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو، تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔ البتہ عورت چاہے تو نرمی برت سکتی ہے یا وہ مرد، جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، چاہے تو نرمی برت سکتا ہے ۔اور اگر تم (مرد) نرمی سے کام لو (اور پورا مہر دے دو) تو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو، تمہارے اعمال کو اللہ دیکھ رہا ہے۔''
(بقرۃ-2، آیت-237)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

درج بالا ہدایت کے پیش نظر ہمارا موقف یہ ہے کہ معاہدہ نکاح میں عورت کو حق طلاق تفویض نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے درج بالا موقف کے برعکس عام رائے کی دلیل یہ ہے کہ کہ سورۃ احزاب-33، کی آیت-28 کے ذریعہ پروردگار نے حضورؐ کو ہدایت کی کہ اگر آپؐ کی بیویاں دنیا اور اس کی زینت کی طالب ہوں تو انہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دیں چنانچہ حضورؐ نے اپنی سب بیویوں کو اجازت دی کہ وہ چاہیں تو آپؐ سے علیحدہ ہو جائیں ۔ چنانچہ اسی طرح ہر مسلمان چاہے تو اپنی بیوی کو علٰیحدگی کا حق تفویض کر سکتا ہے۔ یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ سورۃ احزاب میں حضورؐ اور آپؐ کی ازواج سے متعلق خصوصی قوانین بیان ہوئے ہیں جو بحیثیت رسولؐ صرف آپؐ ہی کے ساتھ خاص تھے اور جن کا کوئی تعلق عام مسلمانوں سے نہیں ہے۔ یہاں بھی اگر آپؐ کی ازواج کو علیحدگی کا حق دیا گیا ہو تو اس کی وجہ، خود قرآن مجید کے مطابق، یہ نہیں تھی کہ یہ عام حق ہے جو سب کو دیا جانا مقصود ہے۔ بلکہ اس وجہ کی تصریح قرآن مجید نے خود ہی یہ کہہ کر کر دی کہ کار رسالتؐ بہت پُر مشقت ہے اور اگر حضورؐ کی ازواج میں سے کوئی اس سخت کام کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ تو مناسب یہ ہے کہ وہ حضورؐ سے علٰیحدگی اختیار کر لے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنيا

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

وَزِينَتَهَافَتَعَالَينَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً۔

''اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آ ؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں'' (سورۃ احزاب-33، آیت-28)

ظاہر ہے کہ دنیا اور اس کی زینت خود قرآن ہی کی واضح تصریح کے مطابق، سب لوگوں کے لئے جائز ہے۔صرف حضورؐ اور آپؐ کی ازواج کو اس کی اجازت نہیں تھی۔اسی لئے آگے بتا دیا گیا کہ نبیؐ کی بیویوں کی خصوصی حیثیت ہے۔یٰا نساءَ النبی لستن کاحدٍ من النساء : نبیؐ کی بیویوں تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو'' آگے انہی ازواج مطہراتؓ ہی کے سلسلے میں حضورؐ سے ارشاد فرمایا گیا ہے: خالصتاً لّکَ مِن دون المومنین : ''یہ رعایت خالصتاً تمہارے لئے ہے، دوسرے مومنوں کے لئے نہیں ہے۔''

سورہ احزاب کے بغور مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی ہے کہ حضورؐ کے لئے قانون نکاح وطلاق عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔اسی لئے اس کا طلاق عمومی معاملات میں نہیں کیا جاسکتا۔چنانچہ صحیح بات یہی ہے کہ مرد کو طلاق دینے کا حق ہے اور عورت کو طلاق (یا بالفاظ دیگر خلع) لینے کا پورا حق ہے۔اور جب عورتوں کو طلاق لینے کا پورا حق موجود ہے تو اسے حق طلاق تفویض کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ کیا یہ لازم ہے کہ عورت کی طرف سے طلاق لینے یعنی خلع کی صورت میں وہ لازماً سارا مہر واپس کرے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔قرآن وحدیث سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔اس صورت میں ایک مناسب تصفیہ کے ذریعے اس میں سے کچھ چیزیں شوہر کو واپس کر دی جائیں اور کچھ کا حصہ ہو، تو یہ سب سے مناسب صورت ہے۔لیکن اگر معاملہ عدالت تک پہنچ جائے تو عدالت تمام حالات کا جائزہ لے کر ہر معاملے میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گی۔قرآن مجید کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمعروفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاحسانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوا مِمَّا اٰتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَاللهِ فَاِن خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُودُاللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيهِمَافِيمَا افْتَدتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُودُاللهِ فَلَا تَعتدُوهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُودَاللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔ (بقرہ-2 آیت 229)

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

''(اے مردو!) تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ عورتوں کو دیا ہے، اُس میں سے کچھ بھی واپس لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں میاں بیوی (ایک دوسرے کے حقوق کے معاملے میں) اللہ کی حدود (یعنی ہدایات) پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ اس لئے اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں (میاں بیوی کی حیثیت میں) اللہ کی ہدایات پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ تو ان پر ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو (اس کی دی ہوئی چیزوں میں سے) کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو۔ جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں یقیناً وہ ظالم ہیں'' (بقرہ-2، آیت-229)

اس کی تشریح میں صحیح بخاری کتاب الطلاق کا ایک واقعہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس روایت کے مطابق:

''ثاقب بن قیسؓ کی بیوی حضورؐ کے پاس آئی اور کہا۔ یا رسول اللہؐ! میں ثاقب کے اخلاق یا دین پر کوئی اعتراض نہیں کرتی۔ مگر مجھے اپنی طرف سے اسلام میں کفر کا خوف ہے۔ اس پر حضورؐ نے اُس سے دریافت کیا: کیا تم اس باغ کو واپس کر دو گی جو اُس نے تمہیں دیا تھا؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ چنانچہ اس نے وہ باغ واپس کر دیا اور حضورؐ نے دونوں کے درمیان علیحدگی کا حکم دے دیا''

درج بالا روایت میں ایک خاتون کی زبانی فقرہ نقل کیا گیا ہے: ''مگر مجھے اسلام کفر کا خوف ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نفرت کے باوجود میں اپنے شوہر کے ساتھ رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان ہدایات کی پابندی نہ کر سکوں گی جو شوہر کی اطاعت اور وفاداری کے ضمن میں پروردگار نے دئے ہیں۔

درج بالا روایت میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ثاقب نے ایک قیمتی چیز یعنی ایک باغ اپنی بیوی کو بطور تحفہ یا مہر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب بیوی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی تو اس بات کا کوئی جواز نہیں تھا کہ وہ اتنی قیمتی چیز اپنے پاس رکھے۔ چنانچہ حضورؐ نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ یہ باغ واپس کرنے کو تیار ہے؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب بھی عدالت کے سامنے اس طرح کا کیس آئے تو یہ لازم ہے کہ وہ تمام عوامل کو اپنے سامنے رکھ کر تحفوں یا مہر کے کچھ حصوں کی واپسی کا فیصلہ کرے۔ ان عوامل میں بیوی کی شوہر کے ساتھ گزری ہوئی مدت، بچے، شوہر کا مزاج، موجود حالات اور دوسری اہم باتیں شامل ہو سکتی ہیں۔

اگلا سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک لفظ استعمال ہوا ہے۔ " ایلاء" اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات شوہر اور بیوی کے درمیان ناراضگی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ شوہر بیوی سے جنسی اور دوسرے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھالیتا ہے۔اس صورت میں پروردگار کی ہدایت یہ ہے کہ ایسے شوہر چار مہینے کے اندر اندر یہ فیصلہ کرلیں کہ انہیں صحیح تعلق رکھنا ہے یا طلاق دینی ہے۔شوہر اور بیوی کے درمیان اس سے زیادہ قطع تعلق کی اجازت نہیں۔ارشاد ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنَ نِسآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ۔وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

”جولوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھابیٹھتے ہیں۔ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انہوں نے رجوع کرلیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہوتو جانے رہیں کہ اللہ سب کوسنتا ہے اور جانتا ہے“(سورۃ بقرہ-2،آیت226-227)

اگلاسوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک اور لفظ استعمال ہوا ہے۔”ظہار“اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضوؐر کے زمانے کے عرب کلچر میں ایک طریقہ تھا کہ جب شوہر اور بیوی میں ناراضگی ہوتی اور شوہر بیوی سے کہتا کہ:” تو میرے لئے ماں کی طرح ہے“اُس زمانے میں یہ بات طلاق سے بھی زیادہ شدید سمجھی جاتی تھی۔اس لئے کہ اسلام سے پہلے عرب کلچر میں بھی طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش تھی مگر ظہار کے بعد رجوع کا کوئی امکان باقی نہ رہتا۔

چونکہ یہ سب کچھ عام طور پر انتہائی غصے کے عالم ہوتا اور فریقین اس کے بعد کئے پر بہت نادم ہوتے۔اس لئے پروردگار نے اس کو طلاق تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کے لئے ہدایات دے دی۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاتون ظہار کے متعلق اپنا معاملہ حضوؐر کے سامنے لے آئی اور اس کے ساتھ اس نے یہ فریاد بھی کی کہ اگر اس کا شوہر اس سے جدا کردیا گیا تو پورا خاندان تباہ ہوکر رہ جائے گا۔مختلف روایات میں اس امر کی تصریح ہے کہ یہ خاتون حضرت خویلہؓ تھیں اور ان کے خاوند اوسؓ نے ان سے ظہار کیا تھا۔چنانچہ اس بارے میں قرآن مجید کی ہدایت نازل ہوئی ۔اس ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام حتی الوسع خاندان کی حفاظت کرتا ہے اور اسے ٹوٹنے سے بچاتا ہے۔سورۃ مجادلہ میں ارشاد ہے:

قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها وتشتكی الله والله يسمع تحاورکما ان لله سميع بصير۔الذين يظهرون منكم من النسآئهم ماهن امهتهم ان امهتهم الاالیی وولدنهم ونهم

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ليقولون منكراً من القول وزوراً وان الله لعفوا غفور۔ والذين يظٰهرون من نسآ ئِهم ثم يعودون لماقالوا فتحرير رقبة من قبل ان يتمآ سا ذٰلكم توعظون بهٖ والله بماتعملون خبير۔ فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل ان يتمآ سافمن لم يستطع فاطعام ستين مسكينا ذٰلك لتومنوابالله ورسوله وتلك حدود الله وللكٰفرين عذاب اليم۔

''اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کئے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، ان کی بیویاں، ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے۔ قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر تمہارا ایمان راسخ ہو۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک سزا ہے۔'' (سورۃ مجادلہ-58، آیت 1-4)

ہمارا خیال یہ ہے کہ ظہار کے متعلق درجہ بالا ہدایات سے غصے کے عالم میں دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں ہمارے موقف کی بالواسطہ تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات دین کی روح کے عین مطابق ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں کو قانونی طور پر ایک ہی طلاق تسلیم کرتے ہوئے شوہر پر درج بالا سزا بھی ریاست کی طرف سے نافذ کر دی جائے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ لعان نامی اصطلاح کا کیا مطلب ہے؟

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک مرد اپنی بیوی کے پاس کسی دوسرے مرد کو بحالت زنا دیکھ لے۔ اور اس کے پاس اپنے علاوہ کوئی گواہ نہ تو وہ اور اس کی بیوی دونوں عدالت کے سامنے پیش ہونگے۔ مرد شہادت کے طور پر پانچ قسمیں کھائے گا۔ اور اگر عورت اس الزام کو جھٹلانا چاہتی ہے تو وہ بھی پانچ قسمیں کھائے گی اور اس کے بعد یہ دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ سورۃ نور میں ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ۔ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ۔ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ۔ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔

''جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں۔ تو ان کی گواہی کا طریقہ یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹے ہوں اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ شخص سچا ہو۔'' (سورہ نور-24، آیت 6-9)

اگلا سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطابق طلاقوں کے بعد عدت کے دوران (عام عورتوں کے لئے تین دفعہ ایام ماہواری آنے تک اور حاملہ عورتوں کی صورت میں وضع حمل تک ہے) شوہر نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے۔ لیکن کیا تیسری دفعہ طلاق (جس کے بعد رجوع کی اجازت نہیں) کے بعد بھی اس مدت تک خاتون اپنے سابقہ شوہر کے گھر میں رہ سکتی ہے اور وہ خاتون کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے؟

اس ضمن میں دو موقف ہیں۔ ایک یہ کہ تیسری طلاق کے بعد مرد پر عورت کے ضمن میں نان نفقہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ ''پس جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو ان کو یا تو دستور کے مطابق نکاح میں رکھو یا دستور کے مطابق جدا کر دو'' سے معلوم ہوتا ہے کہ نان ونفقہ آخری طلاق کے بعد نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس کے بعد نکاح میں رکھنے کا کوئی سوال

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

نہیں ہے۔اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید جب نان ونفقہ کی بات کرتا ہےتو ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ ''تم نہیں جانتے۔ شاید اللہ اس کے بعد کوئی اورصورت پیدا کردے۔'' اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ شوہر اور بیوی کو ایک ہی گھر میں یکجا رہنے کا حکم اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اصلاح احوال کی کوئی صورت پیدا ہوجائے۔اور ظاہر ہے کہ تیسری طلاق کے بعد ایسی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔تیسری دلیل یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی ایک مشہور روایت، جو احادیث کی کئی مستند کتابوں میں آئی ہے کے مطابق جب ان کے خاوند نے انہیں تیسری طلاق دے دی تو وہ حضورؐ کے پاس سکونت ونفقہ کے بارے میں حاضر ہوئیں۔مگر حضورؐ نے انہیں سکونت ونفقے کا حق دار نہیں ٹھہرایا اور انہیں ایک اور صحابی کے ہاں جا کر اپنی عدت پوری کرنے کا حکم دیا۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں دلائل بہت مضبوط نہیں ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۃ طلاق میں آیت نمبر ایک اور دو کے بعد خاتمہ کلام سے پہلے آیت نمبر چھ میں ایک دفعہ سکونت ونفقہ کی بات دہرائی گئی ہے۔اس تکرار کا مقصد یہی ہے کہ عورت کا یہ حق پوری طرح واضح ہوجائے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ بات کہ ''تم نہیں جانتے اللہ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کردے'' یہ ایک بڑی وسیع بات ہے۔تیسری طلاق مرد اور عورت دونوں کے لئے نئے راستے کھول دے گا۔اس میں یہ اشارہ بھی مضمر ہے کہ اس عبوری اور ہنگامی مدت میں عورت کے لئے سکونت ونفقہ کی ضرورت بہرحال لاحق ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ اگر پروردگار کو یہ کہنا ہوتا کہ تیسری طلاق کے بعد کوئی سکونت ونفقہ نہیں ہے۔تو یہ بات قرآن مجید میں واضح طور پر نازل ہوجاتی۔جہاں تک فاطمہ بنت قیس کا تعلق ہے۔اگرچہ یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے تاہم اس روایت کو حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ جیسے اکابر نے بھی ماننے انکار کردیا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہم کتاب اللہ کی ایک آیت اور رسول اللہؐ کی سنت کو تو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس نے معلوم نہیں کیا یاد رکھا اور کیا بھول گئی۔میں نے خود رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ تیسری دفعہ طلاق والی عورت کے لئے سکونت کا حق بھی ہے اور نفقہ کا بھی''۔

حضرت عمرؓ کی یہ روایت احادیث کی دوسری کتابوں کے ساتھ ساتھ صحیح مسلم میں بھی درج ہے۔حضرت عائشہؓ کے خیال میں بھی فاطمہ بنت قیس نے موقعہ ومحل سے ہٹ کر بات کو سمجھا تھا۔اسی لئے حضرت عائشہ کہتی تھیں ''فاطمہ کی حدیث کا ذکر نہ کرو تو اچھا ہے۔اس حدیث کے بیان کرنے میں اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔فاطمہؓ کو کیا ہوگیا ہے۔کیا وہ خدا سے نہیں ڈرتی'' (صحیح بخاری)

مختلف دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ فاطمہ بنت قیس تیز زبان اور بدزبان تھیں۔اسی لئے اُن کا معاملہ عام قانون سے ہٹ کر ہوا۔

درج بالا بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد بھی خاتون کیلئے عدت کے دوران میں سکونت اور نفقہ کا حق موجود

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ہے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ کیا طلاق کے بعد خاتون کے حقوق کے مداوا اور حفاظت کے لئے کوئی قانون سازی کی جاسکتی ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ کہ اس ضمن میں اسلام نے بنیادی اصول دے کر تفصیلی قانون سازی کو وقت اور حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ دراصل ہر زمانے کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ ہر زمانے میں مختلف قانون بنایا جائے۔ قرآن مجید نے اس ضمن میں یہ اصول دیا ہے کہ جب بھی عورت کو طلاق دی جائے تو ''فامساك معروف اور تسريح باحسان'' ''پھر دستور کے مطابق یا تو روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ رخصت کر دینا ہے'' آگے سورۃ طلاق میں ارشاد ہے:

فاذا بلغن احلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروفٍ

''پس جب عدت کی مدت ختم ہو جائے تو ان کو یا دستور کے مطابق نکاح میں رکھو یا دستور کے مطابق جدا کر دو'' (طلاق آیت 2)

درج بالا آیات میں دو الفاظ اہم ہیں ایک احسان اور دوسرا معروف۔ احسان کا مطلب ہے کسی کام کو بہترین طریقے پر کرنا۔ جس سے دوسرا شخص پوری طرح مطمئن اور راضی ہو۔ معروف ایک بہت وسیع لفظ ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر وہ بھلائی، نیکی اور صحیح کام جسے دین نے نیکی کا کام قرار دیا ہو یا جو عقل اور انسان کے اجتماعی تجربہ و مشاہدہ کے تحت بھلائی قرار پائے۔ اس کے تحت ہر معقول قانون، رواج اور آئین کو بھی معروف کہتے ہیں۔

گویا قرآن مجید کی ہدایت یہ ہے کہ آخری طلاق کے ضمن میں ہر زمانے میں اپنے حالات کے اعتبار سے ایسا مناسب طریقہ اختیار کیا جائے جس میں عورت اور اس کے حقوق اور اس کے مستقبل کی پوری حفاظت ہو۔ اگر سوسائٹی کے اندر خود بخود ایسا رواج قائم ہو جس کے تحت ایسی عورت کو کوئی دشواری نہ ہو تو مزید قانون سازی کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس ضمن میں صحیح قانون سازی کرنا اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانا ''معروف'' کے تحت ریاست کی ذمہ داری ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کے وقت میں معاشرے میں اس مقصد کے لئے کسی نئی قانون سازی کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر مطلقہ عورت کو عدت کے فوراً کئی لوگوں کی طرف سے رشتوں کی پیش کش ہوتی۔ اور وہ ان میں سے کسی سے شادی کر لیتی تھی۔ اس وقت کی سوسائٹی میں مطلقہ خاتون کے لئے فوراً شادی کرنا نہایت مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ اور مرد بھی کسی مطلقہ خاتون سے شادی کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ کتب احادیث میں ایسی بیسیوں صحیح روایات موجود ہیں اور تاریخ کی کتابوں میں ایسے سینکڑوں واقعات موجود ہیں جن سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

لیکن آج کی برصغیر کی مسلم سوسائٹی کی صورتحال بالکل مختلف ہے۔ یہاں مطلقہ ہونا ایک بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ عموماً اسے کوئی مرد قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اور عام طور پر اسے طلاق بھی ایسے وقت میں دی جاتی ہے جب اس کے ماں باپ بہت بوڑھے یا

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مر چکے ہوتے ہیں اوراس کے سب بہن بھائیوں نے اپنے گھر بسائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یوں وہ اس بھری دنیا میں تنہا اور بے یارو مددگار ہوکر حسرت و یاس کی ایک تصویر بن جاتی ہے۔ چنانچہ یہ لازم ہے کہ اس کے مستقبل کے لئے مناسب قانون سازی کی جائے۔ایسی قانون سازی کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ جب تک عورت اگلی شادی نہ کرے تب تک پہلے خاوند پر ماہانہ کچھ رقم مقرر دی جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ مرد طلاق کے وقت ایک معقول رقم عورت کے حوالے کردے پہلا طریقہ اسلام کی روح سے زیادہ مطابقت نہیں رکھتا۔اس لئے کہ اس میں عورت کو یہ ترغیب ملتی ہے کہ وہ دوسری شادی نہ کرے۔ جب کہ اسلامی معاشرے کی روح یہ ہے کہ ہر بالغ مرد وعورت کو شادی کر لینی چاہیئے ۔مزید یہ کہ اس میں عورت مستقل طور پر پہلے خاوند پر dependent رہتی ہے۔ پرانی یادیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں اور وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے مناسب منصوبہ بندی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ دوسرا طریقہ ہی زیادہ مناسب ہے۔یعنی یہ کہ یہ قانون بنایا جائے کہ تیسری طلاق کے وقت قانون کی رو سے مرد پر ایک کم از کم رقم تو فوری طور پر دینا لازم قرار دیا جائے۔اوراس کے بعد عدالت تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس رقم میں کمی بیشی کا فیصلہ کرے۔عدالت کو اس موقعہ پر کئی امور اپنے سامنے رکھنے ہونگے۔مثلاً یہ کہ بنیادی قصور کس کا تھا۔اس جوڑے کا اکٹھا عرصہ کتنا گزرا۔ کیونکہ جتنا عرصہ اکٹھا گزرا ہوگا اس تمام عرصے میں بیوی نے بلا معاوضہ شوہر کی خدمت کی ہوگی اوراب عورت کو نیا شوہر ملنے میں اتنی ہی زیادہ مشکل پیش آئے گی اور یہ کہ میاں بیوی کے ذاتی مالی حالات کیسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس طریقہ میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مرد کے لئے بھی ہمیشہ کا کوئی دردسر باقی نہیں رہتا اورعورت بھی پوری طور پر اپنی نئی زندگی شروع کرسکتی ہے چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان ریاست اس بارے میں فوری قانون سازی کرے۔اس طرح ظلم کا راستہ بند ہوجائے گا اور معروف واحسان کا راستہ کھل جائے گا۔تاہم جب تک حکومت ایسا نہیں کرتی تب تک سب لوگوں کو چاہیئے کہ وہ معاہدہ نکاح میں اس کو بطور شرط درج کریں۔

اگلا سوال یہ ہے کہ اگر ایک مرد اپنی بیوی کو تیسری مرتبہ بھی طلاق دے دے تو کیا پھر بھی کوئی ایسا راستہ موجود ہے جس سے یہ دونوں ایک دفعہ پھر میاں بیوی بن سکیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک صورت میں ایسا ممکن ہے۔وہ یہ ہے کہ اگر عورت کسی اور مرد سے شادی کرلے۔پھر اتفاقاً وہ دوسرا مرد بھی اس کو طلاق دے دے یا وہ فوت ہوجائے تو یہی عورت اپنے پچھلے شوہر سے ایک دفعہ پھر بھی شادی کرسکتی ہے۔سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآاِنْ ظَنَّآاَنْ يُقِيمَا حُدُوْدَاللهِ وَتِلكَ حُدُوْدَاللهِ يُبَيِّنُهُمَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔

''پھر اگر وہ مرد اس عورت کو آخری طلاق دے تو اس کے بعد وعورت اس مرد کے لئے جائز نہیں ہے۔حتٰی کی اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ بھی اس عورت کو طلاق دے دے۔تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت خیال کریں کہ وہ حدوداللہ پر قائم رہیں گے تو ان کے لئے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں'' (بقرہ -2، آیت-230)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دین خاندان کو اکٹھا رکھنے اور انہیں بار بار اکٹھا ہونے کا موقعہ دینے میں اتنا حساس ہے کہ وہ بار بار علیحدگی کے باوجود ایک راستہ کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ آج کل جس چیز کو ''حلالہ'' بولتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''حلالہ'' کے لفظ کا اصل دینی مفہوم تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔لیکن آج کل حلالہ سے جو مطلب لیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص عام طور پر غصے کے عالم میں یا کسی بھی وجہ سے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے اور پھر پشیمان ہو جاتا ہے تو ایک سازش تیار کی جاتی ہے۔وہ یہ کہ عورت کا نکاح جعلی طور پر کسی دوسرے فرد کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔پھر وہ اس مرد کے ساتھ چند راتیں گزارتی ہے۔اس کے بعد وہ مرد اسے طلاق دیتا ہے اور عدت کی مدت گزرنے کے بعد سابقہ خاوند اس عورت سے دوبارہ شادی کر لیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ نکاح نہیں بلکہ ایک سازش اور فراڈ ہے۔کیونکہ نکاح کی اصطلاح صرف اس ازواجی معاہدے کو کہتے ہیں جس میں مرد اور عورت، میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بھر اکٹھے رہنے کا ارادہ رکھیں۔جس رشتے میں یہ ارادہ نہ ہو وہ نکاح نہیں ہے بلکہ محض بدکاری ہے۔اسی لئے ابن ماجہ کی ایک حدیث کے مطابق حضورؐ نے ایسے شخص کو ''کرائے کے سانڈ'' سے تشبیہ دی ہے۔نیز ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا: ''تحلیل کرنے والے اور تحلیل کرانے والے دونوں پر اللہ نے لعنت کی ہے''

ایسا حلالہ شرف انسانیت کے خلاف ایک سازش ہے۔اس لئے آج کے حالات میں یہ لازم ہے کہ قانون کے ذریعے اس سازش کا سد باب کیا جائے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ طلاق کی صورت میں بچوں کا کیا کیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملے میں اگر مرد وعورت خود کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں تو بہت بہتر ہے ورنہ عدالت حالات کے لحاظ سے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

بچوں کے ضمن میں کوئی بھی فیصلہ کرسکتی ہے۔تاہم اس ضمن میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ شیر خوار اور چھوٹے بچوں کی کفالت اور پرورش میں ماں ہی کو ترجیح حاصل ہوگی۔ابوداؤد کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

> ایک عورت نے رسول اللہؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ یہ میرا بیٹا ہے۔ وہ میرے ہی پیٹ میں رہا۔ میرے ہی چھاتیوں سے اس نے غذا حاصل کی۔ میری گود ہی اس کا گھر تھا۔اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے۔اور وہ چاہتا ہے کہ اس بچے کو مجھ سے لے لے۔ نبیؐ نے فرمایا: تم ہی اس کو رکھنے کی زیادہ حق دار ہو جب تک تم نکاح نہ کرلو۔(یعنی اس صورت میں عدالت کے سامنے ماں اور باپ دونوں کا معاملہ یکساں طریقے سے زیرِ غور ہوگا)

اگر بچہ سمجھدار ہو تو اس کی خواہش کو ترجیح حاصل ہوگی۔حضورؐ نے بعض مقدمات میں بچے کی خواہش پر فیصلہ دیا ہے۔

اسلام کے تصور خاندان کے اہم پہلوؤں کی وضاحت کے بعد مناسب ہے کہ ایک اور سوال پر بھی بحث کی جائے۔ وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی زندگی کے آخری نو سالوں میں یعنی چون برس سے لے کر چونسٹھ برس تک کی عمر کے دوران میں کئی شادیاں کیں۔ جب کہ اس سے پہلے پورے پچیس برس میں تک ان کی صرف ایک ہی بیوی تھی جو کہ ان سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھی۔ پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت آپؐ کی عمر پچاس برس تھی۔اس وقت آپؐ نے ایک اور ادھیڑ عمر خاتون سے شادی کر لی اور اگلے تین برس تک وہی آپؐ کی اکیلی بیوی رہیں۔لیکن جب آپؐ مدینہ تشریف لے آئے تو اس کے کچھ عرصہ بعد آپؐ نے زندگی کے آخری نو سالوں میں بہت سی شادیاں کیں۔اس بظاہر متضاد طرزِ عمل کی کیا توجیہہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح زندگی کے بہت سے دوسرے میدانوں میں پیغمبرؐ کے لیے خدا کی طرف سے مقرر کردہ قانون، عام لوگوں کے قانون سے مختلف تھا۔اسی طرح نکاح وطلاق کے ضمن میں بھی حضورؐ کے لیے قانون بہت مختلف تھا۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کو اپنی زندگی میں ہی ایک مسلم امت کی تشکیل کرنی تھی۔جس کے لیے یہ سب کچھ ناگزیر تھا۔ان تمام قوانین کو قرآن مجید کی سورہ احزاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ آیت نمبر چھ، اٹھائیس، چالیس، اور پچاس تا باون میں بیان کیا گیا ہے۔ان کے مطابق حضورؐ کی شادیوں کا سارا معاملہ پروردگار نے خود کنٹرول کیا۔ایک خاص دائرے سے باہر آپؐ کی شادی پر پابندی لگا دی گئی۔آپؐ پر یہ پابندی بھی لگادی گئی کہ آپ اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دے سکتے۔آپؐ کی بیویوں پر بھی یہ پابندی لگا دی گئی کہ آپؐ کی وفات کے بعد وہ دوسری شادی نہیں کرسکتیں۔انہیں مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا۔اور ان پر بھی عام مسلمان خواتین کی نسبت اضافی پابندیاں عائد کی گئیں۔

آپؐ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں۔شادی کے وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی اور خدیجہؓ کی چالیس برس۔اس شادی

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

سے پہلے خدیجہؓ تین دفعہ بیوہ ہوئی تھیں۔ان کے پہلے تینوں خاوند یکے بعد دیگرے وفات پا چکے تھے۔اگلے پچیس برس تک وہ حضورؐ کی واحد بیوی تھیں۔جب ان کی وفات ہوئی تو اس وقت حضورؐ کی عمر پچاس برس اور خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ برس تھی۔گویا حضورؐ نے اپنی پوری جوانی ایک ادھیڑ عمر بیوہ خاتون کے ساتھ گزاری۔آپؐ انہی کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور آپؐ نے ہمیشہ اس کا اظہار کیا۔

جب خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو کچھ مہینے بعد آپؐ نے سودہؓ سے نکاح کرلیا۔وہ بھی پچاس سال کی ایک پختہ عمر بیوہ خاتون تھیں۔ اس وقت آپ ابھی مکہ میں ہی تھے۔

ترپین برس کی عمر میں آپؐ نے مدینہ ہجرت کی۔اور اپنی وفات تک یعنی اگلے گیارہ برس تک آپ مدینہ میں رہے۔یہی وہ دور تھا جب آپؐ کو کئی شادیاں کرنی پڑیں۔اس وقت خواتین کے نقطہ نظر سے چند اہم ضروریات سامنے آ گئیں۔ایک یہ کہ مسلمانوں کی آبادی بہت تیزی سے بڑھنے لگی۔ان کی خواتین کی بہترین تربیت کیلیے ایسی خواتین کی ضرورت تھی جو براہ راست حضورؐ سے تربیت یافتہ ہوں۔دوسری یہ کہ بعض اہم ترین قبیلوں سے مسلمانوں کی بڑی دشمنی تھی۔ان قبیلوں کو مسلم امت میں ضم کرنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ ان کی رشتہ داری آپؐ سے قائم کر دی جائے۔یہ بھی ضروری تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد ایسی خواتین موجود ہوں جو اسلامی معاشرت کو پھیلائیں۔اور خواتین ان کے پاس آ کر ان سے فیض حاصل کریں۔عرب میں معاشرت سے متعلق کچھ ایسے غلط رواج بھی تھے۔جنہیں توڑنا ضروری تھا۔ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے آپؐ نے زندگی کے آخری دس سالوں میں کئی نکاح کیے۔ان میں صرف عائشہؓ کنواری تھیں۔باقی سب کی سب بیوائیں یا مطلقہ تھیں۔ان میں سے ہر شادی کے ذریعہ سے اشاعت اسلام میں مدد ملی۔

درج بالا بحث کو سامنے رکھ کر ہر دیانت دار انسان یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آخری عمر میں آپؐ کی شادیوں کے پیچھے ہرگز کوئی جنسی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔بلکہ امت مسلمہ کی تشکیل کے سلسلہ میں یہ سب نکاح پروردگار کے براہ راست حکم کے تحت کیے گئے۔حضورؐ کی شادیوں کا یہی پس منظر ہے۔اس لیے قرآن مجید نے بہت واضح طور پر کہا کہ پیغمبر کے لیے نکاح وطلاق کا قانون باقی امت سے مختلف ہے۔

اب ہم اس پورے باب کا خلاصہ نکات کی شکل میں بیان کریں گے۔

۱: نکاح کے رشتے سے باہر جنسی تعلق ممنوع ہے۔

۲۔ نکاح ایک بالغ مرد اور عورت کے درمیان آزادانہ اور اعلانیہ پختہ معاہدہ ہے۔

۳۔ مثالی میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے لباس کی مانند ہیں۔ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔عام حالات میں

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

دونوں کے حقوق وفرائض برابر ہیں۔

۴۔ مرد اپنی بیوی کی تمام جائز ضرورتیں پوری کرے گا۔ اسے تنگ نہیں کرے گا۔ اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرے گا۔

۵۔ بیوی اپنے شوہر کی فرماں بردار، اطاعت گزار اور اس کے رازوں کی حفاظت کرے گی۔

۶۔ خاندان کا سربراہ یعنی محافظ ونگہبان اور ضروریات مہیا کرنے والا شوہر ہے۔

۷۔ عام حالات میں شوہر کو قطعاً یہ اجازت نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو مارے۔

۸۔ اگر بیوی بغاوت پر اتر آئے تو شوہر خاندان کے بچاؤ کی خاطر ہلکی سزا بھی دے سکتا ہے۔

۹۔ اگر میاں بیوی کے درمیاں سخت جھگڑا ہو جائے تو مرد اور عورت اپنا اپنا نمائندہ مقرر کریں جو معاملے کا تصفیہ کریں۔

۱۰۔ مہر بیوی کا حق ہے۔

۱۰۔ بعض قریب ترین رشتہ داروں کا آپس میں نکاح ممنوع ہے۔

۱۱۔ معاہدہ نکاح میں ایسی شرائط شامل کی جاسکتی ہیں جن سے بیوی کو تحفظ کا احساس ہو۔

۱۳۔ مناسب ہے کہ مرد وعورت کی شادی میں خاندان کی پوری رضامندی شامل ہو۔ تاہم فیصلہ کن اختیار خود مرد وعورت کا ہے۔

۱۴۔ نکاح کی عمر بلوغت کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔

۱۵۔ عام حالات میں بیوی وظیفہ زوجیت سے انکار نہیں کرسکتی۔

۱۶۔ وٹے سٹے کی شادی ممنوع ہے۔

۱۷۔ مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کا حق صرف معاشرتی صورتحال کی مجبوری کے ضمن میں ہے۔ سب بیویوں کے درمیان عدل وانصاف لازم ہے۔

۱۸۔ ایک مرد وعورت کے ضمن میں طلاق کا حق زندگی میں تین مرتبہ ہے۔

۱۹۔ صحبت والی حالت طہر اور حالت حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے۔

۲۰۔ اکٹھی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جانا چاہیئے۔ اور مرد کو سزا بھی دینی چاہیئے۔

۲۲۔ طلاق لینا یعنی خلع عورت کا حق ہے۔ اس موقعہ پر یہ ضروری نہیں کہ وہ شوہر کوئی الزام لگا کر خلع حاصل کرے۔ اس موقعہ پر باہم رضامندی کے تحت عورت اپنے مہر کا کچھ حصہ واپس کرسکتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

۲۳۔ معاہدہ نکاح میں بیوی کو حق طلاق تفویض نہیں کیا جا سکتا۔

۲۴۔ '' ایلا'' کی زیادہ سے زیادہ مدت چار مہینے ہے۔

۲۵۔ '' ظہار'' کے وقت طلاق واقع نہیں ہوتی ۔ البتہ شوہر لکو دو مہینے کے روزے رکھنے ہونگے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا ہوگا۔

۲۶۔ لعان کا فیصلہ قسموں کی بنیاد پر ہوگا۔

۲۷۔ تیسری طلاق کے بعد بھی مرد عدت کے دوران میں بیوی کی سکونت اور نفقہ کا ذمہ دار ہے۔

۲۸۔ حلالہ کا دینی مفہوم الگ ہے اور حلالہ کا موجودہ مفہوم الگ ہے۔ آج کل جس چیز کو حلالہ کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں ایک فراڈ ہے۔

۲۹۔ طلاق کی صورت میں بچوں کے معاملے میں حالات کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

۳۰۔ حضورؐ کی زندگی کے آخری نو سال کی تمام شادیاں کار رسالت کی انجام دہی کے ضمن میں پروردگار کے حکم سے ہوئیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس باب میں حکومتی قانون سازی کے ضمن میں بھی کچھ سفارشات کی گئی ہیں۔ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱: گھریلو تشدد کے خلاف ریاستی سطح پر قانون سازی ہونی چاہیئے ۔

۲: نیا نکاح فارم بنایا جائے جس میں ایسی تمام شرائط واضح طور پر درج ہوں جن سے عورت کو احساس تحفظ ہو۔

۳: کورٹ میرج کی صورت میں یہ لازم ہے کہ اس کا فوری اعلان عام عدالت کی طرف سے ہو۔

۴۔ شادی کے ضمن میں عورت کے آزادانہ اختیار کے ضمن میں واضح ریاستی قانون بنایا جائے۔

۵: نابالغ کے نکاح کو ممنوع قرار دیا جائے۔

۶: وٹے سٹے کی شادی، قرآن مجید سے شادی اور اس طرح کی دوسری غیر اسلامی رسموں کے خلاف قانون سازی کی جائے۔

۷: یہ قانون بنایا جائے کہ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرنے سے پہلے عدالت سے پیشگی اجازت لے گا۔اور عدالت، بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنے کے ضمن میں اس پر مناسب پابندیاں لگائے گی۔

۸: بیک وقت دی گئی تمام طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنے کے لئے قانون سازی کی جائے۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

۹: خلع کے ضمن میں یہ بات قانون میں واضح کر دی جائے کہ ایسے کیسوں میں بیوی کو شوہر کے خلاف کوئی الزام لگانے یا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۰۔ طلاق کے بعد خاتون کے مستقبل کی حفاظت کے لئے قانون سازی کی جائے۔

۱۱۔ قانون میں صحیح دینی حلالہ کا تصور واضح کیا جائے اور آج کل حلالہ کے نام سے جو فریب کاری کی جاتی ہے اسے ممنوع قرار دیا جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

باب چہارم

عورت اور سیاست

اس موضوع کے حوالے سے تین سوالات اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا اسلام خواتین کو حق رائے دہی استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ دوسرا یہ کہ کیا خواتین انتخاب میں حصہ لے سکتی ہیں؟ اور تیسرا یہ کہ کیا ایک خاتون سربراہ مملکت بن سکتی ہے؟
ریاست کے اجتماعی امور چلانے کے لیے اسلام نے جو ضابطہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام اجتماعی و سیاسی امور باہمی مشورے یعنی جمہوری اصولوں اور جمہوری کلچر کے مطابق طے کئے جائیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وامرهم شوریٰ بینهم

(ان مسلمانوں) کے تمام امور باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں" (شوریٰ 42، آیت 38)

قرآن مجید کے اس ارشاد میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ اس لئے ایک مسلمان ریاست کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مردوں کی طرح عورتوں سے بھی رائے لینے کا اہتمام کرے۔ ان کو ووٹ کا حق دے اور مردوں کی طرح خواتین کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ تمام اجتماعی امور میں رائے دیں۔ قرآن مجید میں ایک پیغمبر حضرت شعیبؑ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو ان کی بیٹی نے جو مشورہ دیا وہ انہوں نے قبول کیا۔ سورۃ بقرہ (233:2) میں شیر خوار بچے کے دودھ چھڑانے کے معاملے میں یہ ہدایت آئی ہے کہ شوہر اور بیوی باہمی مشورے سے یہ فیصلہ کریں۔

حضورؐ نے بھی کئی معاملات میں خواتین سے مشورہ کیا اور ان کے مشوروں کو قبول بھی کیا۔ اس ضمن میں سب سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب صحابہ کرامؓ بہت غمگین تھے اور حضورؐ نے انہیں ایک حکم دیا تو اس پر عمل کرنے کے لئے کوئی شخص بھی نہ اٹھا۔ اس پر حضورؐ نے اپنی ایک اہلیہ حضرت اُم سلمہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ اور اس مشورے کے نتیجے میں تمام صحابہ کرامؓ اٹھ کر عمل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

صحابہ کرامؓ اجمعین بھی خواتین کو شریک مشورہ رکھتے تھے۔ صحیح روایات میں اور تاریخی کتابوں میں کئی ایسے واقعات نقل کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خواتین سے مشورے لیتے تھے اور ان کے مشوروں پر عمل بھی کرتے تھے۔ مثلاً صحیح بخاری کی ایک

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

روایت کے مطابق مسلمانوں کے ایک اہم اجتماعی معاملے کے موقعہ پر ایک بہت مشہور صحابی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بہن حضرت حفصہؓ سے مشورہ کیا اور ان کے مشورے پر عمل کیا۔ خلفائے راشدین بھی خواتین کو شریک مشورہ رکھتے تھے۔ اس ضمن میں تاریخی کتابوں میں کئی واقعات درج ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو خلافت کے منصب پر فائز کرنے یا نہ کرنے کے ضمن میں حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ انہوں نے اس موقعہ پر خواتین سے بھی رائے لی تھی۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ضمن میں اسلام نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی کہ خواتین کو ذمہ داری کے مناصب نہیں دئے جا سکتے۔ جب وہ ذمہ داری کے منصب کو حاصل کر سکتی ہیں تو یقیناً وہ کسی بھی انتخاب میں امیدوار بھی بن سکتی ہیں۔ حضرت شفا بنت عبداللہ کو حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کا کام سونپا تھا (ملاحظہ ہو الاصابہ، الاستیعاب اور اسدالغابہ)۔ اسی طرح ایک اور صحابیہؓ حضرت سمرا بنت نہیک کو بھی بازاروں کی نگرانی کا کام سونپا گیا تھا اور وہ مجرموں کو سزائیں بھی دیتی تھیں (ملاحظہ ہو الاستیعاب)۔

اس امت کے ایک جلیل القدر فقیہہ امام ابن جریرؒ کے مطابق تمام مقدمات میں ایک عورت قاضیہ بن سکتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فوجداری مقدمات کے علاوہ وہ باقی تمام معاملات میں قاضیہ بن سکتی ہے۔ گویا اسلام کے مطابق ایک خاتون مشورہ بھی دے سکتی ہے، فیصلہ بھی کر سکتی ہے اور فیصلے پر عمل درآمد بھی کروا سکتی ہے۔ درج بالا دونوں سوالات کے ضمن میں اب امت مسلمہ کے اندر کوئی خاص اختلاف رہا بھی نہیں تاہم تیسرے سوال یعنی یہ کہ کیا ایک خاتون سربراہ مملکت بن سکتی ہے، پر بہت اختلاف رائے ہے۔ اس ضمن میں ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک خاتون کو کسی بھی صورت میں یہ حق نہیں کہ وہ ریاست کی سربراہ بنے اور دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسی کوئی پابندی اسلام میں موجود نہیں۔ ہمارا نقطہ نظر ان دونوں کے بین بین ہے۔ اس موقف کی وضاحت کے دوران میں باقی دونوں نقطہ ہائے نظر کے دلائل اور ہماری طرف سے ان پر تنقید ساتھ ساتھ آ جائے گی۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کے ایک اشارے کے مطابق ریاست کی سربراہی کے لئے جسمانی صلاحیتیں اور مردانہ خصوصیات بھی بہت پسندیدہ ہیں۔ تاہم یہ قرآن مجید کا ایک اشارہ ہی ہے، کوئی براہ راست حکم نہیں۔ گویا یہ ایک پسندیدہ امر ہے کہ مسلمان ریاست کا سربراہ مرد ہو۔ تاہم اس ضمن میں کوئی آئینی یا قانونی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ ایسی پابندی عائد کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس بارے میں قرآن مجید میں کوئی واضح حکم آیا ہو۔ اب ہم اس نکتے کی تفصیل بیان کریں گے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت داوٗدؑ نے اُس قوم کے لئے طالوت حکمران مقرر کیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے اعتراض کیا۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کا اعتراض اور پیغمبر کا جواب اس طرح نقل کیا ہے۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكاً قالو انیّٰ
یکون له الملك علینا ونحن احق بالملك منه ولم یؤت سعةً
من المال قال ان الله اصطفٰه علیکم وازده بسطةً فی العلم
والجسم والله یؤتی ملکه من یشآءُ والله واسع علیم۔

’’بنی اسرائیل نے کہا: یہ ہمارے حکمران کیسے ہوسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ تو ہم اس حکومت کے حق دار ہیں اور یہ تو وہ شخص ہے کہ اسے مال ودولت کی وسعت بھی حاصل نہیں ہے۔ ان کے پیغمبر نے فرمایا: اللہ نے اسی کو تمہاری سربراہی کے لئے منتخب کیا ہے اور (دیکھو اس کے لئے اسے) علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی‘‘ بقرۃ -2، آیت 247)

اس آیت میں یہ اشارہ موجود ہے کہ حکمران کے لئے جسمانی وجاہت بھی بہت پسندیدہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی وجاہت مردوں میں ہی ہوسکتی ہے۔ تاہم یہ ایک اشارہ ہی ہے واضح حکم نہیں۔ اس لئے کہ اگر قرآن مجید کے پیش نظر اس ضمن میں کوئی واضح حکم دینا مقصود ہوتا تو وہ ایسا کر دیتا۔ یہ قرآن مجید کا ایک معروف اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اس سے متعلق مختلف احکام بھی بیان کر دیتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں یمن کی ایک خاتون حکمران، ملکہ سبا، کا واقعہ سورہ نمل میں بیان ہوا ہے۔ جسے حضرت سلیمانؑ نے اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگئی۔ تاہم اس موقعہ پر قرآن مجید نے اس خاتون کی حکمرانی کی نہ تصویب کی، نہ تغلیط۔ قرآن مجید اس پر بھی خاموش ہے کہ اس خاتون کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو اپنی حکومت پر بحال رکھا گیا یا نہیں۔ اگر قرآن مجید اس بارے میں کوئی دوٹوک بات کہنا چاہتا تو یہ بہت مناسب موقعہ تھا کہ وہ اس ضمن میں دینی حکم کی وضاحت بھی کر دیتا۔ تاہم جب قرآن مجید نے اس معاملے کو اجمال میں رکھا ہے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حکمرانی کے لئے مردانہ وجاہت پسندیدہ ہے مگر لازم نہیں۔

عورت کی حکمرانی کے خلاف دو مزید آیات سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ ایک سورۃ بقرہ-2 کی آیت 228 اور دوسری سورہ نساء-4 کی آیت 34۔ تاہم ان آیات سے اس ضمن میں کوئی استدلال نہیں کا جاسکتا۔ یہ دونوں آیات میاں بیوی سے متعلق ہیں۔ یعنی یہ کہ جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں شادی کرلیں تو اس اجتماعیت میں سربراہ شوہر ہوگا۔ بہرحال ان دونوں آیات سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ سربراہی کے لئے مرد ہی زیادہ موزوں ہے۔ تاہم اگر قرآن مجید ریاست کے متعلق اس نکتے پر زور دینا چاہتا تو وہ خاندان کی طرح ریاست کے بارے میں بھی ایسی ہی وضاحت کے ساتھ یہ بات کہتا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

جہاں تک روایات کا تعلق ہے، دو روایات ایسی ہیں جن کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ پہلی روایت صحیح بخاری کی ہے۔ ابو کبرہؓ صحابی سے روایت ہے کہ جب حضورؐ کو یہ اطلاع ملی کہ ایران میں سابقہ بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنادیا گیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے عورت کو حکمران بنادیا ہو''اس روایت کے ضمن میں چند اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں:

☆ اس حدیث کے راوی حضرت ابو کبرہؓ کے مطابق ان کو یہ روایت جنگ جمل کے موقعہ پر یاد آئی۔ جنگ جمل 36ھ میں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی افواج کے درمیان میں ایک سازش کے تحت لڑی گئی۔ گویا حضرت ابو کبرہؓ نے یہ بات حضورؐ سے کم وبیش تیس برس پہلے سنی تھی۔ اس دوران میں ان کو یہ بات یاد نہیں تھی اور ایک خاص موقعہ پر یاد آئی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

☆ حضورؐ سے یہ بات یقیناً بہت دوسرے صحابہؓ نے بھی سنی ہوگی۔ کیونکہ یہ بات ہے ہی اتنی اہم۔لیکن اور کسی صحابی سے یہ بات روایت نہیں ہوئی۔ جنگ جمل کے موقعہ پر دونوں طرف ہزاروں صحابہؓ کرام موجود تھے۔لیکن اور کسی کو یہ بات یاد نہیں آئی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس حدیث کی بنا پر کسی صحابی نے حضرت عائشہؓ کا ساتھ بھی نہیں چھوڑا۔ ظاہر ہے کسی حدیث پر عمل کرنے کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟

☆ درایت کے اعتبار سے بھی یہ واضح ہے کہ حضورؐ ایسی بات نہیں فرما سکتے۔ اس لئے کہ دینوی فلاح تو ان قوموں نے بھی پائی ہے جہاں عورتیں حکمران رہی ہیں۔ جہاں تک اخروی فلاح کی بات ہے تو ان میں مرد وعورت کی کوئی تمیز نہیں۔

☆ اس حدیث کے ایک درمیانی راوی عوف بن ابی جمیلہ اس گروہ میں سے ہیں جو حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتے تھے۔ یہ بات سب مورخین جانتے ہیں کہ ایک خاص گروہ کے کچھ افراد کی طرف سے حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کی پوری مہم چلائی گئی۔ اس لیے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی طرف دار تھیں۔

☆ یہ حدیث درحقیقت خبر واحد ہے۔ خبر واحد کا مطلب یہ ہے کہ روایت کی تمام کڑیوں میں سے کسی نہ کسی کڑی پر صرف ایک آدمی اس کو آگے روایت کرتا ہے۔ اور اس روایت کے بیان کرنے میں اس کے ساتھ دوسرا کوئی شریک نہیں ہوتا۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ خبر واحد سے کوئی دینی حکم، ثابت نہیں ہوتا۔

☆ حضرت عائشہؓ کے حالات پر یہ حدیث سرے سے منطبق نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے قطعاً حکمرانی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔

> دوسری روایت ترمذی کی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:''جب تمہارے حکمران تم میں بہترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہوں تو اس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں ، تمہارے دولت مند لوگ کنجوس ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد کر دئے جائیں تو پھر تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔''

یہ روایت اپنے مضمون کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور اس میں معاملات سے متعلق بات کا مفہوم یہ ہے کہ ہر اچھے معاشرے میں جمہوری اصول کارفرما ہونا چاہیئے یعنی ہر معاملے میں مردوں اور عورتوں اور تمام طبقات کی رائے کا شامل ہونا اور اس رائے کا احترام لازم ہے۔تاہم اگر کسی معاشرے میں مرد اجتماعی معاملات سے بالکل ہی بیگانہ ہو جائیں، ہاتھ پیر توڑ کر انتہائی سست اور عیاش بن جائیں اور ذمہ داری کے تمام کام کا کلیۃً عورتوں کے حوالے کر دیں اور عورتیں مجبوراً ان کاموں کو سنبھال لیں تو یہ ایک بڑی ہی ناپسندیدہ صورت حال ہے۔ گویا یہ روایت عورتوں کے خلاف نہیں بلکہ اصلاً مردوں کی سستی اور عیاشی کی مذمت میں ہے۔

اس مسئلے کے ضمن میں احادیث کی چھ اہم کتابوں میں صرف یہی دو روایات ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہونی چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کے جنگ جمل کے موقعہ پر اقدام سے یہ جواز نکالنا کہ اسلام میں خواتین کی حکمرانی کوئی پسندیدہ کام ہے ، بھی غلط ہے۔اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے قطعاً حکمرانی کا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔وہ تو حج کے لئے مکہ تشریف لائی تھیں۔مکہ میں ان کو حالات کی سنگینی کا احساس ہوا تو مدینہ واپس جانے کے بجائے بصرہ چلی گئیں۔اس اثنا میں وہ سب لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے جو حضرت علیؓ کے سیاسی مخالفین تھے۔ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ ،حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار کریں اور سزا دیں۔دوسری طرف حضرت علیؓ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ وہ ایسا کریں گے مگر جب حالات ان کے قابو میں ہو جائیں گے۔اس بات پر دونوں گروہوں کے درمیان تین دن تک گفتگو ہوتی رہی۔گفتگو کامیاب ہوئی ایک معاہدہ صلح پر اتفاق رائے ہو گیا اور طے پایا کہ اگلے دن صبح معاہدہ لکھا جائے گا۔دونوں افواج میں ایسے سازشی عناصر موجود تھے جو ان دونوں کو آپس میں لڑانا چاہتے تھے۔چنانچہ انہوں نے ایسی سازش کی کہ دونوں طرف کے لوگ سمجھے کہ مخالف فریق نے وعدہ خلافی کر کے حملہ کر دیا ہے۔اس وقت حضرت عائشہؓ کجاوے کے اندر ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ان کا اونٹ اس مقصد سے میدان

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

جنگ میں لایا گیا کہ اس کو دیکھ کر لڑائی تھم جائے مگر اس سے مخالفین نے یہ سمجھا کہ اب وہ خود کمان کرنے کے لئے آ گئی ہیں۔ چنانچہ لڑائی نے اور زور پکڑ لی۔ بآلاخر اس لڑائی میں حضرت علیؓ کی فوج کو فتح حاصل ہوئی اور انہوں نے نہایت احترام کے ساتھ حضرت عائشہؓ کو مدینہ روانہ کر دیا (ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد -7 جنگ جمل)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ قطعاً حکمرانی کی دعویدار نہیں تھیں۔ انہوں نے میدان جنگ میں فوج کی کمان بھی نہیں کی تھی۔ اس سانحے کے بعد وہ بائیس برس مزید زندہ رہیں۔ یہ تمام وقت انہوں نے خواتین کی تعلیم و تربیت میں گزارا۔ اگر وہ کسی سیاسی قیادت کی دعویدار ہوتیں تو اس دوران میں لازماً مزید سیاسی سرگرمیاں دکھاتیں۔

ہمارے نزدیک اسلام کا یہ رویہ کہ اس نے مرد کی سربراہی کو اشارتاً پسند کیا مگر اسے لازم نہیں ٹھہرایا، بہت حکمت پر مبنی ہے۔ بعض اوقات معاشرے میں ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں جب ایک قوم یا ایک بڑا طبقہ صرف ایک عورت کی قیادت پر ہی متفق ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب ایک سربراہ اچانک فوت ہو جائے یا اسے قتل کر دیا جائے۔ قریبی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خواتین کو مجبوراً اس وقت میدان قیادت میں اترنا پڑا ہے جب ان کے باپ یا خاوند کسی اچانک حادثے کا شکار ہوئے۔ ورنہ عموماً اس ذمہ داری کو پسند نہیں کرتیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

باب پنجم

عورت اور اسلامی قانون

اسلامی قانون میں عورت کی حیثیت کے حوالے سے چند امور بہت اہم ہیں۔ان میں سب سے پہلا مسئلہ عورت کی گواہی سے متعلق ہے۔ عام نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کی گواہی میں فرق ہے۔یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور حدود یعنی قتل، ڈاکہ، چوری اور زنا کے معاملات میں عورت کی گواہی سرے سے ہی معتبر نہیں۔ مناسب ہے کہ اس نقطۂ نظر کے دلائل کو پیش کر کے پھر اس کا تجزیہ کیا جائے۔اس نقطۂ نظر کے حامیوں کی دلیل یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں قرض کے لین دین کی دستاویز لکھنے کے بارے میں قرآن مجید نے یہ ہدایت دی ہے کہ "اس پر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی گواہی لو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو۔ دو عورتیں اس لئے کہ اگر ایک الجھے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو" (بقرہ 2۔آیت 282 کا ایک حصہ)۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً عورتوں کی کسی بھی معاملے میں گواہی مردوں کے مقابلے میں نصف ہے۔ نیز صحیح بخاری کتاب الحیض کی ایک روایت سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔جس میں عورتوں کو "ناقصات عقل و دین" قرار دیا گیا ہے۔اس روایت کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے۔

"قلن: وما نقصان دیننا و عقلنا یا رسول اللّٰه؟ قال الیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل؟ قلن: بلٰی۔ قال فذالك من نقصان عقلها۔ الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم؟ قلن: بلٰی۔ قال فذالك من نقصان دینها۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الحیض)

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ترجمہ: عورتوں نے پوچھا۔ یارسول اللہ ہمارے دین اور عقل میں کیا نقص ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ کیا عورت کی شہادت مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں ہے۔ عورتوں نے کہا۔ ہاں ایسا ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ اس کے عقل میں نقص کی دلیل ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ حیض کے دنوں میں عورتوں کو نماز اور روزہ چھوڑنا ہوتا ہے؟ عورتوں نے کہا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ اس کے دین میں نقص ہے۔

درج بالا دو دلائل کے بعد اس نقطۂ نظر کے حامیوں کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ حدود یعنی بڑے جرائم کا معاملہ بہت ہی حساس ہے، اور ان کے معاملے میں کوئی کمزوری بھی برداشت نہیں کی جانی چاہیئے۔ اس لئے حدود کے معاملات میں عورت کی گواہی کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

درج بالا موقف کے مقابلے میں ایک دوسرا نقطۂ نظر بھی ہے۔ اس نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے مطابق مرد و عورت میں عقل و دین کے اعتبار سے اصلاً کوئی فرق نہیں۔ دونوں کے حقوق و فرائض آپس میں ہم مرتبہ و ہم پلہ ہیں۔ سورۃ بقرہ کی متعلقہ آیت کی ہدایت کی اصل روح یہ ہے کہ جس معاملے میں بھی کسی فریق کو عام طور پر زیادہ سروکار نہ ہو وہاں اس کے ساتھ بطور مددگار مزید گواہ بھی مقرر کر دئے جائیں۔ نیز اس آیت کا تعلق صرف دستاویزی شہادت سے ہے۔ کسی واقعے یا جرم کے متعلق شہادت کا اس سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ باقی رہی جہاں تک حدیث کی بات تو اس واقعہ سے متعلق مزید تمام رروایات کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل معاملہ شاید یوں نہ تھا جیسا اس روایت میں بیان کیا گیا۔ یہ روایت درایت (یعنی عقل و فہم) پر بھی پوری نہیں اترتی۔ نیز یہ کہ عربی کے لفظ "نقص" کا مطلب صرف خامی یا کمزوری کے نہیں ہوتے بلکہ اس کا مطلب " رعایت دینا اور تخفیف کرنا" بھی ہے اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس میں لفظ "نقص" کے یہی معنی ہیں۔

اب ہم یہ دلائل تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

1۔ جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ مرد و عورت کے دین میں اسلامی اعتبار سے کوئی فرق نہیں اس کی واضح دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں۔ چونکہ یہ آیات اس کتاب میں پہلے بھی آئی ہیں۔ اس لئے صرف ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

"مسلمان مرد اور مسلمان عورتین، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجز کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں، یقیناً ان سب کے لئے اللہ نے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مغفرت اوراجرعظیم تیار کر رکھا ہے"(احزاب 33 ۔ آیت 35)

آ گے ارشاد ہے۔

"میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔خواہ وہ مرد ہو یا عورت ۔تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔(آل عمران 3۔آیت 195)

آ گے ارشاد ہے۔

"مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے دوست (اور مددگار و معاون) ہیں۔ بھلائی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں اورزکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے"(توبہ 9۔آیت 71)

2۔ جہاں تک شہادت کے احکام کا تعلق ہے۔ یہ احکام قرآن مجید میں آٹھ مقامات پر آئے ہیں۔ان میں سے سات مقامات میں عورت و مرد کی کئی تخصیص نہیں۔ یہ سات مقامات درج ذیل ہیں۔

سورۃ نساء 4۔آیت 6،سورۃ نساء 4۔آیت 15،سورۃ مائدہ 5۔آیت 106 ،سورۃ مائدہ 5۔آیت 107،سورۃ نور 24۔آیت 4،سورۃ نور 24۔آیت 9-6 ،سورۃ طلاق 65۔آیت 2

واضح رہے کہ یہ معاملات جن میں مرد وعورت کے درمیان گواہی میں کوئی فرق نہیں،انتہائی سنجیدہ معاملات ہیں۔تاہم صرف ایک مقام یعنی سورۃ بقرہ 2۔آیت 282 میں ایک خاص معاملے میں مرد وعورت کے درمیان فرق کیا گیا ہے اور یہ معاملہ درج بالا معاملوں کے مقابلے میں اتنی زیادہ اہمیت کا حامل نہیں۔ چنانچہ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس خاص معاملے میں وہ کیا بات پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے یہاں عام ڈگر سے ہٹ کر ایک مختلف قانون بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ بقرہ 2 کی آیت 282 بنیادی طور پر اس معاملے سے بحث کرتی ہے کہ جب سوسائٹی کے اندد وافراد آپس میں قرض کا لین دین کریں تو اس کی دستاویز لکھ لینی چاہیئے ۔قرض ادا کرنے والا دستاویز لکھوائے۔جس تعلیم یافتہ فرد کو یہ دستاویز لکھنے کے لئے درخواست کی جائے۔ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ دستاویز پر دو مرد گواہ بنا لئے جائیں۔ یہ گواہ قریبی ، پسندیدہ اور قابل اعتماد ہونے چاہئیں اور اگر دو مرد موجود نہ ہو بلکہ ایک ہی مرد موجود ہو تو اس ایک مرد کے ساتھ ساتھ دو عورتوں کی گواہی بھی لے لی جائے۔تا کہ اگر ایک عورت الجھن میں پڑ جائے تو دوسری اسے یاددلا دے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اصل وجہ یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں عورتیں عام طور پر قرض کے لین دین سے دور رہتی تھیں۔ جو انسان جس معاملے سے جتنا لاتعلق ہو اس خاص معاملے میں اس کے بھولنے کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمارے پاکستانی معاشرے میں باورچی خانے کا کام عام طور پر خواتین سرانجام دیتی ہیں اور مرد اس سے لاتعلق ہوتے ہیں۔ اگر ایک دن کے لیے کسی مرد سے سالن پکانے کو کہا جائے تو یقیناً وہ یہ بھول جائے گا کہ نمک، مصالحہ، ٹماٹر اور گھی کب ڈالنا ہے اور کتنی مقدار میں ڈالنا ہے۔ اگر اس کے ساتھ یاد دلانے کے لئے دوسرا مرد موجود ہو تو دونوں مل کر ایک دوسرے کو یاد دلاتے رہیں گے۔ چنانچہ اگر کبھی ہماری عورتیں باہر جاتے وقت باورچی خانہ کسی مرد کے حوالے کریں تو بہتر یہ ہے کہ وہ ایک مرد کی بجائے دو مردوں کے حوالے کریں۔
بالکل یہی معاملہ اُس وقت کے معاشرے میں قرض کے لین دین سے متعلق تھا۔ چنانچہ یہ بہت مناسب تھا کہ اگر ایسی کسی دستاویز پر عورت کی شہادت کی ضرورت ہو تو ایک کے بجائے دو عورتیں اس پر دستخط کریں۔
اس ضمن میں دوسری بات یہ ہے کہ اسلام عورتوں کو زیادہ سے زیادہ رخصت دینا چاہتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ اگر ایسے معاملات میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو عورتوں کو عدالتوں میں گھسیٹا جائے اور وہ سارا سارا دن عدالتوں اور وکیلوں کی جرح کا سامنا کرتی رہیں۔ یہ کوئی اعزاز اور فخر کی بات تو نہیں بلکہ ایک تلخ اور ناگوار ذمہ داری ہے۔ اس لئے ایسی دستاویزوں پر بنیادی طور پر مردوں کو ہی گواہ بنانا چاہیے تاکہ عورتوں کو ناگوار کاموں کے بوجھ سے حتی الوسع بچایا جا سکے۔
اس آیت کی وضاحت کے ضمن میں تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ یہ آیت صرف دستاویزی شہادت (Documentry Evidence) سے متعلق ہے۔ اس کا واقعاتی شہادت (Circumstantial Evidence) سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی واقعہ یا کوئی جرم کسی سے پوچھ کر تو نہیں ہوتا۔ ممکن ہو اس وقت وہاں مرد ہوں۔ عورتیں ہوں۔ بچے ہوں۔ وڈیو کیمرہ ہو یا صرف آثار و قرائن مثلاً فنگر پرنٹس یا خون کے دھبے ہوں۔ لہذا کسی بھی واقعہ یا جرم سے متعلق عدالتی کارروائی میں ان سب چیزوں سے مدد لینی پڑیگی۔ گویا حدود سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔
چوتھی بات یہ ہے کہ یہ آیت خواتین کو ایک غیر معمولی رعایت دیتی ہے۔ انصاف و قانون کا عام طریقہ یہ ہے کہ اگر ایک گواہ اپنے بیان میں الجھ جائے یا کچھ چیزیں بھول جائے تو اس کی گواہی نہایت کمزور تصور کی جاتی ہے اور گواہی کے دوران میں اسے کسی اور گواہ سے مدد لینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اسلام نے خواتین کو یہ رعایت دی ہے کہ اگر وہ عدالت کے سامنے کنفیوز ہو جائے تو وہ دوسری گواہ سے بھی مشورہ کر سکتی ہے۔ خواتین کی عزت و وقار کو اسلام یقیناً بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔
3۔ جہاں تک بخاری کی روایت کا تعلق ہے اس ضمن میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ ہر صحیح روایت کو بھی اپنے جیسی دوسری روایات اور عقل و فہم (یعنی درایت) کی روشنی میں دیکھا جائے۔ صحیح بخاری کا یہی واقعہ مستند راویوں کے واسطے سے مسند احمد بن

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

حنبل میں بھی نقل ہوا ہے۔اس روایت کے مطابق یہ مکالمہ حضورؐ اور عام عورتوں کے درمیان نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ حضورؐ کے پاس گئی اور حضورؐ نے اکیلے میں ان سے یہ گفتگو کی۔یہی واقعہ مستند راویوں کے واسطے سے سنن دارمی میں بھی نقل ہوا ہے اور اس روایت کے مطابق یہ مکالمہ حضورؐ اور عورتوں کے درمیان نہیں ہوا بلکہ یہ دراصل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حتمی طور پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ آیا حضورؐ نے یونہی فرمایا تھا یا یہ آپؐ کا قول نہیں تھا۔

اسی روایت کو اگر درایت کی روشنی میں دیکھا جائے۔(درایت ایک اصطلاح ہے۔جس کا مطلب ہے کہ کسی روایت کا تجزیہ کرتے وقت عقل وفہم، عقل عام اور دوسرے ذرائع استعمال کرنا) تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی بات حضورؐ فرما ہی نہیں سکتے۔اس کی اصولی وجہ یہ ہے کہ سبب سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔نتیجے سے کبھی سبب برآمد نہیں ہوتا۔اس کی مثال یہ ہے کہ یہ فقرہ صحیح ہے کہ "فلاں لڑکا نالائق تھا اس لئے امتحان میں فیل ہوگیا" مگر یہ فقرہ صحیح نہیں کہ "فلاں لڑکا فیل ہوگیا۔اس لئے وہ نالائق ثابت ہوا" یہ فقرہ ال کی روشنی میں اس روایت کے اندر دلیل کو دیکھئے۔یہ روایت بتاتی ہے کہ چونکہ عورتوں کی س لئے صحیح نہیں کہ فیل ہونے کی نالائقی کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔

اب اس اصو گواہی آدھی ہے۔اس لئے ان کی عقل میں نقص ہے۔یہ دلیل ہی صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ نتیجے سے سبب کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔صحیح دلیل تو تب ہوتی جب یہ بتا دیا جاتا کہ فلاں فلاں دلائل کی رو سے یہ بات مسلمہ ہے کہ عورت کی عقل میں نقص ہے اس لئے اسلام نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ عورت کی گواہی آدھی رکھی جائے۔ظاہر ہے کہ ایسی کوئی خارجی دلیل اس دنیا میں موجود نہیں۔دنیا کے تمام تجربات اس بات پر متفق ہیں کہ علم اور یادداشت کے معاملے میں مرد وعورت میں عمومی طور کوئی فرق نہیں۔

یہ روایت یہ بھی بتاتی ہے کہ چونکہ ایام حیض کے دوران میں عورت نماز وروزہ چھوڑتی ہیں اس لئے اس کا دین آدھا ہے۔یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ بھی نتیجے سے سبب کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔صحیح طریقہ تو یہ ہوتا جب یہ بتایا جاتا کہ قرآن مجید کی رو سے عورت کے عقائد، ذمہ داریاں اور جرائم سب چیزیں آدھی ہیں۔اس لئے اس کی نماز وروزہ بھی آدھا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔مرد وعورت کا عقیدہ بھی بالکل برابر، زکوٰۃ وحج بھی دونوں پر لازم، جرائم کی سزا بھی دونوں کے لئے برابر۔گویا اصلاً ہر چیز میں دونوں برابر۔اب ذرا نماز اور روزے کا تجزیہ کرکے بھی دیکھ لیتے ہیں کہ ان کی اصل صورت حال کیا ہے۔اصل معاملہ یہ ہے کہ ایک خاتون کو عام طور پر مہینے میں سات دن ماہواری آتی ہے۔یعنی ایک چوتھائی دنوں میں وہ نماز نہیں پڑھتی اور باقی تین چوتھائی دنوں میں اسے بھی نماز پڑھنی ہے۔یہ آدھا تو نہ ہوا۔پھر یہ کہ ایک خاص عمر کے بعد اسے ماہواری نہیں آتی۔تب تو وہ مردوں کے بالکل برابر نماز پڑھتی ہے۔تب تو ذمہ داریاں بالکل پوری ہوگئیں۔تیسری بات

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

یہ کہ ماہواری کے ایام میں نماز نہ پڑھنے کا حکم پروردگار ہی کا دیا ہوا ہے۔ لہذا اس وقت میں ایک ماہواری والی عورت نماز نہ پڑھ کر خدا کا حکم پورا کر کے ایسا ہی اجر کماتی ہے جیسے دوسری خواتین نماز پڑھ کر، خدا کا حکم پورا کر کے کماتی ہیں۔ جہاں تک روزے کی بات ہے تو اس ضمن میں حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ماہواری کے دوران میں جتنے روزے چھوٹ جائیں، ان کا بعد میں رکھنا لازم ہوتا ہے۔ گویا سب عورتیں مردوں کے بالکل برابر روزے رکھتی ہیں۔ پھر آدھا دین کہاں سے ہوگیا۔

درج بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ درایت کے اعتبار سے اس روایت پر ایسے سوالات وارد ہوتے ہیں جو اس روایت کو بہت کمزور بنا دیتے ہیں۔

اس روایت کے ضمن میں ایک تیسری بات بھی قابل توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں "نقص" کا جو لفظ آیا ہے بے شک یہ اردو میں خامی اور کمزوری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی زبان میں اس سے مراد "رعایت دینا اور تخفیف کرنا" بھی ہیں۔ اگر اس حدیث میں یہ مفہوم رکھ دیا جائے تو پھر اس روایت کے سمجھنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ اس صورت میں اس روایت کا مطلب یہ بنے گا کہ عورتوں کو عدالت میں گواہی کے معاملے میں بھی رعایت دی گئی ہے اور دین کے بعض معاملات میں بھی ان کے لئے تخفیف کر دی گئی ہے۔

4۔ حضورؐ کی زندگی اور صحابہ کرامؓ کے زمانے کے بعض مصدقہ واقعات ایسے موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے تنہا ایک عورت کی شہادت پر بھی حدود کے معاملے میں سزا دی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ایک لڑکی کو ایک شخص نے قتل کر دیا۔ اس لڑکی کو حالت نزع میں حضورؐ کے سامنے لایا گیا۔ اس کی نشاندھی پر قاتل کو پکڑ کر سزا دی گئی۔

اس طرح خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان کی شہادت کی واحد عینی شاہد ان کی اہلیہ حضرت نائلہؓ تھیں اور اسی بنیاد پر حضرت عائشہؓ اور بہت سے کبار صحابہ نے قصاص کا مطالبہ کیا تھا۔

درج بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں جس معاملے سے عورتوں کو عام طور پر سروکار نہیں ہوتا۔ ان معاملات میں دستاویزی شہادت کے ضمن میں عورتوں کو یہ رعایت اسلام کی طرف سے ملی ہے کہ عدالت میں ان کے الجھنے کی صورت میں وہ اپنے ساتھ مدد کے لئے ایک اور خاتون گواہ کو بھی شامل کریں گی۔ اس مخصوص حالت کے علاوہ مرد و عورت کی گواہی میں کوئی فرق نہیں۔

اسلام کا قانون قذف:۔

اسلام خواتین کی عزت اور وقار کے معاملے میں نہایت حساس ہے۔ اس حد تک کہ قرآن مجید کے نزدیک شریف پاک دامن

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

خواتین پر زنا کی تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے اور اگر کوئی فرد کسی پاک دامن شریف عورت پر یہ تہمت لگاتا ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے ثبوت میں چار چشم دید گواہ پیش کرے اور اگر وہ یہ ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے اسی (80) کوڑے مارے جائیں اور اسے ہمیشہ کے لئے ساقط الشہادت قرار دیا جائے یعنی آئندہ اس کی گواہی کسی بھی معاملے میں کبھی قبول نہ کی جائے۔ ارشاد ہے۔

ان الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المؤمنٰت لعنوافی الدنیاوالاخرۃ ولھم عذاب عظیم۔یوم تشھدوعلیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانویعلمون۔

"بے شک جولوگ پاک دامن، بھولی بھالی باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہوئی اور ان کے لئے ایک بڑا عذاب ہے۔اس دن جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے سامنے ان کے اعمال کی گواہی دیں گے "(سورۃ نور 24۔ آیات 24،23)

مزید ارشاد ہے۔

والذین یرمون المحصنٰت ثمّ لم یأتوا باربعۃ شھدآء فاجلدوھم ثمٰنین جلدۃً ولاتقبلوالھم شھادۃً ابداً والئك ھم الفٰسقون۔

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں۔ پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (80) کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ اصلی فاسق ہیں۔(سورۃ نور 24۔ آیت 4)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ "محصنٰت" یعنی پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام ثابت کرنے کے لئے اسلام نے چار چشم دید گواہوں کی اتنی کڑی شرط کیوں لگائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک شریف عورت (اور ایک شریف مرد) سے نفسانی خواہش کے تحت کوئی لغزش بھی ہوئی ہے تو مناسب یہ ہے کہ اس پر پردہ ڈال دیا جائے۔ اور اسے معاشرے میں رسوا نہ کیا جائے۔ بلکہ اسے ماورائے عدالت سمجھا دیا جائیکہ وہ آئندہ ایسے کاموں سے باز رہے تو قع یہی ہے کہ وہ آئندہ کے لئے محتاط ہو

www.javedahmadghamdi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

جائے گا۔سوسائٹی کے لے بلحاظ مجموعی یہی بہتر ہے۔تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ شرط صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کی حیثیت عرفی بالکل مسلم ہو۔جن لوگوں کی شہرت عام طور پر بدچلنی کی ہو،ان کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ان کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے ہر طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اسلام کا قانون سزائے زنا:

یہ بات واضح ہے کہ اسلام کی رو سے زنا ایک بڑا جرم ہے۔اس کی سزا کے ضمن میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

☆ زنا کا جرم اگر اپنی سادہ شکل میں سرزد ہو تو اس کی کیا سزا ہے؟ اور یہ جرم کیسے ثابت ہوتا ہے۔؟

☆ کیا زنا کے بعض مجرموں کے ساتھ مخصوص حالات میں رعایت بھی کی جاسکتی ہے؟

☆ اگر کوئی فرد کسی کو یہ جرم کرتا ہوا دیکھے تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس کی خبر حکومت تک پہنچائے؟

☆ شادی شدہ زانیوں کی کیا سزا ہے؟

☆ گینگ ریپ، زنا بالجبر اور قحبہ گری کی کیا سزا ہے؟ اور یہ جرم کیسے ثابت ہوتا ہے؟

☆ اگر گینگ ریپ یا زنا بالجبر میں متاثرہ خاتون کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو کیس کیسے ثابت ہوگا؟ اور اگر کیس ثابت نہ ہو سکا تو کیا خاتون قذف کی مجرم ٹھہرے گی؟

☆ اگر ایک عورت کو حمل ٹھہر جائے اور وہ زنا بالجبر کا دعویٰ دائر کرے اور وہ دعویٰ عدالت کے اطمینان کے مطابق ثابت نہ کر سکے تو کیا اس عورت پر زنا کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے گا؟

☆ اگر عدالت کے سامنے زنا کا کوئی مقدمہ پیش ہوا اور مقدمہ ثابت نہ ہو سکے تو کیا عدالت اپنے اختیارات کے تحت مدعیوں کو ساقط الشہادت قرار دے گی یا اس کے متاثرہ فریق کو نیا مقدمہ دائر کرنا پڑے گا۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ہم ایک ایک کر کے درج بالا سوالات کو لیں گے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ پروردگار نے سورۃ نور میں یہ احکام نازل فرمائے ہیں اور سورۃ کے آغاز میں ہی یہ فرمادیا ہے کہ اس کے احکام اور اس کی آیات بالکل واضح ہیں۔ارشاد ہے۔

سورۃ انزلنٰھا وفرضنٰھا وانزلنافیھآ اٰیٰتٍ بینت لعلکم تذکرون۔

"یہ ایک اہم سورۃ ہے۔جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام ہم نے فرض ٹھہرائے ہیں اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں۔تا کہ تم اچھی طرح یاد رکھو" (سورۃ نور 24۔ آیت 1)

اس کے بعد آگے زنا کی سزا بیان کی گئی ہے۔ارشاد ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدو کل واحدٍ منھما مائۃ جلدۃٍ ولا تاخذوکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ولیشھدو عذابھما طآئفۃٍ من المؤمنین۔الزانی لاینکح الا زانیۃً اومشرکۃً والزانیۃ لاینکحھا الازان اومشرک وحرم ذٰلک علی المومنین۔

"زانی عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سوسو کوڑے مارو اور خدا کے قانون کی تنفیذ کے معاملے میں ان کے ساتھ کوئی نرمی تمہیں دامن گیر نہ ہونے پائے۔اگر تم ایک اللہ اور روز آخر پر سچا ایمان رکھتے ہو اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔یہ زانی نکاح نہ کرنے پائے مگر زانیہ اور مشرکہ کے ساتھ اور اس زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر کوئی زانی یا مشرک۔اہل ایمان پر یہ بہرحال حرام ٹھہرایا گیا ہے" (نور 24۔آیات 2،3)

جہاں تک اس جرم کے ثبوت کا تعلق ہے تو ایسا الزام دو قسم کے لوگوں پر لگایا جا سکتا ہے۔ایک وہ لوگ جو معاشرے میں انتہائی شریف اور باکردار انسانوں کی حیثیت سے مشہور ہوں۔ایسے لوگوں کے ضمن میں قرآن مجید کی ہدایت یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

صرف اسی وقت کوئی الزام لگایا جائے۔ جب اس کے ثبوت کے لئے چار چشم دید گواہ موجود ہوں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے رہن سہن، پیشہ اور دوسرے حالات سے یہ اندازہ لگانے کی قوی وجہ موجود ہو کہ ان سے ایسا فعل سرزد ہوسکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ضمن میں یہ جرم ان سب طریقوں سے ثابت ہوسکتا ہے جو عقل کا تقاضہ ہو، مثلاً حالات، قرائن، طبی معائنہ، پوسٹ مارٹم، انگلیوں کے نشانات، گواہوں کی شہادت غرض یہ کہ وہ سب شواہد جن سے کوئی جرم کسی بھی عدالت میں ثابت ہوسکتا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: " دلیل پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم وہ کھائے گا جو اس دعویٰ کا انکار کرے" (ترمذی۔ کتاب الاحکام)

دوسرے سوال یعنی یہ کہ "زنا کے بعض مجرموں کے ساتھ مخصوص حالات میں رعایت بھی کی جاسکتی ہے؟۔" اس کا جواب یہ ہے کہ اس سزا کے بیان میں قرآن مجید نے صفت کا صیغہ استعمال کیا ہے یعنی الزانی و الزانیہ۔ اس وجہ سے یہ سزا بھی اس جرم کی انتہائی سزا ہے اور صرف انہی مجرموں کو دی جائے گی جن سے جرم بالکل آخری صورت میں سرزد ہو جائے اور اپنے حالات کے لحاظ سے وہ کسی رعایت کے مستحق نہ ہوں۔ چنانچہ پاگل، بدھو، مجبور اور جرم سے بچنے کیلئے ضروری حفاظت سے محروم لوگ اس سزا سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کو بھی یقیناً سزا دی جانی چاہیئے مگر انتہائی سزا سے کم تر۔

قرآن مجید نے ان عورتوں کے بارے میں جن کے مالک انہیں پیشہ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ فرمایا ہے:

"ومن یکرھھن، فان اللّٰہ من بعد اکراھھن غفور رحیم۔"

"اور جو لوگ ایسی عورتوں کو قحبہ گری کے پیشے پر مجبور کریں گے تو اس جبر کے بعد اللہ ایسی عورتوں کیلئے غفور و رحیم ہے" (سورۃ نور 24۔ آیت 33)

اسی طرح زمانہ رسالت کی لونڈیوں کا معاملہ تھا۔ ان لونڈیوں کا بچپن اور جوانی پوری اس عالم میں گزری تھی کہ وہ خاندان کی حفاظت سے محروم تھیں اور ان کی پوری تربیت نہایت ناقص اخلاقی حالات میں ہوئی تھی۔ ایسی لونڈیوں کے متعلق قرآن مجید نے یہ ہدایت کی کہ اگر ان کے موجودہ مالک یا شوہر انہیں پاک دامن رکھنے کا پورا اہتمام کریں اور اس کے باوجود ان سے یہ جرم سرزد ہو جائے تب بھی انہیں آدھی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ ان کی اخلاقی بنیادوں میں کمزوری موجود ہے۔ سورۃ نساء میں ارشاد ہے۔

"فاذا احصن فان اتین بفاحشۃٍ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب"

''پھر جب وہ اس طرح پاک دامن رکھی جائیں اور اگر وہ بدچلنی کی مرتکب ہو جائیں تو ان کے لئے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اس سزا سے آدھی سزا ہے۔ جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر کی گئی ہے''(سورۃ نور-24 آیت 25)

آج کے حالات میں جب کہ جنسی جذبات کو ابھارنے کے میلانات ہر طرف موجود ہیں۔لوگوں کی اخلاقی تربیت ناقص ہے۔ بے شمار لوگوں کو ضروری خاندانی یا سماجی حفاظت حاصل نہیں۔ ریاست کو اس ضمن میں مناسب قانون سازی کرنی چاہیئے اور عدالت کو بھی ہر معاملے کا اس پہلو سے بھی خیال کرنا چاہیئے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی عام فرد کسی کو اس جرم میں ملوث دیکھ لے تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس کی خبر حکومت تک پہنچائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دین اس بات کو پسند نہیں کرتا۔تہمت کا قانون اسی لئے قرآن مجید نے بیان کیا۔اسی نکتہ کو حضورؐ نے واضح کرتے ہوئے ایک شخص سے فرمایا''تم اس مجرم کا پردہ ڈھانک دیتے تو یہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہوتا''(الموطا۔کتاب الحدود) اسی طرح مجرم کے لئے یہ بھی زیادہ مناسب یہی ہے کہ وہ اس کو ظاہر نہ کرے بلکہ اللہ سے توبہ و استغفار کرے۔حضورؐ نے فرمایا:'' تم میں سے جو شخص اس طرح کی کسی غلاظت میں ملوث ہو جائے۔اسے چاہیئے کہ اللہ کے ڈالے ہوئے پردے میں چھپا رہے۔ لیکن اگر وہ اپنا پردہ کھولے گا تو ہم اس پر اللہ کا قانون نافذ کریں گے۔''(الموطا۔کتاب الحدود)

چوتھا سوال یہ ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا کیا ہے؟

چونکہ یہ سوال اس کتاب کی حدود میں نہیں آتا۔اس لئے ہم اس پر تفصیل سے بحث نہیں کریں گے۔تاہم اس سوال کا مختصر جواب ضرور آنا چاہیئے اس لئے کہ بعد کے سوالوں کی وضاحت اس کے بعد ہی ممکن ہو سکے گی۔اس سوال کے بارے میں دو مؤقف ہیں۔ایک یہ کہ ہر اس زانی کو رجم کیا جائے گا جو شادی شدہ ہو۔کیونکہ حضورؐ نے ایک مقدمے میں شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم دیا تھا۔اس گروہ کا کہنا ہے کہ سورۃ نور کا حکم شادی شدہ زانیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف غیر شادی شدہ مجرموں کے لئے ہے۔

اس کے برعکس دوسرے گروہ کا مؤقف یہ ہے کہ حق و باطل کا معیار قرآن مجید ہے۔قرآن مجید کو باہر سے کوئی بھی چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔اگر پروردگار کو شادی شدہ مجرموں کے بارے میں کوئی علیحدہ قانون نافذ کرنا ہوتا تو وہ اس واضح آیات والی سورت میں ایک فقرے کا اضافہ کر دیتا۔اس لئے زنا کی سزا تو صرف اور صرف وہی ہے جو سورہ نور میں بیان ہوئی۔باقی رہی بات اُن مجرموں کی جن کو حضورؐ نے رجم کی سزا دی وہ ان کو محض ان کے شادی شدہ ہونے کی بنا پر نہیں دی گئی بلکہ وہ سزا ان کو سورۃ مائدہ آیت 33-34 کے تحت دی گئی۔جس میں فساد فی الارض کے جرم کی سزا بیان کی گئی ہے۔شادی شدہ ہونا ان کے جرم میں مزید اضافے کا باعث تھا کیونکہ وہ حلال مواقع کے باوجود حرام کا ارتکاب کرتے تھے۔

پہلے مؤقف کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ اس میں سارا زور شادی شدہ ہونے یا نہ ہونے پر دیا گیا ہے۔حالانکہ زندگی میں کئی مواقع

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ایسے پیش آتے ہیں جب ایک انسان شادی شدہ ہونے کے باؤ جود عملاً تجرد کی زندگی گزار رہا ہو۔مثلاً روزگار کی وجہ میاں بیوی کئی سال سے ایک دوسرے سے دور ہوں یاان میں ایک کا انتقال ہو چکا ہو یاان میں سے کوئی دائم المریض ہو۔اس طرح کا کوئی فرد زنا کا مرتکب ہوااوراسے رجم کی سزادی جائے ،قرین انصاف نہیں لگتا۔

پہلے مؤقف کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ اس میں جو تخصیص کی گئی ہے وہ عقلی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔کیونکہ اس کو مطابق سزا میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔حالانکہ انسانی ضمیر یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک عام مجرم اور معاشرے میں زنا کو رواج دینے والے مجرم کے درمیان سزا میں فرق ہونا چاہیئے ۔اس سوال پر اگر قرآن مجید کی روشنی میں غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زنا کے عام مجرموں کیلئے سزا سورہ نور میں بیان ہوئی ہے۔جب کہ عادی مجرموں اور بدکاری کا اڈہ چلانے والوں کی سزا دراصل وہی ہے جوفساد فی الارض کے مجرموں کے لئے سورۃ مائدہ میں بیان ہوئی ہے۔

اس بحث پر ایک بڑالٹریچر وجود میں آچکا ہے ۔اس موضوع پر پہلے گروہ کے مکمل دلائل کے لئے تفہیم القرآن جلد سوم،تفسیر سورۃ نور اور محمد رفیق چوھدری کی کتاب ''حد رجم'' کا مطالعہ مفید ہے۔جبکہ دوسرے گروہ کے دلائل جانے کے لئے تدبرقرآن تفسیر سورہ نور از مولانا اصلاحی اور جاوید احمد غامدی کی کتاب ''برہان'' اور ''حدود وتعزیرات'' کا مطالعہ مفید ہے۔جناب خورشید احمد ندیم نے اپنی کتاب ''اسلام کا تصور سزا و جزا'' میں دونوں طرف کی نمائندہ تحریریں جمع کردی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پانچواں سوال یہ ہے کہ گینگ ریپ،قحبہ گری اور زنا بالجبر کی کیا سزا ہے؟اور یہ جرائم کیسے ثابت ہوتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ درج بالا تمام جرائم دراصل فساد فی الارض کے ضمن میں آتے ہیں جن کے بارے میں سورہ مائدہ آیات 33-34 میں قانون بیان ہوا ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے مرتکبین کو عبرتناک طریقے سے قتل بھی کیا جاسکتا ہے(رجم عبرتناک طریقے سے قتل کا ایک طریقہ ہے) یا کوئی اور عبرتناک سزا بھی دی جاسکتی ہے اور اگر صورت حال ایسی ہو کہ ریاست وحکومت کی مصلحت کی خاطر کوئی عبرتناک سزادینا مناسب نہ ہو تو ایسے لوگوں کو یا تو جلاوطن کر دیا جائے یا کسی خاص علاقے میں نظر بند کر دیا جائے۔تاکہ ان کے شر ومصیبت سے معاشرے کو چھٹکارا ملے۔

رہا یہ سوال کہ جرائم کیسے ثابت ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جرائم اسی طریقے سے ثابت ہوتے ہیں جس طریقہ سے دنیا کے دوسرے جرائم ثابت ہوتے ہیں۔اس ضمن میں دین نے ہمیں کسی خاص طریقہ کا پابند نہیں کیا۔قحبہ گری کے خاتمے کے لئے البتہ قرآن مجید نے ایک خصوصی قانون نافذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو عورتیں عصمت فروش ہوں اور مسلمان رہنے کے باوجود اس جرم سے باز نہ آتی ہوں ان پر مسلمانوں میں چار گواہ طلب کئے جائیں جو پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت کو سوسائٹی میں ایک قحبہ عورت کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اور ہم بھی اسے اسی حیثیت سے جانتے ہیں۔یہ ضروری نہیں ہے کہ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

انہوں نے کسی خاص موقع پر اسے خود اپنی آنکھوں سے زنا کرتے دیکھا ہو۔ایسی صورتحال میں اگر عدالت جرح وتحقیق کے بعد ان کی گواہی پر مطمئن ہو جاتی ہے تو ایسی عورتوں کو گھروں میں نظر بند کر دیا جائے یا ان کو فساد فی لارض کی سزاؤں میں حالات کے لحاظ سے کوئی بھی سزا دے دی جائے۔ارشاد ہے۔

والّتی یاتین الفاحشۃ من نسآئکم فاستشھدوا علیھن اربعۃً منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتیٰ یتوفھن الموت اویجعل اللہ لھن سبیلاً۔

''اور تمہاری (مسلمان) عورتوں میں سے جو بدکاری کی عادی ہیں۔ان پر اپنے اندر سے چار گواہ طلب کرو۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ایسی عورتوں کو گھروں میں نظر بند کر دو یہاں تک کہ ان کو موت آ جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ نکال دے۔''(سورہ نساء,-4 آیت 15)

درج بالا ہدایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی فحبہ عورتوں کے خلاف عوامی شکایات پر ایکشن لینا بنیادی طور پر حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت ہی اس محلے کے کم از کم چار معتبر ترین افراد کو گواہی کے لئے از خود طلب کرے گی۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ اگر گینگ ریپ یا زنا بالجبر میں متاثرہ خاتون کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو کیس کیسے ثابت ہوگا اور اگر کیس ثابت نہ ہو سکا تو کیا خاتون قذف کی مجرم ٹھہرے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے واقعات کا ہونا قرین قیاس ہے اس لئے کہ عام طور پر ایسے مجرم ویران اور تنہا جگہوں میں اس طرح کے جرائم کرتے ہیں۔ عام حالات میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ محض کسی مرد کو بدنام کرنے کی خاطر کوئی خاتون اتنا بڑا واقعہ اپنے سر لے لے گی۔جس سے اسے نا قابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔قرآن مجید کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ قذف کا قانون درحقیقت معاشرے کے ان مفسد لوگوں سے نمٹنے کے لیے ہے جو شریف خواتین پر بدکاری کے الزامات لگاتے رہتے ہیں۔اسی لئے قرآن مجید میں ''محصنٰت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے'' پاک دامن عورتیں''۔گویا بنیادی طور پر یہ خواتین کے عزت ووقار کی حفاظت کا قانون ہے۔یہ قانون اس لئے نہیں ہے کہ مظلوموں کا منہ بند کیا جائے اور معاشرے میں گینگ ریپ کے ملزم دندناتے پھریں۔اس لئے ہمارے نزدیک یہ بات قرآن مجید کی روح کے عین مطابق ہے کہ ریاست واضح طور پر یہ قانون بنائے کہ اس طرح کے واقعات میں کیس اسی طرح ثابت ہوگا جس طرح دنیا بھر کے دوسرے جرائم میں کیس ثابت ہوتے ہیں یعنی طبی معائنہ، انگلیوں کے نشانات، ملزم کے کپڑوں اور حالات وقرائن سے ہی جرم

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ثابت ہوگا۔اس ضمن میں چار عینی گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کی ضرورت صرف اس وقت ہوتی ہے جب ایسے فرد پرالزام لگایا جائے جس کی حیثیت عرفی معاشرے میں بالکل مسلم ہو۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا کیس ثابت نہ ہوسکنے کی صورت میں ایسی خاتون قذف کی مجرم ٹھہرے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی خاتون کے ضمن میں دو امکانات ہیں۔ایک یہ کہ اس کے الزام صحیح لگایا ہے لیکن دعویٰ کے ثبوت کے لئے اتنی شہادت موجود نہیں جن کی بنیاد پر ملزم کو سزا دی جاسکے یا شہادتوں میں کوئی فنی مسئلہ درپیش ہے یا پولیس کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے کیس کمزور ہوگیا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں متاثرہ خاتون بالکل بے قصور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے محض کسی کو بدنام کرنے یا پیسہ بٹورنے کی خاطر ایسا الزام لگایا ہے۔اس صورت حال میں مزید تین پہلو موجود ہیں۔ایک یہ کہ کیا الزام کسی شریف آدمی پر لگایا گیا ہے یا ایک ایسے آدمی پر لگایا گیا ہے جس سے اس طرح کی حرکت کا سرزد ہونا ممکن ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسے الزام سے مرد کی بہرحال اتنی بدنامی نہیں ہوتی جتنی خاتون کی ہوتی ہے۔تیسرا پہلو یہ ہے کہ ایک غلط الزام ایک عورت اپنی پوری زندگی میں صرف ایک ہی دفعہ لگا سکتی ہے۔ کیونکہ ایک ہی کیس کے بعد اس کا اعتماد عدالت اور معاشرے کی نظر میں ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا۔ چنانچہ ان تمام عوامل کی وجہ سے آج کی صورت حال میں یہ لازم ہے کہ یہ قانون بنایا جائے کہ گینگ ریپ اور زنا بالجبر کے الزام کے ثابت نہ ہوسکنے کی صورت میں خاتون پر از خود کوئی مقدمہ نہیں بنے گا۔

تاہم اگر متاثرہ فریق سمجھے کہ اس کو بدنام کرنے کی خاطر ایک بالکل بے بنیاد الزام اس پر لگایا گیا ہے تو وہ عدالت میں اپنی ہتک عزت کے لئے مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔

ساتواں سوال یہ ہے کہ اگر ایک عورت کو حمل ٹھہرا ہوا ہو اور وہ زنا بالجبر کا دعویٰ دائر کرے مگر اپنا دعویٰ عدالت کے اطمینان کے مطابق ثابت نہ کرسکے تو کیا اس عورت پر زنا کے الزام مقدمہ دائر کیا جائیگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آج کی صورتحال میں ایک اہم سوال ہے اس لئے کہ اس وقت بھی ایسی سینکڑوں خواتین پاکستانی جیلوں میں بند ہیں جو زنا بالجبر کے دعوے کے ساتھ عدالت میں آئیں تھیں مگر جب وہ عدالت کے اطمینان کے مطابق اپنا کیس ثابت نہ کرسکیں تو الٹا انہی پر ریاست کی طرف سے یہ موقف اختیار کر کے مقدمہ دائر کیا گیا کہ اس عورت کا حمل تو بہرحال اس کا ثبوت ہے کہ وہ زنا میں ملوث ہوئی ہے۔اب اگر زنا بالجبر نہیں ہوا تو لازماً زنا بالرضا ہوا ہے اس لئے عورت مجرم ہے۔ یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔عین ممکن ہے کہ زنا بالجبر ہوا ہو مگر اسے عدالتی اطمینان کے مطابق نہ کیا جاسکتا ہو۔ چنانچہ اس معاملے میں جس طرح ملزم کو عدالت کی طرف سے شک کا فائدہ دیا گیا ہے اسی طرح مدعی بھی شک کا فائدہ اٹھانے کا مستحق ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر عورتوں کو اسی طرح قصوروار ٹھہرایا جانے لگا تو پھر کوئی عورت قانون وانصاف کے حصول کے لئے عدالت کا دروازہ ہی نہیں

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

کھٹکھٹائے گی۔ یوں ملک میں بے انصافی اور ظلم کا دور دورہ ہو جائے گا۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر عورت راضی نہ ہو تو اس کے ساتھ زنا بالجبر ہو ہی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جان سے مارنے کی دھمکی ایک خاتون کو اس کام پر مجبور کر سکتی ہے۔ اس کے خطوط یا کسی دوسرے غیر ذمہ دارانہ فعل کے ذریعے اسے بلیک میل کیا جا سکتا ہے اور ایک دفعہ کے بعد اسے بار بار بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ جدید علم نے ڈی این اے (D.N.A) ٹیسٹ کی صورت میں ایک طریقہ دریافت کیا ہے جس کے ذریعے سے اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حمل مخصوص مرد سے ٹھہرا ہے یا کسی اور سے۔ یہ ضروری ہے کہ اس ٹسٹ کی سہولت بہم پہنچائی جائے اس لئے کہ اس ٹسٹ کی صرف موجودگی ہی سے اس طرح کے کیسوں میں بہت کمی واقع ہو جائے گی۔ جب تک ملک میں مطلوبہ سہولت دستیاب نہیں ہوتی اس وقت تک عورت اور مرد کے ٹشوز اور خون کے نمونے کو باہر بھجوانے کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔

درج بالا تمام پہلوؤں اور عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ آج کے حالات میں یہ واضح قانون سازی کی جائے کہ اگر کوئی حاملہ خاتون عدالت میں اپنا کیس ثابت نہ کر سکے تو اس خاتون پر ریاست کی طرف سے از خود کوئی کیس دائر نہیں کیا جائے گا۔

آٹھواں سوال یہ ہے کہ اگر عدالت کے سامنے زنا کا کوئی مقدمہ پیش ہو اور مقدمہ ثابت نہ ہو سکے تو کیا عدالت اپنے اختیارات کے تحت مدعیوں کو ساقط الشہادت قرار دے گی یا اس کے لئے متاثرہ فریق کو ایک اور مقدمہ دائر کرنا پڑے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غلط الزام پاک دامن شریف عورتوں یعنی "محصنٰت" پر لگایا جائے تو عدالت پر یہ لازم ہے کہ وہ مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت از خود مدعیوں کو قذف کی سزا بھی دے۔ اس کے لئے متاثرہ فریق کو علیحدہ سے کیس دائر کرنے ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے واضح طور پر اس معاملے میں حکومت و عدالت کو براہ راست مخاطب کیا ہے۔ ارشاد ربانی کا ترجمہ ہے۔

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی پھر کبھی قبول نہ کرو''

درج بالا آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کام کرنا حکومت و عدالت کی براہ راست ذمہ داری ہے۔ اگر اسے متاثرہ فریق کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ وہ اس معاملے میں مقدمہ بازی کی الجھنوں، وقت اور پیسے کی مزید ضیاع، مزید رسوائی کے خوف اور بااثر افراد کے دباؤ کی وجہ سے عدالت میں نہیں جائے گا۔ یوں قذف کے مجرم بغیر سزا کے آزاد پھریں گے۔

چنانچہ آج کے حالات میں یہ لازم ہے کہ یہ واضح قانون بنایا جائے کہ ''محصنٰت'' پر بے ثبوت مقدمہ دائر کرنے والوں کو عدالت از خود قذف کی سزا دے گی۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

عورت کی دیت کا مسئلہ:

جب کوئی انسان دوسرے کے ہاتھ غلطی سے قتل ہو جائے تو اسلامی احکام کی رو سے یہ لازم ہے کہ یہ فعل کرنے والا مقتول کے ورثاء کو تاوان اور جرمانے کے طور پر کچھ رقم ادا کرے۔ اسے دیت کہتے ہیں۔ اس دیت کی مقدار کتنی ہے اور کیا مقتول مرد اور ایک مقتول عورت کی دیت برابر ہے؟

اس ضمن میں تین نقطہ ہائے نظر ہیں۔ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کی مقدار سو اونٹ یا اس کے برابر رقم ہے اور عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف یعنی پچاس اونٹ ہے اس لئے کہ بعض کمزور روایات میں یہ بات آئی ہے۔ اس نقطہ نظر کے تفصیلی دلائل جاننے کے لئے ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' کے جون، جولائی اور اکتوبر 1984 کے شماروں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس میں جماعت اسلامی کی علماء کمیٹی، مولانا گوہر رحمان اور عبدالوکیل علوی کی طرف سے اس نقطہ نظر کی حمایت کی گئی ہے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ عورت اور مرد کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ اس نقطہ کے تفصیلی دلائل جاننے کے لئے مولانا عمر احمد عثمانی کی کتاب ''فقہ القرآن'' جلد چار اور جلد چھ کا مطالعہ ضروری ہے۔ علامہ طاہر القادری نے بھی اس نقطہ نظر کی حمایت میں مضمون تحریر کیا ہے۔

تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ دیت کا لفظ قرآن مجید میں اسم نکرہ (common noun) کی شکل میں آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی مقدار شریعت نے طے نہیں کی۔ ارشاد ہے۔

و دیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ الا ان یصدقو

''اور (غلطی سے قتل کرنے والے اس فرد پر) یہ لازم ہے کہ وہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے الا یہ کہ وہ اسے معاف کر دیں''

(سورۃ نساء4، آیت92 کا حصہ)

اسی طرح قرآن مجید سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دیت معاشرے کے دستور، رواج اور وقتی قانون یعنی معروف کے مطابق ادا کیا جائے۔ ارشاد ہے:

> فمن عفی لہ من اخیہ شیءٌ فاتباع بالمعروف واداالیہ باحسان (بقرہ 2، آیت 178)

> ''پھر جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ رعایت کی گئی تو معروف کے مطابق اس کی پیروی کی جائے اور جو کچھ بھی خون بہا ہو وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

درج بالا ہدایت سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ دیت کی کوئی مقررہ مقدار نہیں ہے۔ یہ ریاست پر منحصر ہے کہ وہ حالات کے لحاظ سے جو قانون سازی بھی کرنا چاہے کر سکتی ہے۔

حضورؐ نے اپنے زمانے میں عرب کے سابقہ دستور کے مطابق دیت کو نافذ کیا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ حضورؐ نے اپنی طرف سے ایک مستقل دینی حکم کی حیثیت سے کوئی واضح فرمان جاری نہیں فرمایا۔ اس طرح ہر زمانے میں، وقت اور حالات کے لحاظ سے دیت کی مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اس تیسرے نقطہ نظر پر تفصیلی بحث جاوید احمد غامدی کی کتاب ''حدود وتعزیرات'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ہمیں اسی نقطہ نظر سے اتفاق ہے اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے عین مطابق ہے۔ اس سے تمام احادیث اور تاریخی روایات کی تسلی بخش توجیہہ ہو جاتی ہے اور یہ بات انسانی ضمیر اور عقل عام کے عین مطابق ہے۔

اسلام کا قانون وراثت:

اسلام کے وراثت پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں عورتوں کا حصہ مردوں سے آدھا ہے۔ بے شک اسلام کا عام قانون یہی ہے تاہم اس میں چند پہلو اگر مدنظر رہیں تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ تقسیم بالکل انصاف پر مبنی ہے اور قدرتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ شادی کی صورت میں عورت ایک اضافی حصے یعنی مہر کی حق دار ہوتی ہے جو مرد کے مال میں اسے دیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شادی کے بعد اپنی بیوی اور بچوں کے تمام اخراجات کی ذمہ داری مرد پر ہے اواس کے برعکس عورت پر اپنے مال میں سے کسی خرچ کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ حتیٰ کہ شادی کے بعد اس کے تمام ذاتی اخراجات بھی مرد ہی کے ذمے ہوتے ہیں۔ اس بات کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہدایات کے مطابق بعض حالات میں جب کہ ترکہ زیادہ حصوں میں تقسیم ہو رہا ہو اور اندیشہ یہ ہو کہ عورت کے ذاتی اخراجات، خصوصاً علاج معالجے کے اخراجات بڑھاپے کی وجہ سے ایک حد سے بڑھ جائیں گے وہاں عورت اور مرد کے حصے برابر ہیں۔ مثلاً سورۃ نسا-4، آیت 11 کے مطابق اگر ایک صاحب اولاد شخص فوت ہو جائے تو اس کے والد اور والدہ دونوں کو اس کے ترکے میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ دونوں یا تو بوڑھے ہونگے یا بڑھاپے کے قریب ہونگے اور دونوں کی ذاتی ضروریات، علاج معالجے کے اخراجات سمیت، عام حالات سے زیادہ ہونگے۔

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھا جائے اور مرد وعورت کے حقوق وفرائض کا خیال رکھا جائے تو دونوں کے حصے درحقیقت مساوی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مسئلہ رضاعت:

اسلامی قانون کی رو سے ماں کا گود انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس حد تک کہ اگر کوئی عورت کسی کی حقیقی ماں نہ ہو لیکن وہ اس کی گود میں پرورش پائے، اس کا دودھ پیئے تو وہ عورت اس فرد کے لئے ماں کی طرح ہو جاتی ہے۔اس کے بچے اس فرد کے لئے روحانی بہن بھائیوں جیسے ہو جاتے ہیں اور ایسی حالت میں اس مرد کے لئے اپنے ان روحانی بہن بھائیوں سے شادی کرنا منع ہے۔گویا اس رشتے کو اتنا تقدس حاصل ہو گیا ہے کہ اب اس کا احترام سب پر لازم ہے۔اب اس خاتون کا شوہر اس فرد کے لئے روحانی باپ کی مانند ہے۔

اس ضمن میں قانون کے اعتبار سے تین پہلو سمجھ لینے چاہیئں۔ایک یہ کہ اس رشتے میں وراثت منتقل نہیں ہوتی کیونکہ یہ درحقیقت ایک روحانی رشتہ ہے۔دوسرا یہ کہ اس فرد کے حقیقی بہن بھائیوں پر اس رشتے کا اطلاق نہیں ہوتا۔اس لئے شادی بیاہ کے ضمن میں ان پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔تیسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید نے سورہ نساء-4، آیت نمبر-23، میں اس بات کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رضاعت کا رشتہ اسی وقت قائم ہوتا ہے جب اس کے لئے باقاعدہ اہتمام ہو۔یعنی اپنے حقیقی ماں باپ کا ارادہ اور ان کی اجازت اور ان کی نیت شامل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دوسری خاتون بھی باقاعدہ اس بچے یا بچی کو اپنی رضاعی اولاد بنانے کے شعور کے ساتھ اس کو دودھ پلائے اور یہ بھی کہ رضاعی ماں باپ کون ہیں تا کہ ان کے بچوں کو وہ اپنے بہن بھائیوں کی طرح سمجھے۔محض کسی اتفاقی واقعہ سے یا کسی روتے بچے کو چپ کرانے کے لئے یا حقیقی ماں باپ کی اجازت و اہتمام کے بغیر یہ رشتہ قائم نہیں ہوتا۔

خواتین کا گھر سے باہر سفر:

یہ بات کہی جاتی ہے کہ عورت کے لئے گھر سے باہر اکیلے سفر کرنا ممنوع ہے۔کیونکہ اس ضمن میں دو روایات موجود ہیں۔پہلی روایت کے مطابق حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

> ''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا عورت ایک دن رات کا سفر نہ کرے جب تک اس کے ساتھ کوئی محرم مرد نہ ہو'' (ابوداؤد کتاب المناسک)

دوسری روایت درج ذیل ہے:

> ''کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں کہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے۔بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ اس کا باپ، بھائی، شوہر، بیٹا یا کوئی محرم مرد ہو'' (صحیح

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

مسلم کتاب الحج)

اس کے علاوہ مزید دو صحیح روایات بھی ہیں جن میں ایک روایت میں دو دن رات کا ذکر ہے اور ایک روایت میں برید یعنی آدھے کا ذکر ہے۔

درج بالا سب روایات میں مقدار سفر میں اختلاف ہے۔ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ دین بالکل واضح ہے اور اگر عورت کا بغیر محرم کے سفر ممنوع ہوتا اور یہ دین کی ایک قطعی ہدایت ہوتی تو پھر حضورؐ واضح طور پر ایک ہی بات فرماتے ۔مختلف اوقات میں مختلف ہدایات نہ دیتے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق وقتی حالات اور مصلحت سے تھا۔حضورؐ کے زمانے میں جب کہ ابھی آپؐ کا اقتدار پورے جزیرہ نمائے عرب پر مستحکم نہیں ہوا تھا۔ عام طور پر بدامنی تھی۔اسی بدامنی میں کسی عورت کا اکیلے سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ واضح رہے کہ یہ سفر بھی عام طور پر لق و دق صحراؤں میں اور آزاد قبائل کے درمیان ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ یہ بات بالکل عقل و فطرت کے مطابق تھی کہ حضورؐ مسلمان عورتوں کی حفاظت اور عزت کی خاطر یہ ہدایت دیتے تھے کہ وہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ کا سفر بغیر کسی قریبی عزیز کے نہ کریں ۔معلوم ہوتا ہے کہ جب بعد میں حالات زیادہ سازگار ہو گئے اور بدامنی کی وہ کیفیت نہ رہی تب حضورؐ نے اکیلے میں مزید لمبے سفر کی بھی اجازت دے دی۔ یہ بات کہ اس کا تعلق امن کی کیفیت سے ہے، صحیح بخاری میں عدی بن حاتم کی روایت سے بھی ہمیں معلوم ہوتی ہے۔جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ ''بہت جلد امن کا ایسا دور بھی آنے والا ہے جب کجاوے میں ایک اکیلی خاتون حیرہ سے (بہت دور دراز علاقہ) کعبہ کے طواف کے لئے سفر کرے گی اور مکہ پہنچ کر کعبے کا طواف کرے گی مگر اُسے سوائے اللہ کے خوف کے اور کوئی خوف نہ ہوگا۔(عدی کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک اکیلی عورت حیرہ سے آتی ہے، کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا)۔''
(صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث نمبر 3595)۔

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بغیر قریبی عزیز کے عورتوں کے سفر کا معاملہ وقتی حالات، عقل عام اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔حالات جتنے بھی زیادہ خراب ہوں، اتنا ہی ان کو کسی قریبی عزیز کے بغیر لمبا سفر نہیں کرنا چاہیئے اور اگر خطرے کی کوئی بات نہ ہو تو پھر اس ضمن میں پابندی اسی تناسب سے کم ہو جاتی ہے۔ گویا ایک معاشرتی ہدایت ہے۔ دین کے کسی قطعی اصول سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

انہی روایات کی بنا پر اس امت کے اہل علم کے درمیان یہ بحث ہے کہ کیا ایک خاتون بغیر محرم کے حج پر جاسکتی ہے یا نہیں۔اس ضمن میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اکیلی عورت ایسے لوگوں کے ساتھ حج کے سفر پر جاسکتی ہے جن کی اخلاقی حالت قابل اطمینان ہو۔ جب کہ امام ابن حزمؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بے محرم عورت تنہا بھی حج کے لئے جاسکتی ہے اور اگر محرم موجود

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ہومگر وہ نہ جاسکتا ہو یا نہ جانا چاہے، تب بھی عورت کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اکیلی حج کے لئے چلی جائے۔ ہمارے خیال میں حالات کے مطابق ان دونوں نقطہ ہائے نظر پر عمل کیا جاسکتا ہے:

متعہ اور اسلام:

متعہ مرد وعورت کے درمیان ایک ایسا وقتی جنسی رشتہ ہے جس میں ایک دوسرے پر میاں بیوی کے کوئی حقوق عائد نہیں ہوتے۔ نہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ نہ ایسی عورت کے لئے عدت ہے نہ طلاق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد نے کچھ پیسے دے کر ایک عورت کو ایک خاص مدت کے لئے جنسی طور پر استعمال کر لیا۔ گویا یہ ایک قانونی قحبہ گری legalised (prostitution) ہے۔ کچھ مکاتیب فکر کے نزدیک اسلام میں یہ جائز ہے اور اپنے حق میں وہ اس ضمن میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کچھ روایات پیش کرتے ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں متعہ پر عمل ہوتا تھا اور بالآخر اسے حضرت عمرؓ نے اپنے وقت میں ممنوع قرار دے دیا۔ گویا یہ چیز ہے تو اصلاً جائز مگر حضرت عمرؓ نے اپنے ایک انتظامی حکم کے ذریعے اسے ممنوع قرار دیا اور ظاہر ہے کہ انتظامی حکم تو بدل بھی سکتا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ متعہ کو اسلام کی روشنی میں دیکھا جائے۔ کیونکہ اگر یہ چیز جائز ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسلام میں یہ قحبہ گری جائز ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں ہر چیز کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ قرآن مجید کرتا ہے۔ یہی معیار ہے اور یہی سب سے بلند و برتر ہے۔ قرآن مجید اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ کسی مرد وعورت کے درمیان اگر کوئی جائز جنسی تعلق ہوسکتا ہے تو وہ صرف میاں بیوی کا ہے اور یا پھر اس عبوری دور میں جب کہ ابھی لونڈیاں موجود تھی ان سے بھی تعلق جائز تھا۔ یہ بات اتنی صاف اور مسلمہ تھی کہ اسلام کی ابتدائی دور میں نازل ہونے والی ایک سورت "المومنون" کی آیت نمبر 6-5 میں یہ آیت نازل ہوگئی کہ صرف بیوی اور لونڈی سے جنسی تعلق جائز ہے۔ ارشاد ہے۔

۔" والذین ھم لفروجھم حفظون ۃ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۃ (المومنون 23 ۔ آیت 6-5)

" (یقیناً کامیاب ہوئے وہ اہل ایمان جو) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے حد تک، سو اس بارے میں ان کو کوئی ملامت نہیں"

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس کے بعد قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں چوری چھپے آشنائیاں کرنا، آزاد شہوت رانی کرنا، اور خفیہ عہد و پیمان کرنا، یہ سب منع ہے۔ ارشاد ہے۔

ولا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبةِ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونهن ولکن لاتواعدوهن سراً الاان تقولوا قولا معروفاً

"اور اس بات میں بھی کوئی گناہ نہیں اگر تم مردان بیوہ عورتوں کے ساتھ اُن کے زمانہ عدت میں نکاح کا ارادہ اشارے کنائے میں ظاہر کرو، خواہ دل میں چھپائے رکھو، اللہ جانتا ہے کہ ان کا خیال تو تمہارے دل میں آئے گا ہی۔ مگر دیکھو خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا۔ اگر کوئی بات کرنی ہےءتو معروف طریقہ سے کرو۔

آگے ارشاد ہے۔

الیوم احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتواالکتٰب حل لکم وطعامکم حل لهم والمحصنٰت من المومنٰت والمحصنٰت من الذین اوتواالکتٰب من قبلکم اذا اٰتیتموهن اجورهن محصنین غیر مسٰفیحین ولا متخذی اخدانٍ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله وهوفی الاٰ خرة من الخٰسرین۔

" آج تمہارے لئے ساری پاک چیزیں حلال کردی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور پاکیزہ عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔ اہل ایمان میں سے ہوں یا اہل کتاب میں سے۔ بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو۔ نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ یا چوری چھپے آشنائیاں کرو"" (مائدہ 5۔ آیت 5)

متعہ درحقیقت آزاد شہوت رانی ہی تو ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن مجید تو عام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ جب

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ان کی آپس میں ملاقات ہو تو ان کی آنکھوں میں حیا ہو۔ مہذب کپڑے پہنے ہوئے ہوں اور عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ مثلاً ملاحظہ ہو سورہ نور 24۔ آیات 30-31۔ ان کا حوالہ پہلے دیا گزر چکا ہے۔

نکاح کے تعلق کے ضمن میں قرآن مجید اتنے تفصیلی احکام دیتا ہے کہ عقائد کے بعد گویا قرآن مجید کی نظر میں یہی سب سے اہم چیز ہے۔ اس ضمن میں وہ مہر کو زیر بحث لاتا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان دونوں کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔ ان کی علیحدگی کی صورتوں پر بحث کرتا ہے۔ اگر متعہ جائز ہوتا تو پھر یہ سب کچھ محض ایک مشق فضول ہوتا۔ کیونکہ متعہ کا تو مطلب ہی یہی ہے کہ بازار میں کسبیاں بیٹھی ہیں۔ خریدار جا کر حریصانہ جنسی نظروں سے جائزہ لے رہے ہیں۔ پھر ایک متعین مدت، خواہ وہ ایک رات ہو یا اس کا کچھ حصہ، کے لئے خریداری ہو جاتی ہے اور اس وقت کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو جاتے ہیں۔ متعہ کے جواز کی صورت میں سورۃ نور، بقرہ، مائدہ اور نساء تو کیا، مرد و عورت کے جنسی تعلق سے متعلق تمام قرآن مجید Irrelevent ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ صاف ظاہر ہے کہ متعہ اسلام میں بالکل حرام اور ناجائز بلکہ درحقیقت زنا ہے۔

تاہم جہاں تک احادیث کا تعلق ہے۔ یہاں صورت حال مختلف ہے، اس ضمن میں جب ان تمام روایات کو جمع کر دیا جائے جن کی سند بالکل صحیح ہے تو وہ درج ذیل گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

☆ پہلا گروپ ان روایات کا ہے۔ جن کے مطابق مکی دور میں ہی متعہ کو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ اسلام سے پہلے عرب معاشرت میں متعہ عام تھا۔ بطور مثال ملاحظہ ہو۔ "ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آغاز اسلام میں متعہ جائز تھا۔ جب ایک آدمی کسی گاؤں میں چلا جاتا جہاں اس کی کوئی جان و پہچان نہ ہوتی تھی تو وہاں کسی عورت سے اس لئے نکاح کر لیتا کہ جتنے دن وہاں قیام کرنا ہے تو یہ خاتون اس کے مال و متاع کی حفاظت بھی کرے گی اور اس کے معاملے کو بھی درست رکھے گی (یعنی اس کی جنسی ضروریات بھی پوری کرے گی) یہاں تک کہ سورۃ مومنون کی آیت نازل ہوئی تو ابن عباسؓ نے کہا کہ ان دو شرم گاہوں کے علاوہ باقی سب حرام ہیں۔ (ترمذی، کتاب النکاح)

☆ احادیث کے دوسرے گروپ کے مطابق یہ فعل تھا تو شروع سے ہی حرام، تاہم ابتدائے اسلام میں بعض مواقع پر حضورؐ نے اس سے صرف نظر فرمایا۔ صحیح بخاری کتاب النکاح میں ابو جمرہ کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ ابن ماجہ کتاب النکاح میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ نیز صحیح مسلم کتاب النکاح میں اور ابن مسلمہ کی روایت سے بھی یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

☆ احادیث کے تیسرے گروپ کے مطابق صرف جنگ کے موقع پر جب کہ مردوں سے بیویاں بہت دور ہوتی تھیں متعہ کی اجازت وقتی طور پر مل جاتی تھی۔صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب النکاح میں قیس نے عبداللہ بن مسعود سے اس مفہوم کی روایت نقل کی ہے۔نیز بخاری ومسلم کتاب النکاح میں جابر بن عبداللہ اور مسلمہ بن اجوع کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

☆ احادیث کے چوتھے گروپ کے مطابق چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے تین مہینے بعد غزوہ خیبر کے موقعہ پر متعہ کی ممانعت کی گئی۔ایسی ایک روایت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے لی ہے اور صحیح بخاری نے اسے کتاب النکاح میں نقل کیا ہے۔اسی روایت کو صحیح مسلم نے بھی کتاب النکاح میں نقل کیا ہے۔

☆ احادیث کے پانچویں گروپ کے مطابق حضورؐ نے فتح مکہ کے روز یعنی آٹھ ہجری میں متعہ کو حرام قرار دیا۔مثلاً ایسی ایک روایت سیرہ کے واسطے سے صحیح مسلم کتاب النکاح میں آئی ہے۔

☆ احادیث کے چھٹے گروپ کے مطابق حضورؐ نے فتح مکہ کے دن نہیں بلکہ اس سے کچھ دن بعد جبکہ بعض لوگ متعہ سے لطف اندوز ہو چکے تھے۔اس فعل کو ممنوع قرار دیا۔سیرۃ الجہنی کی روایت جو صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہے۔اس کی تائید کرتی ہے۔

☆ احادیث کے ساتویں گروپ کے مطابق حضورؐ نے حجۃ الوداع یعنی دس ہجری میں متعہ کو ممنوع قرار دیا۔یہ روایت امام زہری نے ربیع بن سیرۃ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اور اسے ابوداؤد کتاب النکاح میں روایت کیا گیا ہے۔

☆ احادیث کے آٹھویں گروپ کے مطابق حضورؐ اور اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں متعہ کی عام اجازت تھی۔بعد میں حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں اسے ممنوع قرار دیا۔صحیح مسلم میں ابوزبیر کی روایت کردہ حدیث اور صحیح مسلم ہی میں عطاء کی حدیث میں یہی کچھ بیان ہوا ہے۔

☆ احادیث کے نویں گروپ میں وقت کے تصریح کئے بغیر یہ درج ہے کہ حضورؐ نے متعہ کو حرام ٹھہرایا۔صحیح مسلم میں ربیع بن سیرۃ جہنی کی ایک روایت میں وقت کی تصریح نہیں ہے۔اسی طرح صحیح مسلم کتاب النکاح میں ایک روایت کے الفاظ ہیں۔رسول اللہؐ نے فرمایا" متعہ تمہارے لئے آج کے دن سے قیامت تک کے لئے حرام ہے۔جس کسی نے (ممتوعہ کو) کوئی چیز دی ہو۔وہ اسے واپس نہ لے۔"

درج بالا نو کی نو گروپوں میں چند پہلو توجہ کے قابل ہیں۔ایک یہ کہ یہ سب روایات سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔دوسرا یہ کہ یہ سب

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

آپس میں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں اگر دو چار روایات میں کوئی تطبیق پیدا کی جاسکتی ہے تو باقی آپس میں اتنی مخالف و متضاد ہیں کہ ان کے درمیان کوئی کمزور سی ہم آہنگی پیدا کرنا بھی ناممکن ہے۔ تیسرا یہ کہ ایک ہی شخص (بعض حالات میں صحابیؓ اور بعض حالات میں تابعیؒ) سے بھی متضاد روایات موجود ہیں۔ مثلاً ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ متعہ کو سورۃ مومنون نے ممنوع کر دیا اور انہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ انہی سے تیسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔ اسی طرح سیرۃ جہنی سئے روایت ہے کہ فتح مکہ کے چند دن بعد متعہ کو ممنوع قرار دیا گا۔ انہی کے بیٹے ربیع سے یہ روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن اسے منع کر دیا گیا۔ انہی ربیع سے یہ بھی روایت ہے کہ متعہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر یعنی فتح مکہ کے ایک سال بعد ممنوع قرار دیا گیا۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی روایات میں ایسی باتیں موجود ہیں جو نہ صرف یہ کہ صریحاً قرآن مجید کے خلاف ہیں بلکہ وہ ذوق سلیم پر سخت گراں گزرتی ہیں۔ مثلاً ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ آٹھ ہجری میں (جب کہ حضورؐ کی حکومت تقریباً پورے جزیرہ نمائے عرب پر قائم ہو گئی تھی اور سورۃ نور کی ہدایات کو نازل ہوئے کافی مدت گزر چکی تھی۔) لوگ بازاروں میں ایسی عورتوں کی تلاش میں نکلتے تھا۔ براہ راست بھاؤ تاؤ ہوتا تھا۔ خوب غور سے ایک دوسرے کے بدن کے مختلف حصوں کا جائزہ لے لیا جاتا۔ کسی قیمت پر سودا طے ہوتا جاتا اور پھر جو ہونا ہوتا وہ ہو جاتا۔ مثلاً صحیح مسلم کتاب النکاح کی روایت ہے۔:" ربیع بن سیرہ سے روایت ہے کہ ان کا والد فتح مکہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ شریک تھا۔ اس نے بتایا کہ ہم پندرہ دن مکہ میں ٹھہرے۔ دن اور رات کو ملا کر یہ تیس ہوتے ہیں۔ اس اثنا میں ہمیں رسول اللہؐ نے عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے دی تو میں اور میرے قبیلے کا ایک اور آدمی ہم دونوں نکلے۔ میں اس کے مقابلہ میں خوبصورت تھا اور وہ ذرا بدصورت تھا۔ جب کہ میری چادر ذرا پرانی تھی اور میرے چچا زاد کی چادر بالکل نئی تھی۔ حتیٰ کہ ہم مکہ کے زیریں یا بالائی حصہ میں پہنچ گئے۔ وہاں ہمارا سامنا ایک ایسی لڑکی سے ہوا جو اونٹنی کی طرح جوان اور نہایت خوبصورت گردن والی تھی۔ ہم نے اسے کہا کہ کیا تم ہم میں سے کسی کے ساتھ متعہ کرنے پر تیار ہو؟ وہ بولی تم مجھے اس کے عوض کیا دو گے؟ ہم دونوں نے اپنی اپنی چادر اس کے سامنے کھول کر رکھ دی۔ وہ ہم دونوں کو بغور دیکھنے لگی اور میرا ساتھی بھی اسے سر سے لے کر سرین تک بغور ملاحظہ کر رہا تھا۔ میرے ساتھی نے کہا کہ اس کی چادر تو بالکل پرانی جب کہ میری چادر بالکل نئی اور خوبصورت ہے۔ یہ سن کر وہ بولی کہ اس کی چادر میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بات اس نے دو تین مرتبہ کہی۔ غرض یہ کہ میں نے اس سے متعہ کیا۔ میں اس وقت تک اس کے ہاں سے نہ نکلا جب تک رسول اللہؐ نے متعہ کو حرام قرار نہ دے دیا۔ (دوسری روایت میں تین دن کا ذکر ہے)

یہ بات واضح ہے کہ دین کے معاملے میں یہ بنیادی اصول ہے کہ قرآن مجید ہر چیز کے لئے فیصلہ کن ہے۔ اس کی حکومت ہر چیز پر قائم ہے۔ وہ سب سے بلند و برتر ہے اور اگر کوئی حدیث قرآن مجید سے ٹکراتی ہے تو ہم قرآن مجید کے مقابلے میں اس حدیث کو

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

قطعاً کوئی وزن دینے کیلئے تیار نہیں۔ حدیث اپنی بنیاد میں بہر حال ایک اطلاع ہی تو ہے جو ایک انسان نے دوسرے انسان کو پہنچائی ہے۔ انسانوں کی اس پوری زنجیر میں اصل بات بگڑ بھی سکتی ہے۔ یادداشت کا مسئلہ بھی پیدا ہوسکتا ہے اور جان بوجھ کر بھی تحریف کی جاسکتی ہے۔ جتنے بھی حفاظتی اقدامات کئے جائیں بہر حال ہر طرح کی غلطیاں اس میں درآ سکتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود پروردگار نے اٹھایا ہے۔ لہذا خلاف قرآن مجید، حدیث کو کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں ہمارے سامنے ایک اور سوال آتا ہے۔ وہ یہ کہ کیا درج بالا روایات کے نو گروپوں کی کوئی توجیہہ ممکن ہے اور ان روایات کے درمیان کوئی تطبیق کی جاسکتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی واحد توجیہہ اور تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ متعہ تو ابتداء ہی سے حرام تھا۔ تاہم چونکہ سوسائٹی کی اخلاقی تربیت بتدریج ہی ہونی چاہیئے۔ اس لئے بعض مواقع پر اس فعل سے صرف نظر کیا گیا۔ نیز یہ کہ یہ ہدایت سب مسلمانوں تک فوری طور پر شاید پہنچی بھی نہیں۔ اسی لئے اس کا رواج کچھ عرصے تک جاری رہا۔ بہر حال حضورؐ نے بھی اس بار بار منع فرمایا اور بدرجہء آخر جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اب بھی کچھ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو انہوں نے ریاستی مشینری کی پوری قوت سے اس کا اعلان اور نفاذ کر دیا۔

ہماری درج بالا توجیہہ سے بھی تمام روایات کے درمیان تطبیق نہیں ہوتی۔ چنانچہ جتنی روایات قرآن مجید کے واضح نصوص کے خلاف ہیں، وہ یقیناً قابل رد ہیں، خواہ وہ کسی بھی کتاب کا جزو ہوں۔

مسئلہ غلامی اور اسلام

اس کتاب میں اس سے قبل جہاں جہاں آیات قرآنی نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض جگہ غلاموں اور لونڈیوں کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ غلامی کے ضمن میں اسلام کا صحیح نقطۂ نظر کیا ہے اور اسلام نے اسے کس طریقے سے ختم کیا۔

غلامی اسلام کے نظام کا جزو نہیں ہے۔ قرآن مجید کے مطابق پروردگار نے انسان کو تکریم عطا کی ہے اور اسے احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

"ولقد کرمنا بنی اٰدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علیٰ کثیرٍ ممن خلقنا تفضیلا"

"اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

چیزوں میں رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت بخشی" (بنی اسرائیل 17۔آیت 70)

آگے ارشاد ہے۔

"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم"

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔" (تین 95۔آیت 4)

پروردگار نے انسان کو مسجود ملائک بنایا۔زمین میں اسے ایک آزاد اور خود مختار مخلوق (خلیفہ) کی حیثیت دی۔اس کے مابین خدائی تقسیم صرف شعوب وقبائل کی تقسیم ہے اور یہ بھی اس لئے کہ باہم تعارف کا ذریعہ بنے۔ارشاد ہے۔

"یا ایھا لناس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً و قبآئل لتعارفوان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک نر اور مادی سے پیدا کیا ہے اور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ اشرف وہ ہے۔جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے" (الحجرات 49۔آیت 13)

اس کے بعد اسلام میں غلامی کا کیا سوال۔اس میں تو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کیلئے یہ قانون بنایا گیا ہے کہ اس کے باہمی امور تمام مسلمانوں (نہ کہ تمام آزاد مسلمانوں) کے باہمی مشورے سے چلائے جائیں گے۔پھر اسلام تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔ارشاد ہے۔

"انما المومنون اخوۃ"

"تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" (الحجرات 49۔آیت 9)

ان احکام واصول کی موجودگی میں یہ نا قابل تصور ہے کہ اسلام اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے کہ ایک فرد کو اپنے جان و مال سمیت دوسرے فرد کی غلامی میں دے دیا جائے کہ وہ اس سے جو چاہے اور جس طرح چاہے سلوک کرے۔

درحقیقت اسلام نے اس ادارے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔لیکن اسے ختم کرنے کے لئے تدریج کا طریقہ اختیار کیا تا کہ معاشرے میں انتشار نہ پھیلے اور معاشرہ درہم برہم نہ ہو۔اس وقت غلامی کے اس ادارے پر عرب کی معیشت اس طرح منحصر تھی جس طرح آج ہماری معیشت سود پر منحصر ہے۔ہر تیسرے فرد کے پاس بیسیوں غلام ہوتے تھے۔جن سے زراعت، تجارت

www.ahmadiyya-islam.org www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

اور دوسرے کام لئے جاتے تھے۔ایسے وقت میں اگر ان ہزاروں لونڈی غلاموں کو بیک وقت آزاد کر دیا جاتا تو معاشرے میں ان کے کھپانے کو کوئی صورت نہیں تھی۔ان میں سے اکثر اپنی کفالت کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔اس کا نتیجہ یہی نکلتا کہ غلام بھیک مانگتے، جرائم کرتے اور لونڈیاں عصمت فروشی کرتیں۔پھر اس وقت اسلام کی مخالف قوتیں بھی اس سے بڑا فائدہ اٹھا سکتی تھیں۔ان مصلحتوں کی وجہ سے اسلام نے ان کی آزادی کے لئے ایک ایسی راہ اختیار کی جس سے کوئی مسئلہ بھی پیدا نہیں ہوا اور بتدریج تمام با صلاحیت لونڈیاں اور غلام آزاد ہو کر اسلامی معاشرے کا جزو بن گئے۔

اس ضمن میں اسلام نے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مکی زندگی کے بالکل ابتدائی دور ہی سے غلام آزاد کرنے کو ایک بہت بڑی معاشرتی نیکی قرار دیا۔ارشاد ہوا۔

" فك رقبة" (بلد 90۔آیت 13)

" گردنیں چھڑاؤ"

اس کے بعد مدنی دور میں قرآن نے بتایا کہ ان کے انسانی حقوق باقی سب لوگوں کے بالکل برابر ہیں۔ارشاد ہوا۔

واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا وبذى القربى واليتٰمىٰ والمسٰكين والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وماملكت ايمانكم ان الله لا يحب من كان مختالا فخورا۔

" اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، ہم نشینوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا۔جو مغرور و متکبر ہو" (نساء 4۔آیت 36۔)

اس کی تشریح میں حضورؐ نے بھی نہایت واضح الفاظ میں غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک کی ہدایت فرمائی بلکہ مالکوں پر ان کے انسانی حقوق کو قانون کے حیثیت سے نافذ کیا۔اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے بعض گناہوں اور کوتاہیوں کی صورت میں غلام آزاد کرنے کو کفارہ اور صدقہ ٹھہرایا۔

پھر قرآن مجید نے تمام ذی صلاحیت لونڈی اور غلاموں کے نکاح کرنے کی ہدایت فرمائی تا کہ معاشرہ کے اندر ان کا اخلاقی و معاشرتی معیار اونچا ہو۔ارشاد ہے۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

وانکحوالایامیٰ منکم والصلحین من عبادکم وامآئکم
ان یکونوافقرآءَ یغنھم اللہُ من فضلہ واللہ واسع علیم۔

"مجرد لوگوں اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرو۔اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ
ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے""(نور 24۔آیت 32۔)

قرآن مجید نے ریاست پر یہ لازم قرار دیا کہ وہ اپنے خزانے کے مصارف میں ایک مستقل مد "فی الرقاب" رکھے۔اس مد کے ذریعے ریاست ازخود زیادہ سے زیادہ غلام اور لونڈیاں خرید کر آزاد کرے۔(توبہ 9۔آیت 60)

زمانہ جاہلیت میں جن مالکوں نے لونڈیوں سے پیشہ کرانے کے لئے چکلے قائم کرر کھے تھے۔ان کے چکلوں کو ختم کر دیا گیا۔

لونڈیوں اور غلاموں کے لئے تحقیر آمیز الفاظ استعمال کرنے کے بجائے "فتیٰ" اور "فتاۃ" کے الفاظ استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔(یہ محبت کے ساتھ کسی کو بلانے کا اس وقت کا معروف طریقہ تھا)۔تاکہ لوگوں کا قدیم تصور بدل جائے۔

اس کے بعد دو کام ایسے کئے گئے جن کی وجہ سے موجود غلاموں کی تعداد کم از کم حد تک گھٹ گئی اور آئندہ کے لئے غلامی کی جڑ کاٹ دی گئی۔پہلا کام مکاتیب کا اصول تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر غلام کو یہ حق مل گیا کہ وہ ایک معاہدے کے ذریعے کچھ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کرسکتا ہے۔عام لوگوں اور ریاست سے کہا گیا کہ وہ اس ضمن میں غلاموں کی پوری پوری مدد کریں۔ارشاد ہوا:

والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان
علمتم فیھم خیراوّ اٰتوھم من مال اللہ الذی اٰتٰکم۔

"تمہارے لونڈی،غلاموں میں سے جو لوگ مکاتبت کرنا چاہیں۔اگر تم ان میں (مال کمانے کی)صلاحیت پاؤ تو ان سے معاہدہ کرلو اور ان کو اس مال میں سے دو۔جو خدا نے تم کو دیا ہے ""
(نور 24۔آیت 33 کا حصہ)

سورۃ محمد میں ارشاد ہوا۔

"فا ما منا بعدو اما فدآءً حتٰی تضع الحرب اوزارھا"(محمد 447۔ آیت 4 کا حصہ)

"لڑائی (میں فتح حاصل کرنے اور قیدیوں کو مضبوط باندھنے) کے بعد ان قیدیوں کو یا تو احسان کر کے چھوڑنا ہے۔یا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

فدیہ لیکر۔ یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے"

چونکہ لونڈی، غلام صرف جنگ کے دوران میں ہی بن سکتے ہیں۔اس لئے اس حکم کے ذریعہ آئندہ کے لئے یہ دروازہ ہی بند کر دیا گیا اور اس طرح اسلام نے غلامی کے ادارے کا مکمل طور پر خاتمہ کر لیا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

باب ششم

خواتین کے متفرق مسائل

اس باب میں ان معاملات کو لیا جائے گا۔جس کا تعلق عام طور پر ایک خاتون کی ذاتی زندگی سے ہوتا ہے۔ان مین بھی کئی معاملات ایسے ہیں۔جس کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے سب مسائل کو یکجا کیا جائے۔

حیض،نفاس اور استخاضہ

طہارت و پاکیز گی انسان کی فطری ضرورت ہے اور اسی لئے اس کا احساس انسان کی فطرت میں ہے۔اسلام انسان کی اسی فطرت کو مزید جلا بخشتے ہوئے اسے نہ صرف خود پاکیزہ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔بلکہ پورے معاشرے کو اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے پاکیزہ بننے اور پاکیزہ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ہمارا دین جسم و روح اور خور د و نوش سمیت ہر معاملے میں پاکیز گی پر زور دیتا ہے۔اسی لئے حضورؐ کا فرمان ہے "پاکیز گی آدھا دین ہے"

پاکیز گی کے ضمن میں مردوں کے لئے بھی کچھ خصوصی احکام ہیں اور عورتوں کیلئے بھی کچھ خصوصی احکام ہیں۔ان احکام کا تعلق حیض،نفاس اور استخاضہ سے ہے۔حیض اس خون کو کہتے ہیں جو ہر مہینے چند روز کے لیے عورتوں کو آتا ہے۔یہ بلوغت کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور چالیس، پینتالیس حتیٰ کہ پچاس پچپن سال تک جاری رہتا ہے۔عام طور پر اس کا دورانیہ چھ سات دن ہوتا ہے۔تاہم ہر عورت میں اس کا دورانیہ مختلف ہوتا ہے۔

نفاس اس خون کو کہتے ہیں۔جو بچے کی پیدائش یا حمل ساقط ہونے کے بعد خواتین کو آتا ہے۔یہ عام طور پر بیس سے لے کر چالیس دن تک جاری رہتا ہے۔

حیض اور نفاس کے دنوں میں شوہر اور بیوی کے درمیان جنسی تعلق منع ہے۔البتہ روزمرہ زندگی کے باقی تمام تعلقات کو برقرار رکھا جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ان دنوں میں خواتین کونماز معاف ہےاوراس کی قضانہیں ہے۔ان دنوں میں خواتین روزے بھی نہیں رکھیں گی۔البتہ ان کی قضا بعد میں پوری کرلیں گی۔اگر ایام حج میں حیض آجائے تو طواف وسعی معاف ہے۔البتہ جب ماہواری کے ایام گزر جائیں تو طواف وسعی کرلیں۔

ان دنوں میں خواتین کے لیےقرآن مجید چھونا منع ہے۔البتہ وہ چاہیں تو ذکر بھی کرسکتی ہیں اوران کوقرآن مجید کا جتنا حصہ زبانی یاد ہو، وہ بھی پڑھ سکتی ہیں۔یہ موقف امام مالکؒ کا ہےاورہمیں اسی پر اطمینان ہے۔حیض کے دوران میں بعض خواتین کوبطور طالبہ یا بطور معلّمہ اسلامیات کی کتاب پڑھنی یا پڑھانی ہوتی ہے۔یاان کواسلامیات کا پرچہ حل کرنا ہوتا ہے۔ایسے حالات میں اسلام کا مستقل اصول یہ ہے کہ لایکلف الله نفسا الا وسعھا "پروردگار کسی پراس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔"(بقرہ 2۔آیت 286)چنانچہ یہ جائز ہے۔

بعض اوقات خواتین کوحیض یا نفاس کے علاوہ بھی مختلف بیماریوں میں خون اور دوسری رطوبتیں آتی ہیں۔انہیں استحاضہ کہا جاتا ہے۔استحاضہ کے دوران میں نماز اور دوسری عبادات جائز ہیں۔

حیض ونفاس کے بعد خواتین کو چاہیئے کہ وہ غسل کریں۔بعض خواتین کے سر کے بال اس طریقے سے گوندھے ہوئے ہوتے ہیں یا مینڈھیاں بنائی ہوئی ہوتی ہیں کہ غسل کے دوران میں ان کا کھولنا اور پھر بالوں کا بنانا مشکل ہوتا ہے۔ایسی خواتین کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ بالوں کوکھولے بغیر ان پر پانی ڈال دیں۔

مختلف عبادات میں رعایت

پروردگار خواتین پر خصوصی مہربان ہے۔اس لئے عبادات کے ضمن میں خواتین کوایسی رعایتیں دی گئی ہیں جن سے بہت کم محنت کے ساتھ مردوں کے برابر اجر کماسکتی ہیں۔یہ بات تو پہلے گزر چکی ہے کہ حیض ونفاس کے دوران میں خواتین کے لئے نماز معاف ہے۔اس دوران میں اگر رمضان کے فرض روزے آجائیں تو وہ بھی وہ بعد میں اپنی سہولت کے لحاظ سے رکھ لیں۔دودھ پلانے والی خاتون کو بھی پروردگار نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ بھی بعد میں روزے رکھ لے۔حج کے دوران بھی انہیں غیر معمولی رعایتیں دی گئی ہیں۔وہ اپنے معمول کے لباس میں حج کرسکتی ہیں۔انہیں بالوں کو کاٹنے کی بھی ضرورت نہیں۔بس علامت کے طور پر چند بال کاٹ لیں۔ان کے لئے اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ شیطانوں کوکنکریاں ماریں۔اس کے بجائے ان کی طرف سے ان کے مرد کنکریاں مار سکتے ہیں۔اگر حج یا عمرہ کے دوران میں انہیں مخصوص ایام آجائیں تو ان کے لیے طواف وسعی بھی معاف ہے۔وہ بعد میں طواف وسعی کرلیں۔

باجماعت نماز کے معاملے میں بھی خواتین کو بہت سی رعایتیں دی گئی ہیں۔جہاں مردوں کے لیے اصل نماز مسجد میں پانچ وقت کی

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

باجماعت حاضری ہے۔ وہاں عورتوں کے لئے یہ رعایت ہے کہ وہ چاہیں تو مسجد میں حاضر ہوں۔لیکن اگر وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیں تو انہیں اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ ایک مرد کو باجماعت نماز ادا کرنے کا ملتا ہے۔ جمعہ کی نماز میں ان کی حاضری پسندیدہ ہے۔تاہم یہ نماز بھی وہ گھر پر پڑھ سکتی ہیں۔البتہ عیدین کی نماز کے متعلق حضورؐ نے بہت زور دے کر یہ فرمایا ہے کہ اس نماز میں خواتین لازماً حاضر ہوں اور اگر ان کے ماہواری کے ایام ہوں، تب بھی وہ آ کر صرف بیٹھی رہیں اور دعا میں شریک ہوں۔

خواتین کی نماز سے متعلق ہمارے ہاں کی سوسائٹی میں دو مسائل نے جنم لے لیا ہے۔ایک یہ کہ اب اکثر مساجد میں خواتین کے لیے کوئی جگہ ہوتی ہی نہیں۔اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ صحیح نہیں۔ جو مساجد سڑک کے کنارے واقع ہیں وہاں ضرور خواتین کی نماز کے لئے جگہ ہونی چاہیئے۔اس لئے کہ راستے میں انہیں بھی نماز پڑھنی ہوتی ہے۔اسی طرح شہر کی چند بڑی مساجد میں، پارکوں میں اور پبلک اہمیت کے تمام مقامات والی مساجد میں خواتین کی نماز کا بندوبست ضروری ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عید کی نماز کے موقع پر خواتین کے لئے عام طور پر کوئی بندوبست نہیں کیا جاتا۔حالانکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ ضروری ہے۔چنانچہ اس ضمن میں ریاست، سوسائٹی کے اکابرین اور علماء سب پر یہ لازم ہے کہ اس مقصد کیلئے سہولت بہم پہنچائیں۔

خواتین اور فیشن

ہر وہ چیز جو انسان کے ذوق جمال کو تسکین بخشتی ہو وہ اسلام کی رو سے جائز ہے۔بشرطیکہ وہ بے حیائی، شرک، اسراف اور دھوکے سے آلودہ نہ ہو۔اس میں ہر طرح کا مہذب اور باوقار فیشن شامل ہے۔

اس ضمن میں قرآن مجید نے لباس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ارشاد ہے۔

" یبنی ادم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوا تکم وریشا "
(اعراف 7 ۔ آیت 26)

"اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے لئے ستر پوشی بھی ہے اور زیب و زینت کا باعث بھی"

آگے قرآن مجید نے بطور اصول یہ بات بیان کی ہے کہ پروردگار نے ہر زیب و زینت جائز قرار دی ہے۔ارشاد ہے۔

" قل من حرم زینة الله اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق قل
هیی للذین اٰمنوفی الحیٰوۃ الدنیا خالصةً یوم القیٰمة "(اعراف7۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

آیت38)

"پوچھو! کس نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو کہہ دو کہ وہ دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لئے ہیں اور آخرت میں تو وہ خاص انہی کا حصہ ہونگی"

خواتین کے ضمن میں قرآن مجید نے خصوصی طور پر زیب و زینت، آرائش اور زیورات کا یوں ذکر کیا ہے کہ یہ ان کا حق بھی ہے اور ان کی فطرت میں شامل ایک داعیہ بھی۔ چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ ہر وہ فیشن جس سے ایک خاتون، خاتون نظر آئے، خوب صورت نظر آئے اور باوقار نظر آئے، جائز ہے۔

تاہم اس حوالے سے چند ایک سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ بعض روایات میں فیشن کے کچھ خاص اعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی اصل توجیہہ کیا ہے؟!

اس کا جواب یہ ہے کہ روایات میں جس چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ چیزیں جو فیشن نہیں بلکہ بے ہودگی اور بے حیائی کی ضمن میں آتی ہیں۔ چنانچہ ایسی چیزوں کو منع ہو جانا چاہیے۔ اس میں حضورؐ کے زمانے میں تین چیزیں شامل تھیں اور اسی لئے حضورؐ نے ان تین چیزوں کے بارے میں وضاحت فرمائی۔ ایک بدن پر گود کر نقش و نگار (tatoo mark) بنانا۔ یہ ایک ایسا بے ہودہ کام ہے جس کی بے ہودگی پر ساری دنیا متفق ہے۔ کوئی معقول آدمی یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کے بدن پر مستقل نقش و نگار بنائے جائیں۔ دوسری چیز جو اس وقت رائج تھی۔ وہ دانتوں کو کاٹ کر نوک دار بنانا اور ان کے درمیاں درزیں بنانا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی زیب و زینت نہیں بلکہ ایک بے ہودگی ہے۔ تیسری چیز یہ تھی کہ اس زمانے میں بدکار عورتیں اپنے بھنوؤں کے بال مختلف اطراف سے نوچ کر اس میں نقش و نگار بناتی تھیں۔ یہ کام نہ صرف یہ کہ بے ہودہ ہے۔ بلکہ چونکہ عام طور پر بدکار عورتیں یہ وضع قطع اختیار کرتی تھیں اس لئے ان سے مشابہت کی وجہ سے بھی اسے ممنوع ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے اسے منع فرمایا۔ اسے اس زمانے کے اصطلاح میں "نـــمـــص" کہتے تھے اور جو عورت یہ کام کرتی تھی۔ اسے "نامضہ" کہتے تھے۔،

درج بالا تین چیزوں کے علاوہ ایک ایسا معاملہ بھی ہے۔ جو بظاہر جائز زیب و زینت کی تعریف میں آتا ہے۔ مگر کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس سے منع کیا ہے۔ وہ معاملہ ہے اپنے بالوں میں دوسرے بالوں کو جوڑنا۔ خواہ وہ مصنوعی ہوں یا نقلی، ہم جانتے ہیں کہ سر کے بال ہر عورت کے حسن و جمال کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ قدرت نے ننانوے فیصد عورتوں کو اس نعمت سے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

نوازا ہے اور جن کو نہیں نوازا یا جن کی کسی بیماری کے سبب سے بال جھڑ گئے ہوں، ان کی یہ خواہش بالکل قدرتی ہے کہ وہ باقی عورتوں جیسی نظر آئیں اور وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں۔ تاہم صحیح بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس سے منع کیا ہے۔ مثلاً ایک روایت کے الفاظ ہیں "رسول اللہؐ نے بال جوڑنے والی اور بالوں کو جڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے" لیکن جب اس ضمن میں تمام روایت کا دِقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ دھوکے کا ہے۔ یعنی جب کسی اہم موقع پر، جب کہ یہ بتانا ضروری ہو کہ عورت میں یہ عیب موجود ہے اس کو دھوکہ دینے کی غرض سے چھپایا جائے۔ اسی لئے حضورؐ نے اسے "زور" یعنی دھوکے کے لفظ سے واضح کیا۔ اسی طرح روایات میں ایک واقعے کا ذکر ہے۔ اس واقعہ سے متعلق تمام روایات کو جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح ہوگیا تھا۔ مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اس دوران میں اس کو ایک ایسی بیماری لگی۔ جس سے اس کے سر کے سارے بال جھڑ گئے۔ پھر جب خاوند نے رخصتی کے لئے لڑکی کی ماں کو کہا تو اس نے چاہا کہ لڑکی کو مصنوعی بال لگا کر رخصت کر دیا جائے۔ گویا یہاں ہونے والے خاوند سے یہ بات چھپانی مقصود تھی کہ لڑکی کے بال جھڑ گئے ہیں۔ کیونکہ عین ممکن ہے۔ اس صورت میں وہ اس لڑکی کو اپنے ساتھ رکھنا پسند نہ کرتا۔ چنانچہ حضورؐ نے اس دھوکہ دہی سے لڑکی کی والدہ کو منع فرمایا۔

اصول یہ ہے کہ ہر وہ زیب و زینت جائز ہے جس سے ایک عورت، عورت نظر آئے۔ خوبصورت نظر آئے اور باوقار نظر آئے۔ البتہ بے حیائی، بے ہودگی اور دھوکہ ممنوع ہے۔ چنانچہ چہرے کے بال صاف کرنا، سرخی لگانا، نیل پالش لگانا اور اسی قبیل کی تمام آرائش جائز ہے۔ فتح الباری کتاب اللباس کی ایک روایت کے مطابق ایک خاتون نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا میں اپنے رخسار کے بال صاف کر سکتی ہوں؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: ''اذیت کو ممکن حد تک دور کرو"

مناسب ہے کہ یہاں ایک ضمنی سوال پر بھی بحث کی جائے۔ وہ یہ کہ اگر ایک عورت نے نیل پالش لگایا ہوا ہو تو کیا وضو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نیل پالش اتارا جائے؟ اس سوال کے جواب میں تین نقطہ ہائے نظر ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وضو سے پہلے نیل پالش اتارنا ضروری ہے، اس لئے کہ نیل پالش کی موجودگی میں اصل ناخن خشک رہ جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر وضو کرنے کے بعد نیل پالش لگایا جائے تو تیمّم کے اصول کے تحت آئندہ پانچ نمازوں تک اسے اتارنے کی ضرورت نہیں۔ تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نیل پالش سے وضو پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کوئی خاتون جب چاہے نیل پالش لگائے اور جب چاہے اسے اتارے۔ اس نقطۂ نظر کی دلیل یہ ہے کہ ایسے تمام معاملات میں دین کی بنیاد تنگی پر نہیں بلکہ آسانی پر ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں اس نوعیت کی جتنی چیزیں موجود تھیں، ان سب میں کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ مثلاً یہ بات متفق علیہ ہے کہ داڑھی کو رنگ دیا جا سکتا ہے۔ ہر رنگ دراصل ایک ہلکی سی تہہ (Coating) ہوتی ہے۔ جو نیچے کھال کو چھپا دیتی ہے۔ خواہ وہ مہندی کا رنگ ہو یا کوئی بھی اور رنگ۔ اب رنگی ہوئی

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

داڑھی کا اصل بال تو گیلا نہیں ہوتا۔اس کے باوجود حضورؐ نے مسلمانوں کو اس کی اجازت دی۔اسی طرح ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگانے کی اجازت ہے اور سب مانتے ہیں کہ اس سے وضو پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔حالانکہ مہندی کا رنگ بھی دراصل ایک تہہ ہے۔جو نیچے کھال کو چھپا دیتا ہے۔اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر ایک خاتون نے بالوں میں مینڈھیاں بنائی ہوں اور اس کے لئے غسل کے وقت ان کا کھولنا مشقت کا باعث ہو تو ان کو کھولے بغیر اوپر سے پانی ڈالنے سے غسل پورا ہو جائے گا۔ظاہر ہے کہ اس صورت میں بہت سے بال گیلے ہونے سے رہ جائیں گے لیکن خواتین کو تکلیف سے بچانے کے لئے حضورؐ نے اس کی اجازت دی۔یہی معاملہ نیل پالش کا ہے۔ہمیں اسی تیسرے موقف پر اطمینان ہے۔

جہیز اور وراثت

برصغیر میں جہیز کی رسم کچھ اس طرح مضبوط ہوگئی ہے کہ اس کا استیصال ناممکن حد تک مشکل ہے۔اسی طرح مختلف دوسرے ملکوں میں ایسے طریقے موجود ہیں۔جن میں شادی کے موقعہ پر لڑکے کو اپنے والدین کی طرف سے اور لڑکی کو اپنے والدین کی طرف سے اس مقصد کیلئے مال ملتا ہے کہ وہ اپنی نئی زندگی کی بنیاد ڈال سکیں۔چنانچہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طرح کا کوئی مال اگر بیٹے یا بیٹی کو دیا جائے تو اسے وراثت کے موقعہ پر اس کے حصے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔یا نہیں؟ چونکہ یہ مسئلہ حضورؐ کے زمانے میں موجود نہیں تھا اس لئے اس کے بارے اجتہاد کے ذریعے غور و فکر کرنا پڑے گا۔

اس ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ایسے مال کو وراثت کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔اس کی اصل وجہ اسلام کا اصول عدل ہے۔اگر ایک بچی کی شادی والدین کے وفات کے بعد ہوئی ہے تو وہ اس بہن کی نسبت خسارے میں رہے گی۔جس کی شادی والدین کی زندگی میں ہوئی تھی۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک لڑکی کی شادی ایسی جگہ ہو جہاں زیادہ جہیز کا مطالبہ ہو اور اس کی بہن کی شادی ایسی جگہ ہو جہاں جہیز کا رواج کمتر ہو۔

ہمارے موقف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح والدین ایک بڑی پریشانی اور مصیبت سے بچ جائیں گے۔صحیح طریقہ سے حساب کتاب رکھا جا سکے گا۔لڑکے اور لڑکی والے سب یہ جان سکیں گے کہ ان کو اپنے حصے میں سے مال مل رہا ہے۔چنانچہ یہ سب کچھ ایک ناپسندیدہ رسم و رواج کے تحت نہیں بلکہ ایک قانون اور ضابطے کے تحت آ جائے گا۔ہمارے خیال میں حکومت کو اس ضمن میں ضروری قانون سازی کرنی چاہیئے۔

حوران جنت

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے حوروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔بعض اوقات ذہن میں یہ سوال

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

آ تا ہے کہ اس نعمت کا حقیقی مطلب کیا ہے؟ جنت کی زندگی کیسے ہوگی؟ کیا یہ حوریں محض مردوں کی جنسی لطف ولذت کے لئے ہونگی؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا اس سے جنتی مردوں کی بیویوں میں رشک وحسد پیدا نہیں ہوگا۔؟ اور کیا یہ ایک طرح کی بے انصافی نہیں ہے؟ اگر چہ اس سوال کا کوئی براہ راست تعلق اس کتاب کے موضوع سے نہیں تاہم ایک تعلق بنتا بھی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس سوال پر مختصر بحث کی جائے۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُخروی زندگی اور جنت و دوزخ کا تمام احوال درحقیقت امور متشابہات سے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصل حقیقت ہمیں نہیں معلوم۔صرف انسان کو ایک تصور دینے اور اس کے ذہن میں ایک احساس پیدا کرنے کے لئے تخلیقی رنگ میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے جو انسانی ذہن سے قریب تر ہیں۔اس پہلو کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن مجید اور صحیح احادیث سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جنت میں سب مرد وعورت اپنی جوانی کے بہترین ایام میں ہونگے۔ان کو کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔سب مرد وعورت جوڑے جوڑے ہونگے۔دنیا میں جو جوڑے تھے وہی آخرت میں ہونگے۔استثنائی حالات کے لئے استثنائی ضابطے ہونگے۔مثلاً اگر کسی جنتی خاتون کے اس دنیا میں کئی شوہر رہے ہوں تو اسے یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ ان میں سے ایک منتخب کرلے۔ جنت میں ہر فرد کی نظر میں اس کا جوڑا کائنات کا سب سے خوبصورت انسان ہوگا جس سے اس کو کامل لطف واطمینان میسر آئے گا۔یوں نہ کبھی اس کا دل اپنے جوڑے سے سیر ہوگا اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی کسی دوسرے جوڑے کے لئے حسد ودشمنی کے جذبات آئیں گے۔ ہر جوڑے کے لئے ہر ملاقات بالکل دو کنواروں کی ملاقات ہوگی۔

حور دراصل ایک اور لفظ احور کی جمع ہے۔اس کے لغوی معنی ہیں ایسی حسین وجمیل عورت جس کی ترکیب مثالی حد تک متوازن ہو۔ قرآن مجید پر غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ایک اس معنی میں کہ ہر جنتی خاتون کو حور کی تمام صفات دی جائیں گی نسوانی حسن وجمال، شرم وحیا اور کشش کا مرقع ہوگی۔ جنت میں اہل ایمان مردوں کے ساتھ ان کے جوڑے بنا دیئے جائیں گے۔ارشاد ہے۔

"ھُمر وازواجھمر فی ظلٰل علی الارائك متكئون"

"جنتی مرد اور ان کی بیویاں (جنت میں) گھنے سایوں میں ہونگے۔مسندوں پر تکئے لگائے ہوئے""

(یس 36۔آیت 56)

آ گے ارشاد ہے:

وعندھمر قٰصرٰتُ الطرف عین۔ کانّھن بیض مکنون۔

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

"اوران کے پاس نگاہیں بچانے والی، خوبصورت آنکھوں والی (عورتیں ہونگی گویا کہ شتر مرغ کے محفوظ انڈے ہیں) "سورۃ صفٰت 37۔آیات 48-49)

آ گے ارشاد ہے۔

"وعندھم قٰصرات الطرف اتراب

"اوران کے پاس شرمیلی ہم سن بیویاں ہونگی۔(صٓ 38۔آیت 52)

آ گے ارشاد ہے۔

"وزوّجھنٰم بحورعین"

"اور ہم خوبصورت ترین عورتیں ان سے بیاہ دیں گے" (الدخان 44۔آیت 54)(طور 52۔آیت 20)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں حور کا لفظ ایک اور معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔وہ یہ کہ جنت میں ایک خاص مخلوق بنائی جائے گی۔ جن میں لڑکے (غلمان) بھی ہونگے اور لڑکیاں (حوریں) بھی ہونگی۔یہ حور و غلمان جنتی مرد اور عورتوں کی خدمت بھی کریں گی اور ان کے لیئے ہر جائز تفریح کا سامان بھی بہم پہنچائیں گی۔اس کی سب سے نمایاں مثال سورۃ رحمٰن 55 میں ہے۔جہاں آیات 56 تا 58 میں اہل جنت کی بیویوں کا ذکر ہے اور پھر آیات 72 تا 74 میں حوروں کا ذکر ہے۔ارشاد ہے۔

فیھن قٰصرٰت الطرف لم یطمثھن انس قبلھم ولا جآن۔

"(جنت میں) ان نعمتوں کے درمیان شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے نہ چھویا ہوگا (یعنی ان خواتین کو نئے سرے سے باکرہ بنادیا جائے گا)۔" (سورۃ رحمٰن-55، آیت 56)

آ گے ارشاد ہے:

حورٌ مقصورٰت فی الخیام۔ فبایّ اٰلآء ربکما تکذبٰن۔ لم یطمثھن انسٌ ولا جآن۔

"خیموں میں ٹھہرائی ہوئی حوریں۔اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان جنتیوں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جن کے ان کو نہ چھوا ہوگا" (آیات 72-74، سورۃ رحمٰن 55)

اس کی تفصیل میں حضرت ام سلمہؓ کی ایک روایت بہت اچھی روشنی ڈالتی ہے۔وہ فرماتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا۔یا

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

رسول اللہؐ دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں؟ حضورؐ نے جواب دیا: دنیا کی عورتوں کو حوروں پر وہی فضیلت حاصل ہے۔ جو ابرے کو استر پر ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کس بنا پر؟ فرمایا اس لئے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں۔ روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔" (طبرانی)

اسی مخلوق میں لڑکے (غلمان) بھی شامل ہونگے۔ارشاد ہے۔

وَيَطُوُف عَلَيهِم غِلمان لَهُم كَانّهم لُؤلُؤ مَكنون۔

"اوران کی خدمت میں وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہونگے۔ جو انہی جنتیوں کے خدمت کے لئے مخصوص ہونگے۔ایسے خوبصورت جیسے چھپا کرر کھے ہوئے موتی (" طور 52۔آیت 24)

بالکل اسی اسلوب میں قرآن مجید نے حوروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ارشاد ہے۔

وحور عین۔ کامثال اللؤ لؤ المکنون۔

"اوران کے لئے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہونگی۔ایسی خوبصورت جیسے چھپا کرر کھے ہوئے موتی ("الواقعہ 56۔آیت 22۔عربی متن)

یہاں دو باتیں مزید واضح ہونی چاہیں۔ایک یہ کہ قرآن مجید میں ایک ہی لفظ کا دو مختلف معانی میں استعمال ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔متعدد ایسے الفاظ ہیں جنہیں قرآن مجید میں ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔مثلاً رسول کا لفظ وحی لانے والے فرشتے جبرائیلؑ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور نبیوں کی ایک خاص کیٹیگری کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حور نامی خصوصی مخلوق شہوانی مقصد کے لئے ہے۔ پروردگار عادل حقیقی ہے۔اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ پروردگار کے حکم سے ایسا کام ہو جس میں بے انصافی یا تر دد کا کوئی شائبہ تک موجود ہو۔

ضبط ولادت

جدید دنیا کا ایک اہم مسئلہ ضبط ولادت ہے۔اسلام کی رو سے زندگی کے ہر میدان میں پلاننگ اور سٹریٹجی ضروری ہے۔ چنانچہ خاندان کی توسیع کے معاملے میں بھی ممکن حد تک انسانی عقل وسائل سے کام لے کر پلاننگ بھی لازم ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

پروردگار نے اس دنیا کو چلانے کے جو ضابطہ مقرر کیا ہے۔ اس کے مطابق یہاں کے تمام کام دو طریقوں سے انجام پاتے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ مثلاً بارش، طوفان، زلزلے، موسموں کی تبدیلی اور قدرتی آفات وغیرہ۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جس کے مطابق کچھ کاموں کا ذریعہ اور سبب انسان بنتا ہے۔ وہ تمام کام جنہیں انسان اپنے اختیار میں سمجھتا ہے۔ ان کے متعلق پروردگار نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ وہ علم (knowledge), فکر (rational thinking)، عقل (intellect)، تدبر (wisdom)، اور حکمت (proper strategy) سے کام لے۔ قرآن مجید میں یہ ہدایت اور اس سے متعلق اشارات ایک سو سے زیادہ مرتبہ آئے ہیں۔ مثلاً:

وقل ربی زدنی علماً

''اے نبی! یہ دعا کیا کر کہ اے پروردگار میرا علم بڑھا''۔ (طٰہٰ 20۔ آیت: 114)

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوالالباب

بتاؤ! کیا علم والے اور علم نہ رکھنے والے کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔ یقیناً نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہوں'' (زمر 39۔ آیت: 9)

ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً وما یذکر الا اولوالالباب

''جسے حکمت ملی۔ اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔ (بقرہ 2۔ آیت: 269)

ان شرّ الدوآب عندالله الصم البکم الذین لا یعقلون۔

''جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ خدا کے نزدیک گونگے بہرے بلکہ بدترین قسم کے جانور ہیں''۔ (انفال 8۔ آیت: 22)

ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف الیل والنهار والفلك

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

التی تجری فی البحر بماینفع الناس ومماانزل الله من السماء من مآءٍ فاحیا بهِ الارض بعد موتها وبث فیها من کل دآبةٍ وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السمآء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون۔

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا الٹ پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا۔ اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدل دینا اور بادل، جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں ان میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں'' (بقرہ-2۔آیت:164)

الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئك الذین هدٰهم الله واولئك هم اولوالالباب۔

''اے نبی۔ بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں اور یہی اہل دانش ہیں'' (زمر-39۔آیت:18)

ایسے تمام اختیاری معاملات میں انسان جو بھی فیصلہ کرتا ہے اور راہ عمل متعین کرتا ہے۔ اگر وہ بلحاظ مجموعی انسانیت کے مفاد میں ہو اور اس سے انسانیت کو کسی بڑے نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو انسان کی یہی کوشش پروردگار کا فیصلہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح انسان ترقی کی منازل طے کرتا رہتا ہے۔ انسان کی آج تک کی تمام علمی، فکری اور سائنسی ترقی اسی طریقہ سے ہوئی ہے۔ پروردگار نے اپنے اس اصول کو قرآن مجید میں کئی مرتبہ بیان کیا ہے کہ پروردگار کسی کا عمل ضائع نہیں ہونے دیتا۔

الّا تزروازرة اُخریٰ۔ وان لیس للانسان الاما سعیٰ۔

''کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی کوشش خود اس نے کی'' (نجم-53۔آیت:39-38)

البتہ اگر انسان کی کوئی کوشش بلحاظ مجموعی عالم انسانیت کے خلاف ہو اور اس سے کوئی برائی اس طریقہ سے پھیلنے کا امکان ہو جس

www.javedahmadghamdi.com
www.al-mawrid.org
© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

سے نیکی کی آواز بالکل ہی ختم ہو کر رہ جائے تو ایسی ہر کوشش پروردگار کے فیصلے کے تحت ناکامی سے دوچار ہوتی ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعضٍ لھدمت صوامع وبیع
وصلوٰت ومسٰجد یذ کر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من
ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز۔

''اگر اللہ (خراب) لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں (حج-22-آیت:40)

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولٰکن
اللہ ذو فضل علی العٰلیمن۔

''اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض (دوسرے) لوگوں کے ذریعے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا۔
مگر اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے''۔(بقرہ-2-آیت:251)

بچے کی پیدائش بھی انہی اختیاری کاموں میں سے ایک کام ہے۔ جس میں انسان کے فیصلے کو اللہ اپنی مشیت کے تحت روبہ عمل ہونے دیتا ہے۔ ہر بچے کی پیدائش بھی اگرچہ اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے۔مگر اس کا ذریعہ اور سبب انسان بنتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی عمل ہے جیسے کسان فصل اگاتا ہے۔قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ یہ کھیتی جو تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ بے شک کھیتی اللہ ہی کے حکم سے اگتی ہے۔لیکن کسان ہی اس کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔ چنانچہ جس طرح انسان فصل اگانے میں اپنی عقل اور علم استعمال کرتا ہے۔اسی طرح اسے اپنی نسل کی کھیتی اگانے میں بھی عقل اور علم استعمال کرنا چاہیے۔ سورہ واقعہ میں ان دونوں باتوں کو یوں یکجا کر دیا گیا ہے۔

افرءَیتم ماتمنون۔ ءَانتم تخلقونہ ام نحن
الخٰلقون------------------افرءیتم ماتحرثون۔ ءَانتم
تزرعونہ ام نحن الزّٰرعون۔

''کیا تم نے کبھی غور کیا کہ جو نطفہ تم ڈالتے ہو اُسے تخلیق کرنے والے تم ہو یا ہم ہیں تخلیق کرنے

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

والے۔۔۔۔کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ جو بیج تم بوتے ہو کیا اس سے کھیتی تم اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں؟''(واقعہ۔56 آیت:58-59,63-64)

چنانچہ آج کے حالات میں خاندان میں اضافے کا سوچتے وقت ہمیں چند امور لازماً ملحوظ رکھنے چاہیں۔
پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ جس ماں کو بچہ پیدا کرنے کی ذمہ داری سونپی جارہی ہے کیا وہ جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے نئے بچے کی پیدایش برداشت کرسکتی ہے؟ بچے کی پیدایش کے بعد ایک ماں نہ صرف جسمانی اعتبار سے کمزور ہو جاتی ہے، بلکہ بعض حالات میں نفسیاتی اعتبار سے بھی بہت نڈھال ہوجاتی ہے۔
دوسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ کیا ماں پہلے بچے کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داریوں سے فارغ ہوگئی ہے؟تعلیم وتربیت کے ضمن میں ماں کی گود ابتدائی چند سالوں میں سب سے اہم ہے۔اگر اس کا خیال نہ رکھا گیا تو بچوں کی مناسب تربیت نہیں ہوسکے گی۔
تیسری قابل غور بات یہ ہے کہ ایک باپ کی آمدنی کیا ہے؟اور اس آمدنی میں وہ کتنے بچوں کی ان تمام ضروریات کو پورا کرسکتا ہے جس کے پورا کرنے کا اسے اللہ نے ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ مثلاً تعلیم،علاج،صحیح رہائش اور باعزت زندگی؟
چوتھی قابل غور بات یہ ہے کہ باپ کتنے بچوں پر ذاتی توجہ دے سکتا ہے۔اس کے پاس فارغ وقت کتنا ہے اور وہ کتنے بچوں کی تعلیم وتربیت ذاتی طور پر بطریق احسن کرسکتا ہے؟
پانچویں قابل غور بات یہ کہ پورے ملک اور معاشرے کی صورت حال کیسی ہے؟ بے روزگاری کی کیا صورت حال ہے؟ کیا ہر چیز کے بارے میں صحیح پلاننگ ممکن ہے یا نہیں؟ چونکہ ہر فرد معاشرے کا جزو ہے اس لیے ہر فرد کو پورے معاشرے کے بارے میں بھی سوچنا ہے۔
درج بالا بحث کا مختصراً مطلب یہ ہے کہ جس طرح زندگی کے ہر میدان میں پلاننگ ضروری ہے اور دین کی ہدایت کے مطابق ہے اسی طرح خاندان کے معاملے میں بھی پلاننگ ضروری ہے۔اور یہ پلاننگ دین کے مطابق ہے۔
ہمارے درج بالا نقطہ نظر پر بعض اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔مناسب یہ ہے کہ ان کا جائزہ بھی لے لیا جائے۔
پہلا اعتراض یہ ہے کہ فیملی پلاننگ پروردگار کے صفت رزاقیت پر عدم اعتماد ہے۔ ہر انسان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے۔اس لیے ضبط ولادت نہیں کرنی چاہیے۔اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ پھر تو کسی انسان کی ملازمت،تجارت،کاشتکاری،اور ہر سائنسی ترقی بھی پروردگار کی صفت رزاقیت پر عدم اعتماد ہے۔ کیونکہ انسان یہ سب کچھ رزق کمانے کے لیے تو کرتا ہے۔ پھر تو انسان کو ہاتھ پاؤں توڑ کر اس امید پر زندگی بسر کرنی چاہیے کہ اس کے رزق کی فراہمی پروردگار کے ذمہ ہے۔انسان پر اس ضمن میں کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور سب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رزق حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے تو پھر اس

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

بات پر سوچنا چاہیئے کہ پروردگار کی صفت رزاقیت کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ پروردگار نے رزق کے خزانے اس زمین میں انسان ہی کے لیے رکھے ہیں اور اسے عقل دی ہے کہ وہ ان سے صحیح طور پر استفادہ کرے۔ وہ اپنی عقل استعمال کرے گا تو پروردگار یہ اس کے حوالہ کر دے گا۔ چنانچہ انسان کو اس معاملے میں اپنی پوری پلاننگ کرنی ہے۔ پوری کوشش کیے بغیر اس کے حصے کا رزق بھی اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اس پلاننگ میں جو انسان ملازمت، تجارت اور کاشتکاری کے لیے کوشش کرتا ہے، یہ پلاننگ بھی آپ سے آپ شامل ہے کہ خاندان اندازاً کتنا ہو؟ کب نئے بچے کی تمہید باندھی جائے اور ہر بچے کی بہترین تربیت کیسی کی جائے۔ پس اسی کو ضبط ولادت کہتے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک حدیث کے مطابق قیامت تک پیدا ہونے والے بچے تو پیدا ہو کر رہیں گے، پھر کیوں فیملی پلاننگ کے بارے میں سوچا جائے؟ اس اعتراض کا آسان جواب یہ ہے کہ بے شک یہ سب بچے پیدا ہوں مگر ایک پلاننگ کے تحت پیدا ہوں۔ بغیر مناسب تیاری کے پیدا نہ ہوں۔ لیکن اس پوری بات کا ایک پس منظر ہے۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ منع حمل کے طریقے (یعنی عزل) سے کام لیتے تھے۔ یہ بات جب نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کی گئی تو آپ نے اس طریقے کو اختیار کرنے کی اجازت دی۔ (گویا اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ منع حمل کے تمام طریقے بنیادی طور پر جائز ہیں)۔ البتہ یہ بات ضرور فرمائی کہ قیامت تک پیدا ہونے والے بچے تو پیدا ہو کر رہیں گے۔ اس ارشاد کا صریح مطلب یہی تھا کہ انسان اپنی تدبیر ہی کو سب کچھ نہ سمجھ لے اور اگر منع حمل کے مروج طریقوں کے استعمال کے باوجود حمل ٹھہر جائے تو کبھی اسقاط حمل یا قتل اولاد کے بارے میں نہ سوچے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید نے قتل اولاد سے منع کیا ہے، فیملی پلاننگ دراصل قتل اولاد ہی ہے۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ مشرکین مکہ میں اپنے بچوں کو خصوصاً بچیوں کو قتل کرنے کا جاہلانہ طریقہ رائج تھا۔ اس قتل میں دوسرے عوامل کے علاوہ ایک اہم عامل یہ بھی تھا کہ وہ بچیوں کو اپنی معیشت پر بوجھ سمجھ کر قتل کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے جس طرح اپنے زمانہ کی تمام جاہلانہ رسموں پر تنقید کی اسی طرح لوگوں کو اس بھیانک جرم سے بھی روکا۔ قرآن مجید کی اس بات کا فیملی پلاننگ سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ ہی اسے فیملی پلاننگ پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ فیملی پلاننگ یہودیوں اور مغرب کی سازش ہے تاکہ مسلمانوں کی تعداد نہ بڑھنے پائے۔ یہ اعتراض سراسر غلط ہے۔ اس امت کے خلاف اصل سازش تو یہ ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ بے ہنگم، غیر منظّم، تعلیم سے بے بہرہ اور سائنس سے نابلد رکھا جائے۔ آبادی میں غیر منظّم اضافہ تمام پلاننگ کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس کے برعکس ایک منظّم اور منصوبہ بند قوم اپنی تہذیب و عملی برتری کو تمام دنیا پر قائم کر دیتی ہے۔ اس طرح جب امت مسلمہ اپنے آپ کو برتری کے اعلیٰ

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

ترین مقام پر لے جائے تو غیر مسلم اقوام کے قبول اسلام کی راہ کھل جائے گی۔امت کی کثرت کا صحیح طریقہ یہی ہے۔

پانچواں اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ سورہ بقرہ آیت 223 کے مطابق ''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں ۔تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ۔'' کھیتی سے انسان پیداوار ہی تو حاصل کرتا ہے اور فیملی پلاننگ تو دراصل پیداوار نہ لینے کے مترادف ہے۔اس لیے فیملی پلاننگ خلاف اسلام ہے۔

درحقیت یہ بات یوں نہیں ہے۔درج بالا آیت میں مرد اور شوہر کو ایک ذمہ دار کسان سے تشبیہ دی گئی ہے ایک ذمہ دار کسان اپنی کھیتی کو پہلے کھاد اور پانی دیتا ہے اور صرف وہی فصل بوتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے۔فصل لینے کے دوران میں بھی اپنی کھیتی کی پوری حفاظت کرتا ہے اس کو بیماری کے حملے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے اور جب فصل لے لیتا ہے تو کھیتی کو آرام کرنے کے لیے ایک وقفہ دیتا ہے۔تاکہ وہ دوسری فصل کے صحیح طریقہ سے قابل ہو جائے۔

جو کسان ایسا نہیں کرتا وہ ایک غیر ذمہ دار کسان ہے۔پس درج بالا آیت ایک شوہر پر بہت ذمہ داری ڈالتی ہے۔وہ یہ ہے کہ اسے اپنی بیوی کی صحت کا پورا خیال رکھنا ہے۔صرف اس وقت ایک نئے بچے کی تمہید باندھنی ہے جب بیوی اس کے لیے ہر طرح سے تیار ہو۔ایک ذمہ دار شوہر حمل کے دوران میں اس کی صحت کا پورا خیال رکھتا ہے اور ایک اولاد کے بعد دوسری اولاد تک مناسب وقفہ دیتا ہے۔اگر وہ یوں نہیں کرتا تو وہ ایک غیر ذمہ دار شوہر ہے۔

چونکہ فیملی پلاننگ میاں بیوی کو مل کرنی ہوتی ہے۔اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات دونوں کے درمیان اختلاف رائے ہو جائے۔ایک معقول تعداد میں بچوں کی پیدائش کے بعد ایک فریق مزید کے لئے بھی اصرار کرے اور دوسرا اس کی مخالفت کرے۔چنانچہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں فیصلہ کن اختیار کس کا ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملے میں بدنی ذمہ داری ساری کی ساری ماں پر ہی آتی ہے۔چنانچہ یہ واضح ہے کہ جس پر بوجھ آئے فیصلے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہو۔ارشاد ہے۔

ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنا علىٰ وهنٍ وفصٰله فى عامين ان اشكرلى ولوالديك الىّ المصير۔

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملے میں ہدایت کی۔اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا کہ میرے اور اپنے والدین کے شکر گزار رہو۔میری ہی طرف بالآخر لوٹنا ہے۔'' (سورة لقمان-31،آیت14)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

حمل، ولادت اور رضاعت تینوں مراحل کا تعلق ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی لئے ان تمام معاملات میں ماں کا حق باپ کے مقابلے میں زیادہ ہے اور اسی بنا پر نبیؐ نے ماں کا حق باپ سے تین درجے زیادہ بتایا ہے۔ مزید ارشاد ہے۔

ووصیناالانسان بوالدیه احسٰناً حمَلته اُمة کُرھاوّ وضعته کرھا
وحمله وفصٰله ثلٰثون شھرا

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی۔ اس کی ماں نے دکھ کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ کے ساتھ اس کو جنا۔ اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوا'' (احقاف 46، آیت-15)

اسقاط حمل:

اسی ضمن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسقاط حمل کے متعلق اسلام کی ہدایت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حمل کی ابتداء دراصل ایک انسان کی ابتدا ہے۔ اس لئے اسقاط حمل ایک بڑا گناہ ہے۔ ارشاد ہے:

ھُوَالذِّی خَلقکُم من نَّفسٍ وَّاحدۃٍ وَجَعَلَ مِنھَا زَوجَھا لِیَسکُنَّ الیھا فَلَمَّا تَغَشّٰھَا حَمَلَتُ حَملاً خَفِیفاً فَمَرَّتُ بِہٖ فَلَمَّااَثُقَلَتُ دَّعَوَاللٰہ رَبَّھُمَا لَئِن اَتَیتَنَاصَالِحاًلَّنَکُونَنَّ مِنَ الشّٰکِرِینَ۔

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف سا حمل رہ گیا۔ جسے لئے لئے وہ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے مل کر اپنے رب سے دعا کی کہ اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے'' (اعراف-7، آیت 189)

آگے ارشاد ہے۔

الذی احسن کل شیءٍ خلقه وبدا خلق الانسان من طین۔
ثمر جعل نسله من سللٰةٍ من مآءٍ مهین ثمر سوّٰہ ونفخ فیه من

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"

روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافدۃ قلیلا ماتشکرون۔

''اس پروردگار نے جو چیز بھی بنائی ہے، خوب ہی بنائی ہے۔اس نے انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا۔پھراس کی نسل حقیر پانی کے خلاصے سے چلائی۔پھراس کے نوک پلک سنوارے اوراس میں اپنی روح پھونکی اورتمہارے لئے کان، آنکھیں اوردل بنائے۔ (لیکن اے انسانو) تم بہت ہی کم شکرگزارہوتے ہو'' (سجدہ-32،آیت 7,8-9)

ایک روایت کے مطابق حمل کے تیسرے مہینے میں جنین میں روح پڑ جاتی ہے اور چوتھے مہینے میں روح کے الحاق سے انسان حقیقتاً وجود میں آتا ہے۔اس لئے روح کے الحاق کے بعد اسقاط حمل اور بھی بڑا گناہ بن جاتا ہے۔البتہ مستثنیات کے اصول کے تحت اگر ماں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوتو اسقاط حمل کیا جاسکتا ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

© "Copyrights Reserved in favour of the legal heirs of Dr. Farooq Khan and as further granted"